معاشی تاریخ انگلستان

8845

سلسلۂ مطبوعاتِ جامعۂ عثمانیہ

نشان (۳۴۹)

معاشی تاریخ انگلستان

حصۂ دوم

سنہ ۱۷۶۰ء سے تا حال

مصنفۂ

ملٹن برگس

ایم اے۔ بی، ایس، سی (لندن)

اور

پرسی جارڈان

پی، ایچ، ڈی۔ بی، ایس سی (لندن)

اشاعت چہارم سنہ ۱۹۳۹ء

ترجمہ

مولوی محمد عاقل صاحب ایم اے

استاذ معاشیات۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

سنہ ۱۳۶۴ھ م سنہ ۱۳۵۴ف م سنہ ۱۹۴۵ء

مطبوعۂ

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

330.942
P642P

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 456858
Date. 26-5-03
SRINAGAR

فہرست مضامین

معاشی تاریخ انگلستان

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاشی تاریخ انگلستان

باب (۱)

صنعتی انقلاب کا ابتدائی جایزہ

۱۔ مقدمہ

صنعتی انقلاب ایک ایسی اصطلاح ہے جس کی تعبیر و تفسیر کئی طرح پر کی گئی ہے۔ ابھی تک لوگ، غالباً آرنلڈ ٹائن بی کی تقلید میں یہ سمجھتے تھے کہ صنعتی انقلاب اس تبدیلی کا نام ہے جو سنہ ۱۷۶۰ء اور سنہ ۱۸۳۰ء کے درمیانی زمانے میں یکبارگی بڑے زور شور کے ساتھ ہوئی اور جس کا سہرا ان چند اشخاص کے سر ہے جن میں ایجاد و اختراع کی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ لیکن اب اس نظریے کو ترک کر دیا گیا ہے (اس انقلاب کا نیا اور ہنگامی پہلو صرف ایک تھا یعنی مشینوں سے اشیاء کے

تیار کرنے میں بھاپ کی طاقت کا استعمال۔ باقی اور جتنے پہلو تھے وہ نئے اور ہنگامی نہیں تھے بلکہ ان کا سلسلہ تو سولھویں صدی سے شروع ہو چکا تھا)۔

ان میں سے بہت سی چیزیں ۱۷۶۰ء تک خاصی نشوونما پا چکی تھیں اور ان میں پختگی پیدا ہو گئی تھی۔ اکثر صنعتوں میں خانگی سرمایہ داری بڑے پیمانے کی پیدائش حتیٰ کہ مقابلے نے بھی خوب ترقی کر لی تھی۔ کچھ صنعتوں مثلاً کوئلے کی کان کنی اور فولاد سازی میں تو ابتدا ہی سے بڑے پیمانے کی سرمایہ داری کا رواج ہو گیا تھا۔ اسی طرح ذاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کی جگہ بازار میں بیچنے کے لئے اشیاء تیار کرنا بھی سولھویں صدی سے شروع ہو چکا تھا اور کاریگروں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا جس کی روزی تمام تر صنعتی اجرتوں پر موقوف تھی اور جس کو نہ تو پیدائش دولت کے آلات کی ملکیت حاصل تھی اور نہ نگرانی۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ انگلستان ۱۷۶۰ء تک ایک صنعتی ملک بن چکا تھا کیونکہ ایسا کہنا انتہائی مبالغہ ہو گا۔ انگلستان میں ۱۷۶۰ء تک تو دیہی زندگی ہی کو غلبہ حاصل رہا۔ اس کی آبادی جو ابھی تک کم تھی، دیہاتی علاقوں یا پھر ایسے قصبوں میں پھیلی ہوئی تھی جنھیں بہت بڑے گاؤں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ صنعت ابھی تک ایک مرکز پر مجتمع نہیں ہوئی تھی۔ کپڑا بننے کا کام اور لوہے کی سلاخوں اور فولاد سے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں بنانے کا کام ابھی تک کاریگر اپنے گھر ہی پر انجام دیا کرتے تھے۔ ابھی تک نہروں اور ریلوں وغیرہ کے ذریعے نقل و حمل کے کام نے ترقی نہیں پائی تھی جس سے وزنی چیزیں بہت کم خرچ پر تیزی کے ساتھ منتقل ہو سکتی ہیں اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مزدور ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے رہتے ہیں اور ان میں طبقہ واری شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ غرض، لوگوں کی معاشی زندگی اور حیثیت میں کسی بنیادی تبدیلی کا پیدا ہونا ابھی دور کی بات تھی۔

صنعتی انقلاب نے یہ نہیں کیا کہ پرانے سلسلے کو توڑ کر دفعتہً کوئی نئی چیز شروع کر دی ہو بلکہ اس نے پہلے پارچہ بافی اور پھر دوسری صنعتوں میں بھاپ کی طاقت سے کام لے کر، ان قوتوں کی رفتار میں جو پہلے سے کام کر رہی تھیں غیر معمولی تیزی پیدا کر دی اور شاید انھیں ایک نئی راہ پر لگا دیا۔ پیدائش کا یہ طریقہ خانگی صنعت کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لئے صنعتوں کو ایک مرکز پر مجتمع کرنا پڑا اور طاقت کے

سرچشموں کے قریب لاکر بڑے بڑے کارخانے قائم کرنا پڑے جن کے گرد نئے شہر بہت تیزی کے ساتھ آباد ہو گئے۔

لیکن اگر ۱۷۶۰ء کو عہد وسطیٰ اور عہد جدید کی صنعت کے درمیان ایک قطعی حد فاصل قرار نہیں دیا جاسکتا تو اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ صنعت کی مشینی ترقی سے اٹھارویں صدی کے آخری چالیس سال میں ایک بنیادی تبدیلی پیدا ہوئی اور نئے شہروں میں فیکٹری کا نظام قائم ہو جانے کی وجہ سے دولت کی شرح پیدائش اور عوام کی معاشی حالت پر ایسے اہم اثرات پڑے کہ ایک لحاظ سے اس زمانے کے لئے صنعتی انقلاب کی اصطلاح کا استعمال کرنا کچھ بیجا نہیں ہے۔

۲۔ صنعتی انقلاب کے اسباب

اٹھارھوں صدی کے آخر میں صنعتی اور مشینی ترقی کی رفتار کیوں اسقدر تیز ہوگئی اس سوال کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ ۱۶۵۰ء سے ۱۷۵۰ء تک کا زمانہ طبیعی علوم کی ترقی کیلئے خاص طور پر سازگار ثابت ہوا۔ سولھویں صدی میں احیاء علوم کی تحریک سے، عہد وسطیٰ کی متکلمانہ مابعد الطبیعیات کا دور دورہ ختم ہوگیا۔ بیکن نے تجربی فلسفے میں نئے سرے سے جان ڈال دی اور اس کی وجہ سے سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں لوگوں کی دلچسپی میکانی علوم اور ریاضیات کے ساتھ بڑھ گئی۔ یہ سچ ہے کہ واٹ کے سوا، ابتدائی عہد کے اور جتنے موجد تھے وہ سائنس کے کسی بہت بڑی ایجاد کے مالک نہ تھے لیکن انھیں ایک ایسا زمانہ ملا جو تاریخ میں شاید پہلی مرتبہ مشینوں کی ایجاد کے لئے واقعی سازگار تھا۔ یونانیوں کا ذہن جو نظری علوم میں بہت تیز تھا عمل کے میدان میں کچھ نہ کرسکا اس لئے کہ یونانی فلسفی کاریگر کے کام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے عہد وسطیٰ میں، فلسفیانہ فکر ہمیشہ دینیات کی تابع سمجھی جاتی تھی، اور ظاہر ہے کہ ایک ایسا زمانہ جس میں تاریخی واقعات کی تعبیر اس طرح کی جاتی تھی کہ مشیت الٰہی رفتہ رفتہ پوری ہو رہی ہے، وہ معاشرتی اور صنعتی ترقیوں کے لحاظ سے کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن ۱۶۵۰ء کے بعد ایک نیا دور شروع ہوا۔ اونچے طبقے جس حقارت سے صنعت اور تجارت کو ہمیشہ دیکھتے آئے تھے وہ اب کم ہونے لگی۔ زمینداروں اور تاجروں میں جو تفریق پرانے زمانے سے چلی آتی تھی وہ

مٹنے لگی۔ اس کے علاوہ نشاۃ ثانیہ کی تحریک کے بعد تنقید اور تجسس کی روح، جس نے پہلے مذہب کی طرف اور پھر ریاضی اور طبیعی علوم کی طرف رخ کیا تھا، اب ان سے کم درجے کی چیز یعنی صنعت کی طرف جھک پڑی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اٹھارویں صدی کے آخری حصے میں بہت سی قوتیں ایک نقطے پر جمع ہو گئیں۔ ایک لحاظ سے دیکھئے تو ان قوتوں کی اہمیت بس اتنی ہے کہ انھوں نے نئی ایجادوں میں مدد دی اور دوسرے لحاظ سے اصل اہمیت خود ان قوتوں کی ہے اور نئی ایجادیں محض ان کا ایک ضمنی نتیجہ ہیں۔ یہ قوتیں تھیں:- زاید محنت، زاید سرمایہ خام اشیاء کی رسد کا آسانی سے فراہم ہونا اور نئے بازار۔ ان عوامل کی اہمیت مجموعی طور پر بہت زیادہ تھی۔ پہلے تین عوامل کی وجہ سے صنعت کو اتنی ترقی ہوئی کہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی اور نئے بازار کی وجہ سے اس صنعت کی پیداوار کی نکاسی کا راستہ مل گیا۔

زاید محنت اور زاید سرمایہ، سترھویں صدی سے آہستہ آہستہ جمع ہو رہا تھا۔ نوآبادیوں اور سمندر پار کے مزرعوں کی ترقی نے خام اشیاء کی وافر رسد مہیا کر دی تھی۔ اسپین اور ہالینڈ کی تجارت کے زوال اور وولف اور کلائیو کی فتوحات کی وجہ سے، انگلستان کی سیدھی سادی اور سستی چیزوں کے لئے وسیع بازار کھل گئے تھے کیونکہ یورپ کی اس زمانے میں جو سیاسی حالت تھی اس کی وجہ سے ان چیزوں کے پیدا کرنے میں انگلستان کا کوئی مقابلہ کرنے والا نہیں تھا۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں کئی مرتبہ اس بات کا اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں جو صنعتی تبدیلیاں ہوئیں ان کے پیدا کرنے میں نوآبادیوں کی ترقی اور خارجی تجارت کو کس حد تک دخل ہے۔ یہاں مناسب ہوگا کہ سیاسی حالات کا بھی ایک سرسری جایزہ لے لیا جائے۔ سنہ ۱۶۸۸ء کے اس انقلاب کے بعد جس کی محرک وھگ پارٹی تھی، انگلستان کے اندر برابر امن رہا اور کچھ تو جزیرہ ہونے کی وجہ سے اور کچھ اپنے بحری اقتدار کی بدولت اس زمانے میں بیرونی حملوں کی زد سے باہر رہا۔ گو یہ صحیح ہے کہ وال پول کی امن کی پالیسی کے باوجود اس ملک کو بین الاقوامی جھگڑوں سے بچ نکلنے میں کامیابی نہیں ہوئی لیکن قومی قرض کے تدریجی اضافے کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو ان جھگڑوں کا قومی زندگی پر کوئی فوری

وجہ سے ہر مرتبہ نئے بازار ہاتھ آئے۔
ظاہر ہے، یورپ کے دوسرے ملکوں میں یہ صورت نہیں تھی۔ ان ملکوں کے لئے ستر ھویں اور اٹھارویں صدی کا زمانہ اول سے آخر تک شاہی خاندانوں کی باہمی جنگوں کا زمانہ تھا۔ فرانس، بلجیم، ہالینڈ، جرمنی اور وسطی یورپ، آپس کے مذہبی جھگڑوں یا بیرونی حملہ آوروں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوتے رہے۔ اٹلی اور اسپین پادریوں کے ایک زوال پذیر طبقے کے پنجے میں گرفتار تھے۔ انگلستان میں اس وقت تک اس پارلیمنٹ کی حکومت تھی جس کی ابھی تک اصلاح نہیں ہوئی تھی اور وہاں حقیقی آزادی کی جگہ محض نام کی آزادی پائی جاتی تھی لیکن پرانی دنیا کے کسی ملک میں بھی (اور نئی دنیا کا معاملہ ابھی تک مستقبل کی گود میں تھا) سیاسی اور سماجی حالات، صنعت کی ترقی کے لئے اتنے سازگار نہیں تھے، جتنے یہاں تھے، جیسا کہ والٹیر اور مانٹسکو نے اپنے وقت نظر سے سمجھ لیا تھا۔

۳۔ انفرادیت

لیکن ان اسباب کے ساتھ ساتھ اور ان کی تہ میں ایک فلسفیانہ تحریک تھی یعنی انفرادیت۔ اس لئے جب تک انفرادیت کے مفہوم اور اس کی اہمیت کو صاف طور پر نہ سمجھ لیا جائے اس وقت تک سنہ ۱۷۶۰ء اور سنہ ۱۸۵۰ء کے زمانے کا مطالعہ صحیح نقطۂ نظر سے نہیں کیا جا سکتا۔

تجارتیت[1] بحیثیت سماجی فلسفے کے محض ایک مرکب تھا قرون وسطیٰ کے عام سماجی نظریوں اور قومیت کے اصولوں کا۔ قرون وسطیٰ کے فلسفے کی بنیادی خصوصیت اس کی عالم گیری تھی۔ اس کے اہم ترین تصورات دو تھے۔ ایک عالمگیر کلیسا اور دوسرے نظری حیثیت سے ایک عالم گیر سلطنت "تجارتیت" جو کہ سیاسی اور معاشی مرکز گیر قومیت پر مبنی تھی، کسی عالمگیر نظام کی کوئی خصوصیت نہیں رکھتی تھی۔ پھر بھی اس نے اپنے بعض بنیادی خیالات، قرون وسطیٰ کے فلسفے سے اخذ کئے۔ اس نے جماعت کو ایک عضویے کے مماثل سمجھا جو ایک کُل کی حیثیت سے، اپنے جُز سے مقدم اور بڑا ہوتا ہے اور جس کی مجموعی تندرستی کا دارومدار اس کے اعضاء کے وظائف کی ہم آہنگی پر ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ قرون وسطیٰ

[1] حصۂ اول، باب چہارم و پنجم۔

کی سماج کا یہ تصور کہ اس کے جملہ طبقے حقوق و فرائض کے باہمی رشتے میں مضبوطی کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں "تجاریت" کے آخری زمانے میں پورے طور پر نہ پائے جاتے ہوں لیکن اس کے آثار اٹھارویں صدی کے نصف اول تک بھی بالکل مفقود نہ ہوئے تھے۔

انفرادیت کو اسی تحریک اصلاح مذہبی کی ایک شاخ سمجھنا چاہیے جو پروٹسٹنٹ فرقے نے سولہویں صدی میں شروع کی تھی۔ فرد کا فلسفیانہ تصور اس وقت پیدا ہوا جب لوگوں نے پوپ کے اقتدار کو تسلیم کرنے سے اور خدا اور بندوں کے درمیان پادریوں کو ایک ناگزیر واسطہ سمجھنے سے انکار کیا۔ پروٹسٹنٹ فرقے کے نظریے کے مطابق جب عیسائیوں کی جماعت کا ہر رکن اپنے خالق کے سامنے براہ راست جواب دہ ہوگیا تو فرد کی حیثیت بالکل ایک نئی روشنی میں نظر آنے لگی۔ اور اس طرح فرد کا اپنے ذاتی مقام پر واپس آجانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک جداگانہ اور مستقل ہستی سمجھا جانے لگا اور اصلاح یافتہ مذہبی حلقوں میں یا کم سے کم پیوریٹن انتہاپسندوں میں اب یہ ناممکن ہوگیا کہ فرد محض جماعت کا ایک رکن سمجھا جائے۔ یہ ذہنیت کی ایک بنیادی تبدیلی تھی جس سے بعد میں نہایت اہم عملی نتائج نکلے

۴۔ فطری حقوق

فرد کے تصور کا پیدا ہونا تھا کہ فلسفے نے اس کو رفتہ رفتہ چند فطری، لازمی اور لازوال حقوق بھی بخشنے شروع کر دیے۔ ہالینڈ کے رہنے والے ایک شخص ہوگروٹیس نے سترھویں صدی کے شروع میں ان فطری حقوق کو سیاسی فلسفے میں بھی داخل کر دیا اور اس تحریک کو پیوفن ڈورف، لاک اور بہت سے بعد کے مصنفوں نے بھی جاری رکھا۔

سترھویں اور اٹھارویں صدی میں اول سے آخر تک مملکت کی مخالفت اور فرد کی حمایت میں ہر موقع پر ان ہی فطری حقوق کا حوالہ دیا جاتا تھا۔ مملکت کے بارے میں یہ نظریہ قائم کیا گیا کہ یہ رضاکارانہ شراکت ہے، آزاد اور مستقل افراد کی، جو اس معاہدے کے ذریعے سے ایک دوسرے سے وابستہ ہیں کہ ہر فرد کے فطری حق آزادی کی حفاظت کی جائے گی۔

جہاں تک انگلستان کا تعلق ہے اس انفرادی فلسفے کو مکمل نشو و نما جان لاک کی تصنیفوں میں حاصل ہوئی جس کے نزدیک عقل اور ذاتی مفاد انسان کے عمل کے

دو ابتدائی محرک ہیں۔ لاک کا اثر بعد کے انگریز مصنفوں پر بھی بہت زیادہ پڑا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ لاک کے ذہن میں فرد عقلی کا جو مجرد تصور تھا وہی معاشی انسان کے اس تصور کا پیشرو تھا جسے رکارڈو اور اس کے حلقے کے مفکروں نے انیسویں صدی کی ابتدا میں رائج کیا۔ لاک کا اثر فرانس کی فلسفیانہ فکر پر بھی بہت پڑا۔ چنانچہ اٹھارویں صدی میں ہیلویٹیئس، ڈیڈرو اور کونڈیاک کی مادیت انہی کے نظریوں سے ماخوذ تھی۔

انفرادیت کے اس فلسفے سے بہت سے ایسے مسائل پیدا ہوئے جو زیر دست معاشری اہمیت رکھتے تھے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ معاشرے کی اصلی ماہیت کیا ہے؟ آیا معاشرہ ایک عضویے کی طرح ہے جو محض مختلف اعضا کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ برتر وحدت رکھتا ہے یا وہ محض ایک مجموعہ ہے مستقل افراد کا جن میں سے ہر رکن ایک قائم بالذات وجود رکھتا ہے اور جس کے اجزا مل کر محض ایک میکانکی اجتماع پیدا کرتے ہیں۔

کلاسکی یونانی عہد سے لے کر، عہد وسطیٰ اور اس کے بعد سترھویں صدی تک معاشرے کی حقیقی وحدت کا نظریہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ سولھویں اور سترھویں صدی میں "تجارتیت" بھی جہاں تک کہ اس سے ایک نظریے کی حیثیت سے شعوری طور پر کام لیا گیا اسی نظریے پر مبنی تھی۔ لیکن مذہبی اصلاح کی تحریک کے بعد جب انگلستان اور فرانس کے بادشاہوں میں مطلق العنانی کا رجحان پیدا ہوا تو اس وقت دنیوی حکمرانوں کی اس من مانی حکومت کی مخالفت کو جائز قرار دینے کے لئے انفرادیت کا نظریہ مذہب سے سیاسیات میں لے لیا گیا۔

غرض، اس طرح فرد اور مملکت میں ایک تضاد پیدا ہو گیا۔ مگر آزادی کا مفہوم ابھی تک بہت تنگ اور محض منفی تھا۔ چنانچہ اس دور کے مفکروں کے نزدیک انفرادی آزادی صرف اسی طرح ترقی پا سکتی تھی کہ مملکت کے کاروبار کو قیام امن کے سادہ اور معینہ عمل تک محدود رکھا جائے یا یوں کہئے کہ اسے محض ایک ایسے دائرے کے اندر ہی رکھا جائے جس میں ہر فرد کو آزادی ہو کہ اپنی قوتوں کو جس سمت میں چاہے نشو و نما دے سکے بشرطیکہ دوسرے افراد سے ٹکرانے کی نوبت نہ آئے۔

۵۔ فطر آئینین

انفرادیت کو سیاسیات سے معاشیات میں منتقل کرنے کا کام زیادہ تر فرانس کے معاشیین کے اس دبستان نے انجام دیا جسے

فطرآئینین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے خیالات، سترھویں صدی کے انگریز مفکروں کے ہاں بھی نظر آتے ہیں جنھوں نے خود اپنے طور پر یہ نظریہ قایم کیا تھا۔ لیکن معاشی انفرادیت کو ایک فلسفیانہ نظام کے بلند مرتبے تک پہنچانے کا سہرا انھی فطرآئینین کے سر ہے۔

فطرآئینیوں کا قول تھا کہ سب آدمی اور سب انسانی قوانین قادر مطلق کے بنائے ہوئے اخلاقی اور طبعی قوانین کی مطیع اور پابند ہیں اور اس مذہب کے قائد یعنی کوئینے کے قول کے مطابق یہ قوانین بہتر سے بہتر ہیں۔ ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا اور انھی پر مکمل ترین حکومت کی بنیاد قایم ہے۔ حکمرانوں کے لئے ان قوانین میں رد و بدل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ایسی ہستی کے بنائے ہوئے ہیں جو عقل، قوت اور حکمت میں سب سے برتر ہے۔ اس لئے ان میں ہر طبقے کا مفاد مساوی طور پر مد نظر رکھا گیا ہے۔ انھی طبعی قوانین میں محنت کا قانون بھی داخل ہے۔ انسان اپنے خارجی احوال کا لازمی طور پر پابند ہے۔ یہ احوال ایک مقررہ جد و جہد کے بدلے میں اس کیلئے بقائے زندگی کے ضروری سامان مہیا کرنا لیکن چونکہ ہر فرد پر بقائے حیات کا فرض عاید ہوتا ہے اس لئے اس کا یہ حق بھی ہے کہ وہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنے تمام کاموں کو دوسروں کی مداخلت کے بغیر پورا کر سکے اسی طرح اُسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ اپنی محنت کے ماحصل کا مالک ہو، اُسے محفوظ رکھ سکے اُسے فروخت کر سکے اور اس کا مبادلہ دوسری ایسی چیزوں سے کر سکے جو اسی ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہوں۔ چونکہ یہ حقوق خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں اس لئے حکومت وقت کو چاہئے کہ وہ اس بات کی پوری ضمانت کرے کہ افراد اپنے حقوق سے آزادی کے ساتھ فائدہ اُٹھا سکیں۔ حکمران کو اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ جس وقت جیسا جی چاہا ویسا قانون بنا دیا۔ اس کا صرف ایک فرض ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنی رعایا کو یہ بتائے کہ اس قسم کے فطری قوانین موجود ہیں اور ان رکاوٹوں کو دور کرے جو قوانین کی راہ میں حایل ہوں اور ایسی مناسب تدابیر اختیار کرے جن سے یہ قوانین بے تکلف عمل میں آ سکیں۔

فطرآئینیوں نے اپنے فلسفے کی ابتدا اس اصول سے کی تھی کہ اگر یہ فطری

قوانین نافذ ہوں تو فرد اور مملکت دونوں کے مفاد کا بہ ایک وقت تحفظ کیا جا سکے گا۔ ان دونوں کے مفاد میں فطرت نے پہلے ہی سے ایک ہم آہنگی قائم کر رکھی ہے اور اس میں صرف اُسی وقت خلل پڑتا ہے جب ان فطری قوانین کے عمل درآمد میں رُکاوٹ پیش آتی ہے۔ فطر آئینیوں کے نزدیک یہ ناقابل تبدیل فطری قوانین زمان و مکاں کی قیود سے آزاد سمجھے جاتے تھے معاشرے کے وجود سے پہلے بھی آدمی ان کا پابند تھا اور معاشرے میں داخل ہو جانے کے بعد آج بھی وہ اسی طرح اُن کا پابند ہے۔

فطری قانون کا یہ عقیدہ کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ یہ رواقیین کے فلسفے کا ایک لازمی جزو تھا لیکن عہد وسطیٰ میں الوہیت کے ایک زیادہ قطعی تصور کی وجہ سے یہ کچھ ماندسا پڑ گیا تھا مگر نشاۃ ثانیہ کی تحریک کے زمانے میں جب قدیم خیالوں کو دوبارہ زندگی ملی تو یورپ کی فکر میں قانون فطرت کا تصور بھی دوبارہ داخل ہو گیا اور مذہبی اور سیاسی اقلیتیں، مطلق العنان حکومت کی مقاومت کرنے کے سلسلے میں اکثر اس کی سند پیش کرتی رہیں۔ فطر آئینیوں نے اس کے ذریعے جو خاص کام لیا وہ یہ کہ انھوں نے معاشی نظام کو انسان کی شعوری رہنمائی کی دسترس سے باہر قرار دیا اور یہ کہا کہ دنیا کا موجودہ نظام نہ صرف مشیت الٰہی کے مطابق ہے بلکہ ناگزیر ہے۔

۶۔ انگلستان کے معاشیین

ایک قرن کے بعد فطر آئینیوں کے ان نظریوں کو انگلستان میں آدم اسمتھ نے اور آگے بڑھایا۔ یہاں ہمیں اس سے بحث نہیں ہے کہ اسمتھ نے اپنے خیالات فطر آئینیوں سے اخذ کئے یا بغیر ان سے متاثر ہوئے اپنے طور پر سوچے۔ اس سلسلے میں جو بات اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ انفرادیت اور قانون فطرت کے بارے میں اس کا جو خاص نقطۂ نگاہ تھا وہ فطر آئینیوں کے مشابہ تھا اور اس کے ان خیالات کا انگلستان پر بہت زیادہ اثر پڑا۔

اسمتھ کو ان معاشیین کا معنوی باپ سمجھنا چاہئے جنھوں نے انگلستان میں معاشیات کے استادی دبستان کی بنیاد رکھی۔ اس دبستان کے دو نہایت با اثر

ابتدائی رکن مالتس اور رکارڈو تھے۔ ان دونوں نے اور خاصکر رکارڈو نے اپنا فلسفیانہ نقطۂ نگاہ آدم اسمتھ سے اور اس کے ذریعے بالواسطہ طور پر فطرآئینوں سے حاصل کیا۔ کوئینے کی طرح رکارڈو اور مالتس بھی قانون فطرت کو ناقابل تبدیل مانتے تھے دوسرے فطرآئینوں کی طرح رکارڈو بھی سختی کے ساتھ اس نظریہ کا قائل تھا کہ فرد اور جماعت کے مفاد کے درمیان ایک ہم آہنگی موجود ہے جو مشیت الٰہی کی قایم کی ہوئی ہے اور اس لئے معاشرے کی ماہیت کے بارے میں بھی غالباً غیر شعوری طور پر انفرادیت کے نظریے کو قبول کر لیا تھا۔

اس کے علاوہ ایک اور دوسرے معاملے میں بھی انگریزی معاشیین اور فطرآئینوں میں اشتراک خیال نظر آتا ہے۔ جس طرح صرف ایک مانٹسکو کو چھوڑ کر سترھویں اور اٹھارویں صدی کے سب مفکر اپنے نظام کو زمان اور مکان کی قیود سے آزاد رکھتے تھے، اسی طرح فطرآئینوں نے بھی رکھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ فطری قوانین معاشی، سماجی، اور سیاسی تمدن کی تمام منزلوں میں اور ہر قسم کے طبعی ماحول اور آب و ہوا میں موثر طریقے پر کام کرتے ہیں اور ان میں کبھی کسی ترمیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس نقطۂ نگاہ کا بنیادی نقص یہ ہے کہ یہ متحرک دنیا، ہمارے ذہن میں ایک ساکت حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ ہر نظام چاہے وہ سیاسی ہو یا معاشی ایک مجرد چیز بنکر رہ جاتا ہے اور ٹھوس حقیقتوں سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ عارضی واقعات جو مقامی یا اتفاقی حالات کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں عالمگیر اور دائمی سمجھ لئے جاتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ مسائل کو ضرورت سے زیادہ سادہ سمجھ لیا جاتا ہے اور انھیں معاشری مظاہر کے دوسرے پہلوؤں سے جو تعلق ہے وہ جاتا رہتا ہے۔

جہاں تک طریقے کا تعلق ہے رکارڈو اور مالتس نے فطرآئینوں کے مقابلے میں کوئی ترقی نہیں کی، گو آدم اسمتھ مانٹسکو کی کتاب "روح قوانین" کے مطالعہ کرنے کی وجہ سے بہت سی انتہا پسندیوں اور مبالغہ آمیزیوں سے محفوظ رہا۔ اگرچہ اس کی کتاب "دولت اقوام" پر بھی اس بنا پر اعتراض کئے گئے ہیں کہ اس کے اندر معاشی اداروں کی قدر و قیمت کے اضافی اور اعتباری ہونے پر جتنا زور دیا جانا چاہئے تھا نہیں دیا گیا ہے۔

رکارڈو اور مالتس سے نہایت قریبی تعلق رکھنے والا ایک اور فلسفی بھی ایسا ہے جس نے اس زمانے کی رائے عامہ کی تشکیل میں بہت حصہ لیا یعنی فلسفۂ سیاست اور فلسفۂ قانون کا ماہر جرمی بنتھم۔ بنتھم بہت سی باتوں میں لاک اور فطر آئینوں سے مختلف تھا۔ اس نے قانون فطری اور حقوق فطری کے نظریے کو رد کر کے افادیت کا نظریہ اختیار کیا تھا۔ اس کے خیالات بھی اتنے ہی مجرد اور تجربے سے اتنے ہی دور تھے جتنے کہ ان مفکرین کے جن کے اصولوں کی وہ تردید کرنا چاہتا تھا۔ فطری حق کے مسلک کے پیروؤں کی طرح وہ بھی یہی سمجھتا تھا کہ معاشرہ مستقل افراد کا ایک مصنوعی اور میکانکی مجموعہ ہے اور اس کے اندر کسی قسم کی فطری یا عضوی وحدت نہیں پائی جاتی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کا قایم کیا ہوا فرد کا تصور بھی جس کے اعمال و افعال کا محرک افادیت کا اندازہ ہوا کرتا تھا (یعنی رکارڈو کا "معاشی انسان") وہ بھی حقیقت سے اتنا ہی دور تھا جتنا کہ لاک کا قبل معاشری انسان۔

۷۔ صنعتی انقلاب پر انفرادیت کے اثرات

غرض، یہ تھا معاشی، اور معاشری فلسفہ جس کی فضا میں صنعتی انقلاب نے ترقی پائی۔ اس فلسفے کو صنعتی انقلاب کا ایک سبب یا کم سے کم اس کی ایک معاون شرط ثابت کر دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے اس باب کی ابتدا میں کہا گیا تھا کہ صنعتی انقلاب کے بارے میں یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ اس نے دفعتہً پرانے سلسلے کو توڑ کر بالکل نئی چیز شروع کر دی بلکہ اصل میں یہ انھی قوتوں کی غیر معمولی سرگرمی کا زمانہ تھا جو صدیوں سے رفتہ رفتہ نشو و نما پا رہی تھیں۔ لیکن اٹھارویں صدی کے وسط تک ان قوتوں کی راہ میں جہاں اور چیزیں حایل ہوئیں وہاں عہد وسطیٰ کی معیشت کے نصب العین یعنی خود کفایتی اور پائیداری کا شوق، رسم و رواج کی عملداری اور معاشرہ کی عضویاتی نوعیت کا احساس بھی اس میں حایل ہوئے۔ چنانچہ آخر الذکر کی بناء پر پلانٹے جنیسٹ خاندان کے حکمرانوں نے فرد کی آزادی کے خلاف بہت سے قوانین بنائے اور ٹیوڈر بادشاہوں نے زراعت کے زوال، مشین کے استعمال اور اُون کی تجارت میں سرمایہ داری کے ابتدائی دخل کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔

لیکن انفرادیت نے آزاد اور مستقل افراد کو معاشرے کی اکائی بنا کر مملکت کی اہمیت کو کم کر دیا۔ اس نے افراد کو جدوجہد کا غیر محدود موقع دیا۔ انفرادی زندگی کی برائیوں کو پبلک لائف میں مستحسن قرار دیا اور نام نہاد فطری قوانین کے عمل کو مشیت الٰہی کا کا لباس پہنا دیا۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہد وسطیٰ کی حد بندیاں ٹوٹ گئیں اور ایک ایسی ذہنی فضا پیدا ہوگئی جس میں انفرادی اقدام، فطرت کی قوتوں سے کام لے کر بین الاقوامی اور تخمینی منڈیوں کے لئے چیزوں کو بڑی تعداد میں تیار کرانے لگا۔

جہاں تک انفرادیت نے ترقی کے راستے سے ان رکاوٹوں کو ہٹایا اس حد تک تو انفرادیت سے معاشیات میں بھی ایسے ہی اچھے نتائج نکلے جیسے انفرادیت سے سیاسیات میں نکلے تھے لیکن قانونی اور سیاسی اداروں کی طرح معاشی اداروں کی بھی اہمیت اور ان کا فایدہ مطلق نہیں بلکہ اضافی ہوتا ہے۔ یہ معاشی ادارے از خود پیدا نہیں ہو جاتے بلکہ خاص ضرورتوں کی بناء پر بنتے ہیں جو پھر نتیجہ ہوتے ہیں خاص خاص حالات کا۔ چنانچہ اگر ان میں بدلتے ہوئے ماحول کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کی فطری صلاحیت نہ ہو تو پھر وقت گزرنے پر یہ ادارے فرسودہ ہو جاتے ہیں اور ترقی کے راستے میں ایک روڑا بن جاتے ہیں، جیسا کہ "تجارتیت" کی منزلوں میں یکے بعد دیگرے دیکھا گیا اور جب ایک مرتبہ ایک قوم ایک پامال راستے پر لگ جاتی ہے تو پھر اس ڈھرے سے اُسے نکالنے کے لئے کوئی دوسری قوت انفرادی اقدام اور آزادی کے برابر موثر ثابت نہیں ہوتی۔

لیکن راہ ترقی کی اُن رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش میں انفرادیت نے دو قرنوں کے لئے معاشرے کے اس نظریے کو بھی منسوخ کر دیا جس سے کمزور اور خستہ حال طبقوں کو کچھ نہ کچھ پناہ مل جایا کرتی تھی۔ کیونکہ جب تک معاشرے کو ایک عضویے کے مماثل مانا جاتا ہے اس وقت تک ایک عضو کی فلاح کو ہرگز دوسرے اعضا کی فلاح سے جدا نہیں سمجھا جا سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک منظم معاشرے کے نصب العین کی جگہ جس کا ہر عضو مفاد عامہ کے لئے کام کرتا ہو، غیر محدود مقابلہ اور بقائے اصلاح کا وہ نصب العین اختیار کیا گیا جسے ڈارون نے نظریہ ارتقا کا پیش خیمہ سمجھنا چاہیئے۔ غرض، ذاتی مفاد اور مفاد عامہ کو ایک سمجھنا جس پر کہ "عدم مداخلت" کا نظریہ مبنی تھا

جنھیں بہت سے لوگ قوانین الٰہی اور فطرت کے ان اٹل قوانین پر اعتقاد رکھنا سے جدا نہیں سمجھتے۔ ان دونوں چیزوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ مفاد ذاتی کو بنیادی طور پر ضروری اور مفید سمجھا جانے لگا اور معاشی معاشرے میں جو عدم مساوات پائی جاتی تھی اس کے لئے جواز کی ایک صورت نکل آئی۔

بدقسمتی سے انفرادیت کے جو منطقی نتائج پیدا ہوئے وہ صرف فلسفے کی خیالی دنیا تک محدود نہیں رہے بلکہ مدبروں اور منتظموں نے انھیں عملی دنیا میں بھی برتنا شروع کر دیا۔ یہ سمجھا جانے لگا کہ جب عوام کی غربت اور معاشی محرومی کو دور کرنے کے لئے طاقتور لوگوں کو روکا جاتا ہے کہ وہ کمزور لوگوں سے ناجائز طریقے پر فائدہ نہ اٹھائیں تو گویا مشیت الٰہی سے سرتابی کی جاتی ہے۔ کیونکہ مالتھس کے استدلال کے بموجب مزدوروں کی زندگی آبادی اور تقلیل حاصل کے قوانین کی پابند اور کمترین وسایل بقا پر قناعت کرنے کے لئے مجبور تھی اور رکارڈو کے نظریۂ شرح لگان سے بھی اسی مایوسانہ عقیدے کی تائید ہوتی تھی۔

مزدور طبقے کی حالت کا ذکر بعد کے کسی باب میں کیا جائے گا۔ انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں مزدوروں میں جو عام افلاس اور خستہ حالی پائی جاتی تھی اس کے اسباب بہت سے ہیں: صنعت کا خانگی نظام سے فیکٹری نظام میں تبدیل ہونا اور اس زمانے میں فطری قوتوں کو اپنی کارفرمائیوں کے لئے پوری آزادی مل جانا۔ مزدور کے کاموں میں نہایت محدود تخصیص کار کا پیدا ہو جانا۔ ایک ایسے بازار کے لئے جو ملکی حدود سے متجاوز ہو گیا تھا اور جو روز بروز زیادہ وسیع ہوتا جا رہا تھا چیزوں کی طلب میں نئے نئے اُتار چڑھاؤ کا پیدا ہو جانا۔ مزدوروں کا ایسی فیکٹریوں میں جمع ہونا جن میں کام کرنے کے بعد نہ تو انھیں اس کا وقت ملتا تھا نہ ان میں اتنی طاقت رہتی تھی کہ وہ کسی اور ضمنی کام کو بھی ساتھ ہی ساتھ کر سکیں۔ لیکن جب ان سب اسباب کی اہمیت کو پوری طرح ملحوظ رکھا جاتا ہے تب بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانے کی مصیبت کا بیشتر حصہ انفرادیت کے فلسفے ہی کا ایک منطقی نتیجہ تھا جس پر اس زمانے کے تاجروں اور حکمرانوں کی جماعت اعتقاد رکھتی اور عمل کرتی تھی۔

سنہ ۱۹۱۴ء کے بعد سے ایسی صنعتی تبدیلیاں برابر ہو رہی ہیں جن کو سنہ ۱۷۶۰ تا

سنہ ۱۸۳۰ء کے زمانے کی تبدیلیوں سے مشابہت دی جا سکتی ہے۔ جنگ کی وجہ سے صنعت میں ایسی مشینوں کا رواج بہت زیادہ بڑھ گیا جو مزدوروں کی محنت کو بچاتی اور انسان کی امداد کے بغیر خود بخود چلتی رہتی ہیں۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا ہے کہ قریب کے پچھلے سالوں میں بیروزگاری میں اتنا اضافہ ہوگیا جس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی لیکن جن بدنصیب مزدوروں کی مشین نے جگہ لی انھیں جماعت نے فطری قوتوں کی آزادانہ کارفرمائیوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب انفرادیت کے فلسفے کا زوال ہو چکا ہے اور معاشرے کی ماہیت کے بارے میں ایک صحیح تر تصور دوبارہ قائم ہوگیا ہے۔

مشین سازی اور تخصیص محنت کے علاوہ صنعتی انقلاب کی بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ عہد وسطیٰ کے جماعتی تنظیم کے نصب العین کی جگہ آزاد مقابلے کا نصب العین اختیار کر لیا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سنہ ۱۷۶۰ء سے پہلے آزاد مقابلے سے لوگ ناواقف تھے۔ جیسا کہ صنعتی انقلاب کی دوسری تبدیلیوں کے بارے میں بیان کیا جا چکا ہے اس تبدیلی کی ابتدا بھی بہت پہلے ہو چکی تھی اور اٹھارویں صدی کے آخر تک یہ چیز بہت پرانی ہو چکی تھی۔ لیکن جو چیز سنہ ۱۷۶۰ء سے پہلے کبھی کبھی اور کہیں کہیں نظر آتی تھی وہ سنہ ۱۸۰۰ء تک ایک ہمہ گیر نظام کی صورت میں رائج ہوگئی اور اپنے جواز کے لئے اُسے ایک فلسفہ بھی مل گیا۔ سنہ ۱۷۷۶ء سے (جب آدم اسمتھ کی کتاب "دولت اقوام" شائع ہوئی) لیکر سنہ ۱۸۴۸ء تک جب جان اسٹوارٹ مل کی "اصول معاشیات" شائع ہوئی، معاشی خیالات کی پوری تاریخ ایک سلسلہ ہے اس کوشش کا کہ غیر مقید مقابلے کی حمایت کی جائے اور اُسے صنعتی معاشرے کی بنیاد قرار دیا جائے۔ پہلے تو آدم اسمتھ نے عوام کی توجہ اس امکان کی طرف مبذول کرائی کہ آزاد مقابلے کے نظام کے تحت اتنی دولت پیدا کی جا سکتی ہے جو لالچی لوگوں کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی پھر رکارڈو نے یہ ثابت کیا کہ مکمل مقابلے کی صورت میں دولت کی تقسیم بالکل فطری اور اٹل قوانین کے ماتحت ہوتی ہے۔

۸۔ مقابلے کی خرابیاں

اسمتھ کو عام خوش حالی کی بشارت دیے چوتھائی صدی بھی نہیں گزری تھی کہ ناخوشگوار حالات نے مالتس کو دولت

کے اسباب نہیں بلکہ افلاس کے اسباب کی جستجو پر مجبور کر دیا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ افلاس کے اسباب خود مقابلے کے اندر پوشیدہ پاتا لیکن فطری اور اٹل قانون کا اثر اس قدر زبردست تھا کہ اس کی توجہ اس طرف مائل نہیں ہوئی بلکہ وہ غذائی پیداوار اور آبادی کے مفروضہ فطری حقائق کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس طرح اس نے ایک قرن تک معاشری ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈال دی۔

"عدم مداخلت" کی پالیسی ایک نظریے کی حیثیت سے مندرجۂ ذیل مفروضات پر مبنی تھی:۔ (۱) یہ کہ تمام معاشری مظاہر، فطری قوانین کے پابند ہیں اس لئے انسان کے بنائے ہوئے وضعی قوانین غیر ضروری ہیں۔ (۲) یہ کہ افراد کی دانشمندانہ خود غرضی اور رفاہ عامہ میں ایک فطری ہم آہنگی پائی جاتی ہے (۳) یہ کہ تمام آدمی فطری طور پر کم و بیش مساوی ہوتے ہیں۔

ایک حد تک تو یہ بات مانی جا سکتی ہے کہ معاشری مظاہر ضرور فطری قوانین کے پابند ہیں، کیونکہ اگر یہ بات نہ مانی جائے تو ہمیں ان دو متبادل مفروضات میں سے کسی ایک کو تسلیم کرنا پڑے گا یا تو اسے کہ ہمارا معاشری نظام مشیت الٰہی کا ایک مسلسل اور بلا واسطہ اظہار ہے یا یہ کہ یہ پورا نظام معقولیت سے خالی ہے۔ جب فطر آئینیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ معاشی واقعات فطری قوانین کے پابند ہیں تو انھوں نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ انھوں نے صرف اس اصول کو معاشیات پر بھی منطبق کر دیا جسے ہابس سیاسیات میں استعمال کر رہا تھا اور جس پر ڈیکارٹ نے طبعی علوم کے نظریے کی عمارت کو کھڑا کیا تھا۔

لیکن یہ کہنا بلاشبہ غلط ہے کہ یہ معاشی قوانین اسی طرح اٹل، غیر متغیر اور مستقل ہیں جیسے کہ ریاضیات یا طبیعیات کے قوانین ہوتے ہیں کیونکہ یہ حالات کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں اور ان میں انسانی ارادے سے ترمیم کی جا سکتی ہے۔ وضعی قوانین کا بنانا ضروری ہے کیونکہ ہماری دنیا جیسا کہ فطر آئینیوں کا خیال تھا بہترین دنیا نہیں ہے اور نہ انسان ریکارڈو اور مالتھس کے فلسفے کے مطابق فطری قوتوں کے ہاتھ میں محض ایک کٹ پتلی ہے۔ مل نے جب ۱۸۴۸ء میں اپنی کتاب لکھی اس وقت اس کے پیش نظر صنعتی انقلاب کی پوری تاریخ تھی۔ اسی لئے اس نے یہ ضروری سمجھا

کہ اٹل قوانین کو صرف پیدائش دولت تک محدود رکھے اور تسلیم کیا کہ تقسیم دولت کے قوانین جماعتی نظام کے ساتھ بدل سکتے ہیں۔

دوسرا مفروضہ یعنی خانگی اور عام مفاد میں قدرتی ہم آہنگی، انسانی فطرت کے اس تصور سے اخذ کیا گیا تھا جسے اب بہت کمزور اور بے بنیاد سمجھا جانے لگا ہے۔ سترھویں صدی میں ہابس اور لاک کے نظریہ معاہدے پر اعتقاد رکھنے والوں کے نزدیک انسان ذی عقل مخلوق تھا جسے اپنے حقیقی مفاد کا علم ہوتا ہے اور وہ ہر حال میں اس کا طلبگار رہتا ہے۔ لیکن یہ بات واقعات کے خلاف تھی جس کی وجہ سے روسو انسان کے حقیقی اور غیر حقیقی ذات میں فرق کرنے پر مجبور ہوا لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی ہمیشہ یہ جانتا ہو کہ اس کا فایدہ کس چیز کے ساتھ وابستہ ہے اور جب وہ یہ جانتا بھی ہو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ اس کے حاصل کرنے میں بھی مصروف رہے۔ نہ یہ بات صحیح ہے کہ آدمی کے اعمال و افعال کی واحد محرک ہمیشہ اس کی ذاتی غرض یا افادہ ہوتا ہے۔ پھر تجربہ ہمیں یہ سکھلاتا ہے کہ جب ذاتی مفاد کو بے قید چھوڑ دیا جاتا ہے تو اس سے بیشتر صورتوں میں مفاد عامہ کو نقصان ہی پہنچتا ہے۔

تیسرا مفروضہ یعنی انسانوں میں ایک فطری مساوات کے موجود ہونے کی ایک طویل تاریخ ہے۔ یہ قدرتی قانون ہی کا ایک ضمنی نتیجہ ہے۔ اس کو قدیم زمانے کے رواقیین اور ابتدائی آبائے کلیسا صحیح مانتے تھے۔ لیکن موجودہ زمانے میں جس شکل میں یہ نظریہ پایا جاتا ہے اس کا ماخذ جان لاک کا وہ نظریہ ہے جو اس نے انسانی ذہن کے بارے میں پیش کیا تھا۔ اس کو اس بات کی بہت فکر تھی کہ وہ کسی طرح ڈیکارٹ کے خلقی تصورات کے نظریے کی تردید کردے۔ چنانچہ اس نے انسانی ذہن کو پیدائش کے وقت ایک سادے کاغذ سے مشابہ قرار دیا۔ لیکن اس نے اس طرح بالکل غیر ارادی طور پر اس نظریے پر بھی ایک کاری ضرب لگا دی جس کی بنیاد پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ مختلف خاندانوں میں پیدا ہونے کی وجہ سے افراد میں فطری عدم مساوات ہوتی ہے۔ انسانی ذہن کے بارے میں اس کا یہ نظریہ "انفرادیت" کے نقطۂ نگاہ کو جایز قرار دینے کے لئے نہایت ضروری تھا۔ افراد کے مابین

لہ فطرائیین، معاشی معاملات میں قدرتی مساوات کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ فرد کو ملکیت کا غیر محدود حق دیتے تھے۔

غیر محدود مقابلے کو اخلاقی لحاظ سے اسی وقت جائز سمجھا جاسکتا ہے جب مقابلہ کرنے والے لوگ ہر اعتبار سے باہم مساوی ہوں لیکن لاک کا یہ نظریہ عرصہ ہوا مسترد کیا جاچکا ہے۔ افراد طبعی طور پر مساوی نہیں ہوتے مختلف افراد کی ذہانت اور قابلیت میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس لئے جب تمام لوگوں کو غیر مفید مقابلے میں شریک ہونے کے لئے مجبور کر دیا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے جیسا کہ انیسویں صدی کے تجربے سے ثابت ہوا طاقتور لوگ کمزوروں سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیتے ہیں۔ اس عہد میں بھی جب کہ لوگوں نے صرف دولت ہی کو اپنا کعبۂ مقصود بنالیا تھا لوگوں کے اندر انسانی ہمدردی کا جذبہ بالکل دبایا نہیں جاسکا تھا۔ بچوں کی مخصوص حیثیت کو عقلی طور پر بھی تسلیم کرنا پڑا۔ فیکٹری کے پہلے قوانین نے "عدم مداخلت" کے اصول کی عین اس وقت جڑ کھودنا شروع کر دی جب کہ اُسے مکمل کامیابی کی منزل بالکل سامنے نظر آتی تھی۔

انیسویں صدی میں مقابلے کی وجہ سے جو واقعات رونما ہوئے وہ اس بات کی نہایت نمایاں طور پر وضاحت کرتے ہیں کہ معاشی مسائل کو ضرورت سے زیادہ سادہ بنا دینے سے کیا خطرات پیدا ہو سکتے ہیں۔ "عدم مداخلت" کا نظریہ سراسر غلط تو نہیں تھا۔ لیکن وحشیانہ زندگی کا اخلاقی اصول بغیر ترمیم کے مہذب معاشروں کی زندگی کا قانون نہیں قرار دیا جاسکتا۔ انسانی فطرت اپنی زندگی کی ایک خاص منزل میں خود غرض ہوتی ہے اور اس کے لئے ایسا ہونا شاید ضروری بھی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کے اندر ہمدردی اور جماعت پسندی بھی پائی جاتی ہے اور یہ جبلتیں اخلاق کی ایک بلند تر سطح سے تعلق رکھتی ہیں۔ پھر بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اصولوں کی قدر و قیمت کا اندازہ بھی ان اداروں کی قدر و قیمت کی طرح جو مادی صورت میں موجود ہوتے ہیں اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب انھیں مخصوص حالات کے اندر دیکھا جائے۔ صنعتی انقلاب کے عہد کے فلسفیوں اور معاشی مفکروں کا بنیادی نقص یہ تھا کہ انھوں نے یہ فرض کرلیا تھا کہ فطری قوتوں کی آزادانہ کارفرمائیاں جماعت کی ہر منزل میں یکساں طور پر مفید ہوتی ہیں۔

9 - اشتراکیوں کا ردِ عمل

اشتراکیت کی ابتدا اس وقت ہوئی جب انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں لوگوں کی مصیبت اور خستہ حالی

میں بہت اضافہ ہو گیا۔ جب رکارڈو نے اپنی "اصول معاشیات" اور مالتھس نے اپنے "مقالہ در بحث آبادی" کو ختم کیا تو اس وقت اس نظریے کے افسوسناک نتائج ہر جگہ نظر آرہے تھے کہ دولت بجائے خود ایک مقصد ہے۔ فطرت پر انسان نے جو نئی فتوحات حاصل کی تھیں، ان سے محنت کش عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا تھا اگرچہ دولت کی پیدائش اتنی بڑھ گئی تھی جسے صرف ایک اعجاز ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ افلاس و مصیبت ایک افسوسناک حد تک پہنچ گئی تھی۔ پھر لطف یہ ہے کہ لاک، اسمتھ اور رکارڈو نے ملکیت کے حق کی بنیاد محنت کو قرار دے رکھا تھا۔ ان متضاد حالات میں ہمیں اس بات پر تعجب نہ کرنا چاہئے کہ اشتراکیت نے کیوں انفرادیت اور مقابلے کے نظریوں کو مکمل طور پر مسترد کر دیا اور ان کے بالکل مخالف نظریوں یعنی عالم گیریت اور امداد باہمی کو ان کی جگہ دے دی۔ ان کے نزدیک عقل نہیں بلکہ ہمدردی وہ قوت تھی جو افراد جماعت کے درمیان باہمی ربط پیدا کرتی ہے۔

انیسویں صدی کے وسطی زمانہ تک اشتراکی نظریے نے جرمنی اور فرانس میں ایک مستقل جگہ حاصل کر لی تھی۔ لیکن انگلستان میں اشتراکیت کی ترقی اتنی تیزی سے نہیں ہوئی کیونکہ یہ ملک ۱۸۷۰ء تک دنیا بھر کے لئے چیزیں تیار کرتا رہا اور یہاں سستی غذا کی درآمد کی وجہ سے کشمکش معاش میں کسی قدر سکون رہا۔ لیکن ۱۸۸۰ء کے بعد سے انگلستان میں بھی بے روک مقابلے کو ترمیم کے بغیر قبول کرنا ترک کر دیا گیا۔

۱۰۔ انفرادیت کا زوال۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ انیسویں صدی میں مملکت کا نظریہ بالکل بدل گیا۔ اس کے اسباب مختلف تھے۔ عملی خرابیوں کو دور کرنے کی ضرورت نے مجبور کیا کہ فیکٹری کے قوانین میں مسلسل توسیع ہوتی رہے پھر رائے دہندوں کے حلقے کی تدریجی توسیع سے جو اس صدی میں برابر ہوتی رہی، عوام کے جائز مطالبوں کو ٹالنا روز بروز مشکل ہوتا گیا۔ لیکن ان عملی اثرات کی تہ میں وہ ردعمل تھا جو مملکت اور سماج کے انفرادی نظریے کے خلاف پیدا ہوا انبس گروہوں کی زندگی کو بنیاد بنا کر معاشرے کا تصور کرنا، جس کا ابتدائی معاشیین کو بہت شوق تھا ۱۸۸۰ء سے پہلے چاہے ممکن رہا ہو لیکن اس کے بعد بالکل ممکن نہیں رہا۔ صنعتی انقلاب نے کچھ اور چاہے کیا ہو یا نہ کیا ہو لیکن ایک بات اس نے ضرور کی اور وہ یہ کہ اس نے

مختلف طبقوں کو معاشی معاملات میں ایک دوسرے کا پابند بنا دیا۔ جب زندگی کی ابتدائی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے فرد اپنے بنی نوع کے ایک عالمگیر حلقے کا محتاج ہوگیا تو پھر اس کے بارے میں یہ تصور کرنا کہ وہ ایک مستقل اور خود مکتفی وجود ہے منطقی طور پر ناممکن ہوگیا۔ پھر اسی زمانے میں یونیورسٹیوں میں بھی مملکت کی ماہیت کے بارے میں وہ تصور دوبارہ پیدا ہوگیا جو قدیم یونان کے مملکت کے تصور سے مشابہ تھا۔ ارسطو کے نزدیک مملکت اگرچہ فرد کے بعد وجود میں آئی ہے لیکن پھر بھی منطقی طور پر وہ فرد سے مقدم ہے۔ کیونکہ انسان مملکت کے اندر اور اس کے وسیلے ہی سے اپنی فطرت کی ان اعلیٰ قوتوں کو ترقی دے سکتا ہے جو اُسے وحشی جانوروں سے ممیز کرتی ہیں۔ مملکت کا یہ نظریہ اٹھارویں صدی کی منفی انفرادیت سے بہت مختلف ہے اور اس سے بہت اہم عملی نتائج پیدا ہوئے۔ اس نے مملکت کو یہ مثبت کام تفویض کیا کہ ایسے حالات پیدا کرے جن میں سب کے لئے صحیح معنی میں مکمل زندگی بسر کرنا ممکن ہو۔ اور اس طرح اس نے مملکت کو ایک نئی عظمت بخش دی۔ اس کے علاوہ اس نے یہ اصول پیش کیا کہ آزادی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ فرد کو اپنی حیوانی خواہشات کے پورا کرنے کا حق بغیر کسی قید کے دے دیا جائے بلکہ آزادی کے معنی یہ ہیں کہ اُسے ایک مشترک مقصد یعنی فلاح عامہ کے لئے دوسروں کے ساتھ اشتراک عمل کا حق حاصل ہو۔

ہم نے اس کتاب میں، اِن نظریوں کی بحث میں اُس سے زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے جتنی معاشی تاریخ کی کتابوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک اِن نظریوں کی اہمیت کو واضح طور پر نہ سمجھ لیا جائے اُس وقت تک انیسویں صدی کے بہت سے معاشی مظاہر کا سمجھنا ناممکن ہے۔

۱۱۔ آبادی کی ازسرِنو تقسیم

پارچہ بافی اور دوسری صنعتوں میں جو فنی تبدیلیاں ہوئیں اُن کا تذکرہ شروع کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ کچھ اور ایسے امور کی بھی تنقیح کرلی جائے جو عام اہمیت رکھتے ہیں۔ ۱۷۶۰ء تا ۱۸۳۰ء کے درمیانی دور کی ایک نہایت نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس زمانے میں آبادی میں نہایت تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا۔ اس اضافے کو بجائے خود انقلاب کا ایک سبب بھی کہا جاسکتا ہے اور اس کا ایک نتیجہ بھی۔ اُس

زمانے میں آبادی کے اضافے کی ٹھیک شرح کیا رہی اس کا تعین کرنا تو مشکل ہے۔ قابل وثوق اعداد وشمار آسانی سے نہیں ملتے۔ آرنلڈ ٹائن بی کے بیان کے مطابق ۱۷۶۰ء سے پہلے کے عشروں میں اضافے کی زیادہ سے زیادہ شرح تین فی صد تھی۔ لیکن ۱۷۷۱ء اور ۱۷۸۱ء کے درمیان یہ شرح بڑھ کر چھ فی صد ہو گئی اور ۱۷۸۱ء اور ۱۷۹۱ء کے درمیان نو فی صد ۱۷۹۱ء اور ۱۸۰۱ء کے درمیان گیارہ فی صد ۱۸۰۱ء اور ۱۸۱۱ء کے درمیان چودہ فی صد اور ۱۸۱۱ء اور ۱۸۲۱ء کے درمیان اٹھارہ فی صد ان اعداد کے بارے میں اختلاف رائے ہے لیکن اگر انھیں محض تخمینی طور پر صحیح مان لیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اسی غیر معمولی اضافے پر ٹامس مالتھس کے نظریۂ آبادی کی بنیاد قایم ہوئی ہوگی۔

آبادی کے اس اضافے کے ساتھ ساتھ ان مرکزوں میں بھی ایک خاصی تبدیلی ہوگئی جن کی طرف آبادی چاروں طرف سے کھنچ کر جمع ہوا کرتی تھی۔ اٹھارویں صدی کے شروع میں آبادی اس خط کے جنوب میں مجتمع تھی جو دریائے ہمبر اور دریائے سیورن کے دہانوں کو ملاتا ہے۔ خاص طور پر اس رقبے میں جس کی حدود جنوب میں سامرسٹ اور ولٹس کے اضلاع تھے اور شمال میں وارک، دوسٹر اور رٹ لینڈ کے اضلاع مڈل سکس اور سرے کے اضلاع کی آبادی سب سے زیادہ تھی اور سفوک کی آبادی بھی خوب گنجان تھی۔ شمال مغربی مڈلینڈس اور دریائے ہمبر کے شمالی اضلاع ابھی تک کھلے ہوئے جنگلوں بنجر چراگاہوں اور ایسی دلدلی زمینوں پر مشتمل تھے جن کی پانی کی نکاسی کا ابھی تک کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔

لیکن ۱۷۶۰ء تک آبادی نے واضح طور پر شمال اور شمال مغرب میں ترقی کرنا شروع کر دیا اور اس صدی کے خاتمے پر جنوبی لنکاشائر کی آبادی کی گنجانی بس ایک مڈل سکس سے تو کم تھی ورنہ سرے کے برابر اور دوسرے شہروں سے زیادہ ہوگئی تھی۔ دریائے ٹائن کی وادی اور مغربی یارک شائر، چیشائر، ڈربی اور اسٹیفورڈشائر بھی آباد علاقے بن گئے تھے پورے ملک کی اور الگ الگ اضلاع کی آبادی میں اس قدر تیزی سے جو اضافہ ہوا اس کے اسباب کے بارے میں زیادہ تر قیاس سے کام لیا جاتا ہے۔ سترھویں صدی کے آخر تک آبادی کی ترقی جو رکی رہی اس کی وجہ

کچھ تو وہ کمی تھی جو غذا کی رسد میں بعض موسموں، خاص کر سردی کے مہینوں میں ہو جاتی تھی اور کچھ وہ ہلاکت و تباہی تھی جو پلیگ، ہیضہ اور ٹائفس اور دوسری وباؤں کی وجہ سے پھیلتی تھی۔ اٹھارویں صدی میں ان بیماریوں کی تباہ کاری کچھ کم ہو گئی تھی۔ ایک حد تک اس کی وجہ ان زراعتی تبدیلیوں کو قرار دیا جا سکتا ہے جن کا ذکر پہلے حصے میں کیا جا چکا ہے، جن پودوں کی جڑیں کام میں آتی ہیں ان کی اور خصوصاً شلجم کی کاشت کی بدولت، مویشی کو سردیوں میں بھی چارہ ملنے لگا اور اس طرح لوگوں کو تازہ گوشت اور دودھ سال بھر برابر دستیاب ہونے لگا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جوان اور بوڑھے دونوں بیماریوں کی تباہ کاری سے محفوظ ہو گئے۔

جن اضلاع میں پہلے پہل فیکٹری کا نظام مستحکم بنیاد پر قایم ہوا ان کے بارے میں اس زمانے کے لوگوں کا یہ ایک عام خیال تھا کہ یہ نظام آبادی کے اضافے کے لئے خصوصیت کے ساتھ سازگار ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نئی مشینوں کی بدولت مزدوری کے لئے بچوں کی زبردست مانگ پیدا ہو گئی تھی اور چونکہ یہ بچے کم عمری ہی میں نہ صرف اپنا پورا خرچ نکالنے کے قابل ہو جاتے تھے بلکہ خاندان کی مشترکہ آمدنی میں بھی اضافہ کرتے تھے اس لئے یہ سمجھا گیا کہ شادیوں اور کثیر العیال خاندانوں میں مصنوعی طور پر اضافہ ہوا۔ نہروں کے نکلنے کی وجہ سے تعمیر کے وزنی سامان کو پہلی مرتبہ آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جانے لگا۔ کچھ تو اس کی وجہ سے اور کچھ نئی فیکٹریوں کے اس مطالبے کی وجہ سے کہ مزدور فیکٹری کے قریب ہی آباد ہوں مکان زیادہ تعداد میں تعمیر ہونے لگے۔ جب مزدوروں کو رہنے کے لئے مکان ملے تو وہ شادیاں بھی پہلے کے مقابلے میں جلدی کرنے لگے۔ عہد وسطیٰ میں آبادی جو ایک خاص تعداد پر قایم رہتی تھی اس کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں برابر مکانوں کی سخت قلت رہی۔ جنوبی انگلستان میں ۱۷۹۵ء کے بعد غریبوں کی امداد کے لئے جو اسپین ہم لینڈ نظام جاری کیا گیا اس کو بھی بعض لوگوں نے شرح پیدائش کے بڑھنے کا محرک قرار دیا ہے۔ اب رہے شمال کے صنعتی اضلاع خصوصاً لنکا شائر تو یہاں ۱۷۶۰ء اور ۱۸۰۰ء کے درمیانی زمانے میں اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کے لوگ بڑی تعداد میں ترک وطن کرکے

مسلسل آتے رہے۔

لیکن خاص خاص اضلاع مثلاً شمال مغربی مڈلینڈس، لنکا شائر اور مغربی یارک شائر جہاں غیر معمولی طور پر آبادی میں اضافہ ہوا اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ لوگ اطراف کے دیہاتوں کو چھوڑ کر یہاں آئے تھے۔ ٹیوڈر خاندان کے بادشاہوں کے زمانے کی طرح، اٹھارویں صدی کا نصف آخر بھی ایسا زمانہ تھا جس میں شاملات کی بنجر زمینوں اور کھیتوں کی احاطہ بندی کی گئی۔ اس احاطہ بندی کی وجہ سے جو ہزاروں خاندان اپنے قدیم پیشوں سے محروم ہوئے ان کے لئے ان نئے صنعتی اضلاع کے علاوہ پناہ کی کوئی دوسری جگہ باقی نہیں رہی تھی۔ اسی طرح منتشر اراضی کی چک بندی اور کاشت کے سرمایہ دارانہ انتظام کی وجہ سے بھی بہت سے مزدور بیکار ہو گئے۔ جنگلوں اور بنجر زمینوں میں جو حقوق لوگوں کو قدیم زمانے سے حاصل تھے ان سے محروم ہو جانے کے بعد ان لوگوں کے لئے جو پہلے کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی گزار لیتے تھے زمین کے ساتھ وابستہ رہنا ممکن نہیں رہا چنانچہ دریائے ٹیمس کے جنوب کے زراعتی اضلاع اور ان کے آس پاس کے دیہی اضلاع سے شمال کے صنعتی اضلاع کی طرف مزدوروں کی مسلسل ہجرت شروع ہو گئی۔

مزدوروں کے علاوہ چھوٹے معافی دار کاشتکار بھی دیہاتی اضلاع سے رخصت ہو گئے۔ اس افسوس ناک واقعے کے معاشی اسباب کا ذکر کرنا اس باب کے حدود سے باہر ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہزاروں چھوٹے چھوٹے معافی داروں نے اپنی جائدادوں کو فروخت کر کے صنعت کے میدان میں قسمت آزمائی شروع کر دی۔ ان میں سے ایک مختصر تعداد آجروں کے طبقے میں شامل ہونے میں بھی کامیاب ہو گئی۔ لیکن ان کی بڑی اکثریت جلد ہی اجرت پر کام کرنے پر مجبور ہو گئی اور صنعتی مزدوروں کے طبقے میں جذب کر لی گئی۔

دیہی علاقوں سے قریب کے شہروں کی طرف جو ہجرت کی گئی اس کا زیادہ مشاہدہ سوتی اور اونی پارچہ بافی کے اضلاع اور کان کنی کے اضلاع میں کیا جا سکتا تھا اسٹالی برج میں (جو ان شہروں میں سے ایک تھا جنھیں صنعتی انقلاب نے برساتی ہنڈکوں کی طرح پیدا کیا تھا) خانگی کام کرنے والے لوگ، چیشائر اور جنوبی لنکا شائر کے تمام حصوں سے آتے تھے۔ ساؤتھ ویلز میں کارڈف کے ارد گرد ایسے اضلاع تھے جن میں

کان کنی اور دھاتوں کو سودھنے[1] کا کام کیا جاتا تھا۔ ان میں مغربی انگلستان کے ان گاؤں کے زائد مزدوروں خصوصاً نوجوانوں کی کھپت ہوگئی، جہاں پارچہ بافی کا کام ہوتا تھا اسی قسم کی مثالیں لنکا شائر، مغربی رائیڈنگ اور دریائے ٹائن کی وادی میں بھی عام تھیں۔ اس فصل کے شروع میں اس لکیر کا ذکر کیا تھا جو دریائے ہمبر اور دریائے سیورن کے دہانوں کو ملاتی ہے۔ یہ لکیر جن اضلاع کی حدبندی کرتی ہے ان کی اضافی اہمیت آبادی کی گنجانی کے لحاظ سے اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں بالکل برعکس ہوگئی تھی

۱۲۔ بھاپ، کوئلہ اور انقلاب

وہ چیز جسے صنعتی انقلاب کی اصل قرار دیا جا سکتا ہے، فیکٹری کا نظام بجائے خود نہیں ہے بلکہ چیزوں کے تیار کرنے میں بھاپ کی طاقت کا استعمال کرنا ہے۔ یہی تبدیلی بنیادی اور انقلابی تھی، ورنہ ایسی فیکٹریوں کو جن میں مزدور ہاتھ سے کام کرتے تھے ٹیوڈر بادشاہوں کے زمانے میں "جیک آف نیوبری" اور بہت سے دوسرے لوگ قایم کر چکے تھے اسی طرح سترھویں صدی میں مختلف صنعتوں میں بڑے پیمانے کی پیدائش کی مثالیں بھی عام ہو چکی تھیں۔ چیزوں کو قوت محرکہ سے تیار کرنا۔ یہی صنعتی انقلاب کا مرکز و مدار تھا۔ صنعتی طریق کار کی تاریخ میں، آرک رائٹ کے واٹر فریم (پانی کی قوت سے کاتنے والی مشین) کو جو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ بھی اسی وجہ سے ہے۔ یہ مشین اس مقصد کو سامنے رکھ کر بنائی گئی تھی کہ اس کے ذریعے سے، غیر انسانی قوتوں سے کام لیا جا سکے گا۔ جب یہ ایجاد ہوگئی تو صنعت نے پہلی مرتبہ موجودہ مفہوم کے اعتبار سے فیکٹری کے نظام کو اختیار کر لیا۔

پانی سے چلنے والی مشینیں جن ابتدائی فیکٹریوں میں لگائی گئیں ان کو کوہ پنائن کے ڈھال کے دونوں جانب تیز رفتار ندیوں کے کنارے پر قایم کیا گیا۔ لیکن یہ طریقہ زیادہ نہیں پھیل سکا۔ پانی کی قوت کے استعمال کرنے کی وجہ سے ان کو مقررہ حدود کے اندر ہی وسعت دی جا سکتی تھی۔ جہاں پانی کا بہاؤ تیز اور مسلسل ہوتا تھا

[1] پگھلا کر صاف کرنا۔ دیکھو لفظ (Smelt) کے معنی Standerd Engr Urdm Dictianary شائع کردہ انجمن ترقی اردو۔

وہیں فیکٹریاں قایم کی جا سکتی تھیں۔ سردی کے مہینوں میں، سیلاب کے بار بار آنے کی وجہ سے پن چرخی اپنا کام نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے برعکس گرمی کے مہینوں میں قوت محرکہ اکثر نہایت ناکافی ثابت ہوتی تھی۔ اس کی ایک دوسری خرابی یہ تھی کہ جن جگہوں میں پانی کی قوت موزوں اور مناسب ہوتی تھی وہاں قرب و جوار کے اضلاع کی جغرافی ساخت کی وجہ سے چیزوں کے نقل وحمل کا کام مشکل اور مہنگا ہوتا تھا۔ غرض، ان تمام وجوہ کی بنا پر محض پانی کی قوت صنعتی انقلاب کو پیدا نہیں کر سکی۔

جس بنیادی واقعے نے، صنعتی انقلاب کی رفتار میں زبردست تبدیلی پیدا کی وہ ۱۷۸۲ء میں جیمس واٹ کی ایجاد تھی جس کے ذریعے سے بھاپ کے انجن سے گردش محوری پیدا کی جانے لگی اور جس کا بعد میں مشینوں کے چلانے کے لئے استعمال کیا گیا۔ بھاپ سے چلنے والی مشینیں پانی سے چلنے والی مشینوں کی تمام خامیوں سے پاک تھیں۔ موسم کے تغیرات کا ان پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ ان میں تسلسل پایا جاتا تھا اور اُن کو اپنے قابو میں رکھا جا سکتا تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان کا استعمال زیادہ وسیع رقبے میں ممکن تھا۔ بھاپ سے چلنے والی فیکٹریوں کو ان مقامات پر قایم کیا جا سکتا تھا جو کچے مال اور مصنوعات کے نقل وحمل کے لئے خاص طور پر موزوں تھے۔

لیکن جہاں فیکٹریوں کے یہ فایدے تھے وہاں ان کا نقصان یہ تھا کہ انھوں نے آجروں اور مزدوروں کے درمیانی خلیج کو اور بھی بڑھا دیا۔ جتھے کے نظام اور خانگی نظام میں ملازم کاریگر اور استاد کاریگر کے درمیان کوئی بہت گہرا اور قطعی فرق نہیں ہوتا تھا۔ اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی کی وجہ سے ملازم کاریگر کا استاد کاریگر بن جانا آہستہ آہستہ زیادہ مشکل ہوتا جاتا تھا اور اس کی مثالیں روز بروز کم ہو رہی تھیں۔ ظاہر ہے اس کی وجہ یہی تھی کہ جب تک چیزوں کے تیار کرنے کا کام ہاتھ سے یا ہاتھ سے چلنے والی مشینوں سے کیا جاتا رہا اس وقت تک کاروبار کو شروع کرنے کے لئے بہت کم سرمائے کی ضرورت ہوتی تھی۔ کوہستان کی مرتفع وادیوں میں پانی کی قوت کو استعمال کرنے والی جن فیکٹریوں کو قایم کیا گیا۔ وہ بھی آسان کام تھا اس لئے کہ ان میں جو مشین نصب کی گئی وہ بڑی نہ تھی اور ان کے لئے جس قدر سرمائے کی ضرورت تھی وہ بھی بہ آسانی دستیاب ہو سکتا تھا۔ لیکن ۱۷۸۳ء کے بعد سے نئے نمونے کی فیکٹریاں

حرکت قایم ہونا شروع ہوئیں۔ انجن اور اس کے سامان کے وزن اور ان کی اہتزازی حرکت کی وجہ سے زیادہ بڑی اور زیادہ مضبوط عمارتیں بنانا ضروری ہوگیا اور مشینوں میں لکڑی کی جگہ لوہے کا استعمال کیا جانے لگا۔ صرف یہی نہیں بلکہ بھاپ کی قوت کے استعمال میں فایدہ اسی صورت میں ہوتا تھا جب مشینوں کو بڑی تعداد میں چلایا جاتا تھا۔ اس قسم کی فیکٹریوں کو ایک نئے قسم کے سرمایہ دار ہی قایم کرسکتے اور چلا سکتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ آجر اور مزدور دو بالکل علیحدہ طبقوں میں منقسم ہوگئے

بھاپ کی قوت کے استعمال کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے صنعت کو کوئلے کی کانوں کے پاس مجتمع کردیا۔ یہی وجہ تھی کہ دریائے ٹائن کی وادی، جنوبی لنکاشائر، مغربی یارک شائر، اور اسٹیفورڈ شائر کے "سیاہ علاقہ" کے اضلاع نے نہایت غیر معمولی تیزی کے ساتھ ترقی کرنا شروع کردیا۔ یہاں ہم یہ بھی کہہ دیں کہ اسی بات کو سنہ ۱۷۸۰ء اور سنہ ۱۸۸۰ء کے درمیان، انگلستان کی صنعتی اور تجارتی ترقی کا بھی ایک اہم سبب قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ جب تک ریاستہائے متحدہ امریکہ میں، اپالیچین کے علاقے کے کوئلے کے وسیع ذخیروں سے انیسویں صدی کی آخری چوتھائی میں فائدہ اٹھانا شروع نہیں کیا گیا، اس وقت تک انگلستان ہی دنیا میں سب سے زیادہ کوئلہ پیدا کیا کرتا تھا۔

انگلستان کی صنعتی ترقی میں کوئلے کو جو اہمیت حاصل ہے اس پر جتنا بھی زور دیا جائے وہ کم ہے۔ کوئلے سے صرف قوت محرکہ کے پیدا کرنے ہی کا کام نہیں لیا جاتا تھا۔ بلکہ اس سے لوہے کو بھی پگھلایا جاتا تھا اور انیسویں صدی میں ریلوں اور بعد میں دخانی جہازوں کے چلانے کے لئے بھی اس کا استعمال نہایت ضروری ہوگیا تھا۔

کوئلے اور لوہے کی صنعتیں ایک دوسرے سے لازمی طور پر وابستہ ہیں۔ ایک کا دوسرے پر مختلف طریقوں سے عمل اور ردعمل ہوتا رہا۔ کوئلے کی کان کنی میں جتنی ترقی ہوئی اتنا ہی خام لوہے کی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ اسی طرح لوہے کی صنعت میں جو بھی ترقی ہوئی اس کی وجہ سے کوئلے کے نکالنے کی رفتار بڑھتی گئی اور ان ترقیوں سے جو ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتی تھیں اکثر صنعتیں جو سنہ ۱۸۵۰ء سے پہلے انگلستان میں قایم ہوئی تھیں وجود میں آئیں۔ ان نئی صنعتوں میں کیمیاوی صنعت

کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کپڑے کا رنگ اڑانے، رنگنے اور چھاپ لے کے جو پرانے طریقے تھے ان کے ذریعے پارچہ بافی کی صنعت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔ لیکن نئے نظام کی وجہ سے کپڑے کی پیداوار اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان سست طریقوں سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ صنعت میں بحیثیت مجموعی توازن کہیں اس وقت جاکر پیدا ہوا جب اٹھارویں صدی کے خاتمے پر صنعتی کیمیا کی ترقی شروع ہوئی۔

غرض، انجنیری، لوہے کی صفائی، مشین سازی اور صنعتی کیمیا کے وہ کام جو ہمارے صنعتی نظام کے بنیادی عناصر ہیں، ان سب کا دارومدار کوئلے ہی پر تھا اور ان میں سے ہر صنعت دوسری صنعتوں کی ترقی ہی کی وجہ سے برابر آگے بڑھتی رہی۔

۱۳۔ صنعتی انقلاب کی سست رفتار خانگی نظام کی جگہ فیکٹری کے نظام اور ہاتھ کے کام کی جگہ مشین کی پیدائش کے رواج پانے کی رفتار سست تھی اور اس قدر سست کہ اس کے لئے انقلاب کے لفظ کو استعمال کرنا ہی غلط ہے۔ پارچہ بافی کی صنعت کو فیکٹری نظام کے دائرے میں داخل ہونے میں ستر سال لگ گئے۔ اور بعض دوسری صنعتوں میں تبدیلی کی رفتار اس سے بھی زیادہ سست رہی۔

اس کے مختلف اسباب تھے۔ پہلا سبب تو یہ تھا کہ پارچہ بافی کی خانگی صنعتوں میں جو کاریگر کام کرتے تھے وہ ان نئی فیکٹریوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے گھر پر کام کرنے والے کاریگروں کا اکثر درمیانی اشخاص کے ہاتھوں اس بے دردی سے استحصال ہوتا تھا کہ بعض لحاظ سے شاید نئے قسم کے کارخانوں کے مالک بھی اس طرح کا استحصال نہیں کرتے تھے۔ کاریگر کو زیادہ دیر تک کام کرنا پڑتا تھا اس کے کام کے گھنٹے مقرر کئے ہوئے نہیں ہوتے تھے اور اکثر دن کو اجرتیں بھی دی جاتی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود ایک حد تک وہ اپنی آزادی کو برقرار رکھ سکتا تھا اور گھر پر وہ اپنی سہولت کو دیکھ کر کام کر سکتا تھا۔ لیکن ایک دفعہ فیکٹری میں داخل ہو جانے کے بعد اس کے کام کے اوقات کا تعین انجن کرنے لگتا تھا اور کام کی رفتار کا ایک بے جان مشین۔ اس کے علاوہ، گھر کے کم و بیش آزاد کام کے مقابلے میں فیکٹری میں کام کرنا زیادہ باوقعت بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بہت سے کاریگر اس پورے نظام کو ملکۂ الزبتھ

کے اصلاح خانوں یا خیراتی کارگاہوں سے کچھ ہی بہتر سمجھتے تھے۔ خانگی صنعتوں میں کام کرنے والے کاریگروں کے دلوں میں، فیکٹری کی زندگی کے ساتھ، نفرت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اگر آئرستان اور انگلستان کے زراعتی مزدور جو رسم و رواج کے اتنے پابند نہ تھے، ان نئے شہروں میں برابر نہ آتے رہتے تو فیکٹریوں کے لئے اس ابتدائی زمانے میں عملے کا بھرتی کرنا ناممکن ہو جاتا۔

لیکن ایک اہم معاشی وجہ بھی ایسی تھی جو خانگی کاریگر کو فیکٹری میں داخل ہونے سے روکتی تھی۔ خانگی نظام میں نہ صرف بیوی بلکہ بچے بھی جیسے ہی وہ چلنا پھرنا شروع کرتے تھے خاندان کی ضرورتوں کے فراہم کرنے کے کام میں شریک ہو جاتے تھے۔ پھر بہت سے کاریگر کوئی نہ کوئی ضمنی کام بھی زمین پر یا کہیں اور کرتے رہتے تھے۔ لیکن ایک دفعہ فیکٹری میں داخل ہو جانے کے بعد مقررہ اوقات کی وجہ سے ضمنی کاموں کا کرنا ناممکن ہو جاتا تھا اور شوہر اپنی اجرت کے ان اضافوں سے محروم ہو جاتا تھا جو خاندان کے دوسرے افراد کی شرکت سے حاصل ہوا کرتے تھے۔ اس لئے جب تک مشین کے اندر آہستہ آہستہ وہ ترقیاں نہیں ہوئیں جن سے خاندان کے دوسرے افراد کے لئے بھی فیکٹری میں کام نکل آیا اس وقت تک خانگی کاریگر نے نئے نظام کو پوری طرح قبول نہیں کیا۔

سب صناعوں نے بھی فیکٹری کے نظام کو فوراً قبول نہیں کر لیا۔ اس سے یہ امید تو ضرور تھی کہ مال کو غیر محدود مقدار میں تیار کیا جا سکے گا اور آدمی بہت جلد دولت مند بن جائے گا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی مخصوص خرابیاں بھی تھیں۔ خانگی نظام میں پیدائش بہ پیمانہ کبیر کے تحت بھی صنعتوں کو خطروں کا سامنا نسبتہً کم کرنا پڑتا تھا۔ صناع کا ایسا سرمایہ جس پر اُسے دوسروں کو سود ادا کرنا ضروری ہو عمارتوں اور مشینوں میں بہت کم پھنسا ہوتا تھا۔ اس لئے بازار میں جو اُتار چڑھاؤ ہوتے رہتے تھے ان کے مضر اثرات سے وہ ایک حد تک بچا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور چیز جو صناعوں کو مہنگی مشینوں کے اختیار کرنے سے روکتی تھی وہ یہ تھی کہ اٹھارویں صدی میں آبادی میں اضافہ اور زراعت میں تبدیلیاں ہو جانے سے بہت سے زاید مزدور پیدا ہو گئے تھے۔ اس لئے ان کی اجرت کی شرح کمی کی طرف مائل تھی۔

لیکن جب ذرائع نقل و حمل اور وسائل خبر رسانی کو ترقی ہوئی اور اوزاروں کو مشین سے بنایا جانے لگا تو رنگ بالکل بدل گیا

یہ بات کہ طریقۂ کار کی تبدیلیوں کا دار و مدار، نقل و حمل کے سستے اور تیز رفتار ذرائع پر تھا، بالکل صاف اور بدیہی ہے۔ لوہے اور کوئلے کو صنعتی انقلاب کے پیدا کرنے میں بنیادی اہمیت حاصل ہے لیکن دونوں وزنی چیزیں ہیں اور زیادہ جگہ کو گھیرتی ہیں انھیں خراب سڑکوں پر گھوڑا گاڑیوں کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بہت مہنگا پڑتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ صنعتی انقلاب کی ترقی نقل و حمل کے مسئلے کو حل کرنے کے ساتھ وابستہ تھی۔ صنعت میں غیر محدود وسعت اسی وقت پیدا ہو سکتی تھی جب کہ کچے مال اور مصنوعات کے بڑے بڑے ذخیروں کو باقاعدگی اور آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا انتظام کر لیا جائے۔ یعنی کوئلے کو مرتفع وادیوں سے پارچہ بافی اور لوہے کے کارخانوں تک، لوہے کی سلاخوں کو، بھٹیوں سے جو باہر اضلاع میں واقع تھیں شہروں تک، چینی مٹی کو کارنوال سے ظروف سازی کے کارخانوں تک اور جب مال بن جائے تو جنوب میں لندن اور شمال میں مانچسٹر تک۔ خام روئی کو لورپول سے مانچسٹر کے علاقے تک اور عمارتی سامان کو نئے صنعتی اضلاع کے تمام حصوں تک لیکن یہ نقل و حرکت ناممکن ہوتی اگر نہریں اور ریلیں نہ نکل چکی ہوتیں۔ کیونکہ ان کی وجہ سے مال کے تقسیم کرنے کی مدت خاصی مختصر ہو گئی اور مصارف منتقلی اور بھی زیادہ گھٹ گئے۔

لیکن چند وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر کسی دوسرے باب میں کیا جائے گا نہر کا نظام صنعتی انقلاب کی صرف ابتدائی منزلوں کے لئے موزوں ثابت ہوا۔ نہریں ہر جگہ نہیں نکالی جا سکتی تھیں۔ ملک کی جغرافی ساخت کی وجہ سے یہ بعض مخصوص علاقوں تک ہی محدود تھیں پھر ان کے نکالنے میں آئندہ ترقیوں کو مدنظر نہیں رکھا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب صنعت کے لئے زیادہ تیز نقل و حمل کے ذرائع ناگزیر ہو گئے تو اس وقت انجن سے چلنے والی کشتیاں گھوڑوں سے کھینچی جانے والی کشتیوں کی جگہ نہیں لے سکیں۔ لیکن جب اسٹیفن سن نے انگلستان میں پہلی ریل گاڑی چلائی تو اس وقت صنعتی انقلاب کی ترقی کو شروع ہوئے نصف صدی گزر چکی تھی۔ باوجود اس کے ریلوں کی اہمیت ملک کی صنعتی ترقی میں اس قدر زیادہ ہے کہ بعض باتوں کے لحاظ سے ۱۷۶۰ء کے مقابلے میں ۱۸۳۰ء کا سال زیادہ اہم معلوم ہوتا ہے۔

ریلوں کا جو اثر صنعتی انقلاب پر پڑا اس کو جتنی اہمیت بھی دی جائے کم ہے۔ گزشتہ زمانے کے مقابلے میں دیکھا جائے تو ریل نے زمان و مکاں کے فصل کو بالکل مٹا دیا۔ اس نے صرف

یہی نہیں کیا کہ آدمیوں اور چیزوں کے لئے ملک کے تمام حصوں میں تیزی سے گھومنے پھرنے کا موقع پیدا کر دیا بلکہ نقل و حمل کے مصارف کو بھی بے حد کم کر دیا۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ ریل کی وجہ سے کھانے پینے کی جلد خراب ہو جانے والی چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے آنے لگیں اور ان کی وجہ سے شہروں کی روز افزوں آبادی کے لئے غذا مہیا کی جا سکی اور مزدوروں کو ایک مرکز پر جمع کیا جا سکا جو صنعتی توسیع کے لئے لازمی تھا

ریلوں کی ایجاد ہی کے تقریباً ساتھ ساتھ ایک اور چیز بھی رونما ہوئی جس کی اہمیت ان سے کم نہیں تھی یعنی مشین سے بنائے ہوئے اوزاروں کی ایجاد۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر مشین سے بنائے ہوئے اوزار نہ ہوتے تو ریل کا انجن کبھی نہ بن سکتا۔ انجن کا نمونہ تیار کر دینا تو آسان کام تھا لیکن پہلے پہل اس نمونے کے مطابق بھاپ کے انجن بنانے میں قدم قدم پر مشکلوں کا سامنا تھا ابتدائی انجنوں اور مشینوں کو لوہار یعنی دستی کاریگر بنایا کرتے تھے۔ یہ چیزیں بڑی مہنگی ہوتی تھیں اور ان کے بنانے میں بہت دیر لگتی تھی اور بڑی مشکلیں پیش آتی تھیں۔ انجن کے تمام پرزے کسی معیاری نمونے کے مطابق نہیں ہوتے تھے اس لئے جب کبھی پرزوں کے بدلنے یا مرمت کرنے کی ضرورت ہوتی تھی تو کام آسانی سے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بڑی مقدار میں سستی چیزیں بنانے کی جو لازمی شرط ہے اور جس کی وجہ سے ہمارے زمانے میں موٹر کی صنعت کو ترقی مل سکی ہے وہ بالکل مفقود تھی۔ یہی نہیں بلکہ اٹھارویں صدی کے لوہار مشین کے جن پرزوں کو بناتے تھے وہ بہت بھدے ہوتے تھے۔ ابتدائی مشین یا بھاپ کے انجن کو جب بنا کر کھڑا کیا جاتا تھا تو یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ چلے گا بھی یا نہیں۔ زیادہ تر ایسا ہی ہوتا تھا کہ وہ بالکل نہیں چلتا تھا یا کم سے کم بغیر ترمیم کے جس میں بعض اوقات بہت وقت لگتا تھا نہیں چل سکتا تھا۔ اس پر بھی اس کا ہمواری کے ساتھ کام کو جاری رکھنا یقینی نہیں تھا۔ ٹوٹ پھوٹ اکثر ہوتی رہتی تھی اور انجنیری کی پوری صنعت کی حالت کچھ قابل اعتبار نہیں تھی۔ مشین سے بنے ہوئے پرزوں کی ایجاد اور تربیت یافتہ ماہر مشین سازوں سے پہلے ایک موجد کو جن آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس کا اندازہ جیمس واٹ کے حالات زندگی کے سرسری مطالعے سے کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ واٹ کو بولٹن سے بہت کچھ مدد ملی جسے اپنے عہد کے اکثر دوسرے آدمیوں کے مقابلے میں انجن

کے بنانے کی زیادہ سہولتیں حاصل نہیں۔ غرض ان حالات کی وجہ سے جن پر موجدوں کو کوئی قابو نہیں تھا، ۱۸۲۰ء تک بھاپ کے انجن اور قوت محرکہ سے چلنے والی مشینوں کا استعمال بہت محدود رہا۔ لیکن جب ۱۸۲۰ء کے بعد مشین سے بنائے ہوئے پرزوں کو ایجاد کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ انجن سے چلنے والے ذرائع نقل وحمل کو استعمال کیا جانے لگا تو اس وقت صنعتی انقلاب نے ایک زندہ تحریک کی حیثیت سے آگے بڑھنا شروع کردیا۔

۱۴۔ صنعتی انقلاب کے نتائج

صنعتی انقلاب کے نتائج بہت اہم ثابت ہوئے۔ لیکن اس کے جو اثرات ابتدا میں رونما ہوئے ان میں اور بعد کے اثرات میں فرق کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے، دولت کو جتنی مقدار میں پیدا کیا گیا وہ سراسر اعجاز معلوم ہوتا تھا، لیکن ان خیالات کی بنا پر جن کے فلسفے کو اس باب کے شروع میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے اس کے منافع سے صرف ایک محدود طبقہ ہی نے فایدہ اٹھایا۔ سماج میں ایک نیا طبقہ پیدا ہوگیا جو صرف ایک قرن میں نہایت زبردست دولت کا مالک بن گیا۔ طبقۂ عوام کے ان افراد نے جن میں خوش تدبیری، خود اعتمادی، مستعدی اور کاروباری فہم و ذکاوت پائی جاتی تھی اور جو اخلاقی اصول کی نزاکتوں کے پابند نہیں تھے اس دور کے انفرادی فلسفے سے فائدہ اٹھا کر اس طرح آگے بڑھنا شروع کیا کہ کسی دوسرے عہد میں ممکن نہیں ہوسکتا تھا۔ پریسٹن کا ایک نائی آرک رائٹ جو ایک غریب گھر میں پیدا ہوا تھا جب مرا تو پانچ لاکھ پاؤنڈ کی جائداد چھوڑ گیا۔ اوتھرہم کے واکر نے ایک ایسے سائبان میں اپنا کاروبار شروع کیا جس میں صرف ایک کمرہ تھا لیکن ترکے میں اس نے بہت بڑی دولت چھوڑی۔ اس قسم کی مثالیں غیر محدود تعداد میں پیش کی جاسکتی ہیں کسانوں کے خاندان مثلاً بری کا پیل خاندان، ترقی کرکے زمینداروں کے اعلیٰ ترین طبقے میں شامل ہوگئے۔ اس زمانے میں مہم جوئی کے جذبے نے خوب ترقی پائی۔ جن لوگوں میں اقدام اور قوت عمل پائی جاتی تھی ان کے سامنے غیر محدود امکانات تھے جن سے وہ فایدہ اٹھا سکتے تھے۔ معاشی اقتدار کا اور بعد میں سیاسی اقتدار کا مرکز ثقل پرانے زمینداروں کے طبقۂ امرا سے ان نئے امیروں کی طرف منتقل ہوگیا جو لوہے اور روئی کے کارخانوں کے مالک تھے۔ اس نئے طبقے کے عروج پانے سے بعد میں بہت اچھے

نتائج برآمد ہوئے کیونکہ جب سیاسی اور معاشی اقتدار پر زمیندار طبقوں کا اجارہ نہیں رہا اور نسل و خاندان کا رعب جاتا رہا تو پھر جمہوریت کی کامیابی کا دروازہ کھل گیا۔

انگلستان کی آبادی کی نہ صرف علاقے کے لحاظ سے بلکہ پیشے کے لحاظ سے بھی از سرِ نو تقسیم ہوگئی صنعتی کام کرنے والوں کی تعداد بے حد بڑھ گئی اور زراعتی آبادی نسبتہً گھٹ گئی نئے پیشوں نے ترقی کی نئے نئے کاروبار اور تاجروں اور نقل و حمل وغیرہ کا کام کرنے والوں کے نئے طبقے پیدا ہوئے اور مزدور تخصیص کار کے بہت تنگ حلقوں میں بٹ گئے۔ گھر اور کام کرنے کی جگہ کے جدا جدا ہو جانے کی وجہ سے عورتوں کی حیثیت پر بہت گہرا اثر پڑا اور عورت شوہر کی دست نگر ہونے پر مجبور ہو گئی گو بعد میں پارچہ سازی کی صنعت میں اس صورت حال کی کچھ اصلاح ہو گئی۔

مرسی اور ہمبر کے شمال میں اور جنوبی ویلز کی وادیوں اور شمال مغربی مڈلینڈس میں جو بنجر زمینیں پڑی ہوئی تھیں ان میں نئے صنعتی علاقے بن گئے اور ان میں دولت کی ریل پیل ہوگئی۔ برمنگھم، لورپول، مانچسٹر، گلاسگو اور لیڈس کے مقابلے میں جو اٹھارویں صدی کے نصف اول میں محض بڑے گاؤں تھے، صنعت کے پرانے مرکزوں کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔

صنعتی انقلاب کے بعض فوری اثرات اچھے نہیں تھے۔ عہد وسطیٰ کی معیشت کے ٹوٹ جانے سے مزدوروں کو عین اس وقت ایک تخمینی اور تغیر پسند بازار کا پابند ہونا پڑا جب کہ دولت مند طبقے نے اپنے آپ کو معاشری فرایض سے آزاد سمجھ کر دولت اندوزی ہی کو بجائے خود ایک مقصد زندگی بنا لیا تھا اور ملکیت ذاتی کے غیر محدود حق کو مروجہ فلسفے کی حمایت حاصل ہو گئی تھی۔ برائیوں کا جو ترکہ فطرآئینیوں نے چھوڑا تھا ان میں ملکیت ذاتی کے غیر محدود ہونے کا نظریہ سب سے بڑی چیز تھی۔ اس کو نہ تو قدیم کلاسیکی خیالات سے کوئی لگاؤ تھا نہ عہد وسطیٰ کے خیالات سے اور نہ اٹھارویں صدی کے مانٹسکو اور روسو کے خیالات سے۔ لیکن فطرآئینیوں نے ملکیت ذاتی کو قانون فطری اور مفاد عامہ پر مبنی کر کے اس کے حقوق کو غیر محدود وسعت دے دی تھی اور دلیل یہ پیش کی تھی کہ اس کی وجہ سے جو عدم مساوات پیدا ہوتی ہے وہ طبعی نظام اور انسانی فطرت کے مطابق ہوتی ہے۔ دولت کی افراط و تفریط ضروری

ہے کیونکہ ان کی دلیل کے مطابق اس سے ایک تو انسانی سعی کو تحریک ملتی ہے اور دوسرے بڑی جایداد سے مفاد عامہ کا کام زیادہ بہتر طریقے پر کیا جاسکتا ہے۔ انیسویں صدی کا معاشرتی مسئلہ، فطرآئینیوں کے اسی نظریئے کے عملی نتائج کی وجہ سے پیدا ہوا۔

دوسری طرف اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ گو ابتدا میں مزدوروں کی بسر اوقات کے یقینی اور مستقل طریقوں کی جگہ غیر یقینی اور غیر مستقل طریقوں نے لے لی اور مشین کے ذریعے جو دولت پیدا کی گئی تھی اسے بہت غیر مساوی اور خراب طریقے پر تقسیم کیا گیا تاہم آخر میں مزدوروں کو بھی اس نئے صنعتی نظام سے بہت فایدہ پہنچا۔ پرانے زمانے میں جن چیزوں کا شمار بادشاہوں کے تعیشات میں کیا جاتا تھا وہ اب مزدوروں کے گھروں میں معمولی آسایش کی چیزیں سمجھی جانے لگیں۔ سترھویں صدی کی ابتدا میں مزدوروں کے طبقے کے بہت کم لوگ موزے پہنتے تھے لیکن انیسویں صدی کے وسطی زمانے میں ان ان کا شمار رسمی ضروریات میں کیا جانے لگا تھا اور موزے کی طرح ایسی درجنوں اشیا ہیں جن کا شمار اب عام ضروریات زندگی میں ہونے لگا۔ انفرادیت کا فلسفہ یوں تو کئی اعتبار سے مزدوروں کے لئے نقصان رساں تھا لیکن اس کا ایک اثر ان کے لئے ضرور فائدہ مند ثابت ہوا۔ اس نے آجروں کے درمیان غیر محدود مقابلے کو خوب ترقی دی۔ یوں تو سترھویں صدی میں بھی اس کی مثالیں معدوم نہیں ہیں کہ کوئلے اور لوہے کی صنعتوں میں آجر آپس میں ملکر پیداوار کو محدود رکھتے تھے تاکہ قیمتیں مصارف پیدائش سے بہت زیادہ مقرر کی جاسکیں۔ پھر بھی ۱۸۵۰ء تک ایسی مثالیں مستثنیات میں داخل تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کپڑا اور دوسری ضروریات زندگی جنھیں مشین کے ذریعے تیار کرنا ممکن تھا، سستی اور وافر ہو گئی تھیں اس میں شک نہیں کہ محنت میں وہ یکسانی پیدا ہو گئی تھی جس سے دل اکتا جاتا ہے لیکن اسی کے ساتھ مشینوں نے بہت سے مشقت کے کاموں سے نجات دلادی تھی۔

کم سے کم سعی سے زندگی کی ابتدائی ضرورتوں کو پورا کرلینا، انسان کے لئے بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے، یہ تہذیب کی ترقی کی سب سے پہلی شرط ہے۔ افسوس ہے کہ انیسویں صدی کے آخری زمانے تک جب کہ جمہوریت کا آغاز ہوا، مزدوروں کو اس تعلیم اور فرصت سے جو تمدنی ترقی کے لئے ضروری ہے محروم رکھا گیا لیکن اگر صنعتی

انقلاب نہ ہوتا تو شاید جمہوریت کی کبھی ابتدا ہی نہ ہو سکتی۔ کیونکہ جب آبادی صنعتی شہروں میں کثیر تعداد میں جمع ہوئی اسی وقت طبقہ وارانہ بیداری کا وہ جذبہ پیدا ہوا جس نے انیسویں صدی کے آخری زمانے میں جمہوریت کے پیدا کرنے میں بڑا حصہ لیا۔ صنعتی انقلاب کی جو سب سے بڑی خرابیاں بیان کی جاتی ہیں یعنی فیکٹریوں میں افسوس ناک حالات کے ماتحت پیدائش کا کام کرایا جانا، شہروں کی غیر صحت بخش فضا، کم اجرتیں، طویل اوقات کار، روزگار کے آثار چڑھاؤ کی وجہ سے مجبوری اور بے بسی۔ یہ سب عارضی چیزیں تھیں اور اس نظام کا لازمی جز نہیں تھیں بلکہ ان کی ذمہ داری اس عہد کے ناقص سماجی خیالات پر عاید کی جا سکتی ہے۔ لیکن دوسری طرف اس کے فائدے جو ارزانی اور بہتات کی صورت میں ظاہر ہوئے وہ مستقل حیثیت رکھتے تھے اگرچہ ان کے پورے اثرات خاصی طویل مدت کے گزرنے کے بعد ظاہر ہوئے۔

انفرادیت کے فلسفے کے ماتحت بھی مزدوروں کے طبقے کو نسبتہً زیادہ تعداد میں اور فوری طور پر فایدے حاصل ہو سکتے تھے۔ لیکن طریقہ کار کی تبدیلیوں کا بنیادی اثر ان کی زندگی کی دو اولین ضرورتوں، یعنی غذا اور مکان پر، بہت بعد میں ظاہر ہوا۔ بڑے پیمانے کی کاشت، انجن کے ذریعے نقل و حمل اور آزاد تجارت کی وجہ سے غذا ضرور سستی ہوئی اور قحط سالی کی مصیبت بھی غائب ہو گئی۔ لیکن غذا پر آزاد تجارت کے مکمل اثرات سنہ ۱۸۶۰ء سے پہلے ظاہر نہیں ہو سکے اور غذا کی پیدائش میں مشین کے استعمال کی زیادہ ترقی تو ابھی چند ہی سال پہلے شروع ہوئی ہے۔ یہ بات مکانوں کی تعمیر پر اس سے زیادہ نہیں تو اسی حد تک صادق آتی ہے۔ سنہ ۱۸۶۰ء سے اگرچہ ان مشینوں نے جو لکڑی کا کام کرتی ہیں بہت ترقی کر لی ہے لیکن اس کے باوجود آج بھی مکانات ہاتھ سے بنتے ہیں۔ مزدوروں کے اخراجات میں ابھی تک مکان کے کرایے کا تناسب بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اسی قسم کی باتیں ہیں جن کی وجہ سے بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک مزدوروں کے طبقے کا تعلق ہے، صنعتی انقلاب کے فواید میں بہت مبالغہ کیا جاتا ہے۔

اسی طرح اس بات میں بھی شبہ ظاہر کیا گیا ہے کہ انگلستان میں جس طریقے پر بے اعتدالی کے ساتھ صنعتی نظام کو ترقی دی گئی اور تخصیص کار کو محدود کیا گیا وہ

ہر طرح کے نقصان سے بری تھا۔ یورپ کے اکثر ملکوں نے ایسی تدبیریں اختیار کیں جن سے ان کے کسانوں کا طبقہ تباہ ہونے سے بچ گیا۔ لیکن انگلستان میں خود کاشت کرنے والے چھوٹے زمیندار انیسویں صدی کی ابتدا میں بالکل فنا ہو گئے۔ ان کے فنا ہونے کا کسی نے ماتم نہیں کیا کیونکہ اسمتھ اور رکارڈو یہ اصول بنا چکے تھے کہ قوموں کو اپنی پیدائش کو صرف اس چیز یا انھی چیزوں تک محدود رکھنا چاہیئے جن کے پیدا کرنے سے انھیں مقابلۃً زیادہ سے زیادہ فایدہ حاصل ہوتا ہو۔ اس اصول پر جس کا ایک زمانے میں قانون فطرت کی حیثیت سے احترام کیا جاتا تھا اب ایک نہایت وسیع نقطۂ نظر یعنی قومی تہذیب کے نقطۂ نظر سے اعتراض کیا جاتا ہے۔ دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ جس طرح بہت زیادہ تخصیص کار فرد کے ذہن کے لئے مضر ہوتی ہے، اسی طرح قوم کے ذہن کے لئے بھی مضر ہوتی ہے۔ لسٹ کا کہنا یہ تھا کہ تمدنی نقطۂ نگاہ سے پیدائشی دولت کی قوتوں کو محض مبادلے کی قوتوں کے مقابلے میں زیادہ قومی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے اس بیان کے محرک بلاشبہ مانٹسکو کے وہ چند تبصرے تھے جو اس نے اٹھارویں صدی کی پولینڈ کی حالت پر کئے تھے۔ یہ جو ایک صدا عام طور پر بلند کی جاتی ہے "شہروں سے بھاگو اور کھیتوں کی طرف واپس جاؤ" اس کی تہ میں صرف یہی اصول کام نہیں کر رہا ہے کہ اس سے جنگ کے زمانے میں غذا کی رسد زیادہ یقینی ہو جائے گی بلکہ اس کے اسباب اور زیادہ گہرے ہیں۔

ایک لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو صنعتی انقلاب کا ایک جمہوری پہلو بھی تھا۔ لیکن یہ بات صرف اس کی ابتدائی منزلوں پر صادق آتی ہے۔ ۱۸۲۰ء کے بعد سے آرک رائٹ جیسے شخص کا صنعت کے ادنیٰ درجے سے ترقی کر کے، بڑے پیمانے کے آجروں کے زمرے میں داخل ہونا روز بروز اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا گیا۔ صنعتی انقلاب کی ابتدائی منزلوں میں کاروبار کو، خاص کر پارچہ بافی کے کاروبار کو، بہت کم سرمائے سے شروع کیا جا سکتا تھا۔ بس ایک کمرے میں کچھ مشینیں لگا کر ایک شخص کام شروع کر دیتا تھا اور اس کے لئے یہ ناممکن نہیں تھا کہ چند سال تک کفایت شعاری سے کام کرنے کے بعد اپنے کاروبار کے منافع سے، انجن سے چلنے والی مشین خریدے۔ لیکن جب نفع کمانے کے لئے کاروبار کے پیمانے کو بڑھانا ضروری ہو گیا، اور مشینوں اور قوت محرکہ کی لاگت

میں روز بروز اضافہ ہونے لگا، تو دُخانی انجنوں کے لئے بڑی اور زیادہ مضبوط فیکٹریوں کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ اسی طرح کاروبار کے روزمرہ کے اخراجات چلانے کے لئے بھی کثیر سرمائے کی ضرورت ہونے لگی۔ غرض، جب انقلاب خاصا آگے بڑھ چکا تو ان سب اسباب نے ملکر آجروں اور مزدوروں کے طبقوں کو ایک دوسرے سے بالکل الگ کر دیا۔ ۱۸۲۰ء کے بعد سے تو یقیناً لیکن شاید اس سے پہلے بھی بڑے پیمانے کی صنعت ایک نئے طبقۂ امرا کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ اس کی وجہ سے جو معاشرتی مسئلے پیدا ہوئے اُن کا ذکر بعد کے بابوں میں کیا جائے گا۔

۱۵۔ بعد کی تبدیلیاں

صنعتی انقلاب نے ۱۸۵۰ء تک اپنا دور ختم کر دیا۔ اس وقت سے تبدیلیوں نے کوئی ایسا رُخ اختیار نہیں کیا جسے بنیادی طور پر نیا کہا جا سکے۔ البتہ تنظیم پر یہ بات پوری طرح صادق نہیں آتی۔ ایجادیں اس کے بعد بھی ہوئی ہیں اور ہوتی رہیں گی لیکن ان میں سے کسی کا ایسا حیرت انگیز اثر نہیں ہوا جیسا کہ صنعتی انقلاب کا ہوا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ بجلی کی دریافت ایک حیرت انگیز ترقی تھی لیکن یہ بھاپ کی قوت ہی کے مماثل تھی۔ البتہ بھاپ کی قوت، حیوانی قوت سے ایک بالکل ہی مختلف چیز تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگے چل کر، ایجاد و اختراع کی زیادہ تر کاروباری حیثیت رہ جائے گی جیسا کہ سونے کے ٹکڑوں کی تلاش میں مارے مارے پھرنے کی جگہ اب سونا نکالنے کے زیادہ محفوظ صنعتی طریقوں سے کام لیا جاتا ہے۔ آج کل ہر بڑا کارخانہ سائنس والوں کو ملازم رکھتا ہے۔ یہ لوگ ہر وقت مستند طریقوں سے علمی تحقیقات کو جاری رکھتے اور کچھ نہ کچھ ترقی کرتے رہتے ہیں۔ گرچہ یہ بات انگلستان کے مقابلے میں جرمنی پر کہیں زیادہ صادق آتی ہے۔ نئے کچے مالوں کا پتا برابر لگایا جا رہا ہے۔ روئی کے کپڑے کی تیاری کے جو طریقے ہیں ان میں تو بمشکل کوئی تبدیلی ہو رہی ہے لیکن روئی کی نئی قسموں کا پتا چلایا جا رہا ہے۔ چنانچہ روئی کو اب ریشم کے بدل کی صورت میں استعمال کیا جانے لگا ہے۔ (مرسرائزڈ روئی) اور بہت سے "اونی" کپڑوں میں بھی روئی سے کام لیا جانے لگا ہے۔ اس کے مقابلے میں ریشمی صنعت یہاں پیچھے رہ گئی ہے لیکن میلان اور لیاں کی ریشم کی صنعت نے ایک ایسی حیثیت اختیار

کرتی ہے جس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اُون کی قسموں میں حیرت انگیز تنوع پایا جاتا ہے ایک طرف ہڈرزفیلڈ کا اعلیٰ درجے کا مال ہے تو دوسری طرف باٹلے کی گھٹیا اون ہے جو پُرانے کپڑے سے بنائی جاتی ہے، اگرچہ یہاں اس طریقے سے بھی کبھی کبھی بہت اچھی قسم کا کپڑا تیار کیا جاتا ہے۔

لوہے اور کوئلے کی صنعتوں میں قدامت پرستی کی طرف رجحان پایا جاتا ہے۔ یہ دولتمند لوگوں کے ہاتھ میں رہی ہیں اور اکثر صورتوں میں ان میں ترقی کرنے کے لئے کوئی موثر محرک موجود نہیں تھا۔ لیکن لوہے وغیرہ کے سامان کی صنعت خاص کر "سیاہ علاقہ" میں ترقی کر رہی ہے۔ اسی طرح مٹی کے برتنوں کی صنعت بھی ترقی کر رہی ہے اگرچہ اب وہ مقامی مٹی کے استعمال کی پابند نہیں ہے جس کی وجہ سے اس کی اتنی قدر ہوئی۔ انجینیری کی مختلف شاخوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اگر ان کی تفصیل بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ اس قدر نامکمل ہوگی کہ لوگ ہنسی اڑائیں گے۔

ایک لحاظ سے البتہ بنیادی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ انفرادیت کے فلسفے کی جگہ جس کی آغوش میں صنعتی انقلاب پیدا ہوا اور پھلا پھولا تھا اب جماعت کے بارے میں ایک بالکل مختلف تصور پیدا ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں خیالات میں مختلف مدارج پائے جاتے ہیں۔ کچھ مفکر شلاً انتہا پسند عین پرست جنھیں انگلستان میں ہیگل کی روایت کا وارث سمجھنا چاہئے فرد کو پوری طرح مملکت میں مدغم کر دینے کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ لیکن دوسرے لوگ جو زیادہ اعتدال پسند ہیں اس کے لئے کچھ آزادی کو باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ پھر بھی سب اس بات پر متفق ہیں کہ جماعت صرف مجرد افراد کا ایک میکانکی مجموعہ نہیں ہے جو محض مفاد ذاتی یا ضرورت تحفظ کے کمزور رشتے میں مربوط ہو۔ سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسپنسر کے خیال کے مطابق اگر معاشرہ ایک عضویہ نہ سہی لیکن اس میں ایک عضویاتی خصوصیت ضرور پائی جاتی ہے۔ اس لئے اب حصول دولت کو بجائے خود ایک مقصد نہیں سمجھا جاتا بلکہ انسانی بہبود کی ترقی کا ایک ذریعہ مانا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے آدم اسمتھ سے لیکر مل تک، انگلستان میں جتنے بھی معاشی فلاسفہ گزرے ان کے اور ہمارے خیالات کے درمیان زمین اور آسمان کا فرق پیدا ہو گیا ہے۔ ۱۸۱۵ء سے ہم نے غیر محدود اور بے روک مقابلے کے نصب العین

کو ترک کر دیا ہے اور اس کی جگہ سب کی بھلائی کے لئے جماعت کے تمام طبقوں کے درمیان ہمدردانہ اشتراک عمل کا فلسفہ اختیار کر لیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ ابھی تک ہم نے مکمل طور پر ایک فلسفے کو چھوڑ کر دوسرے فلسفے کو اختیار نہیں کیا ہے۔ اب بھی پرانی بے رحمانہ انفرادیت کے آثار ہمیں روزمرہ کی زندگی میں نظر آتے ہیں لیکن پھر بھی موجودہ زمانے کے انگریزوں کے خیالات میں ۱۸۰۰ء کے مقابلے میں بہت زبردست فرق پیدا ہو گیا ہے۔ اس بات کو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہر شخص کو اس اعلیٰ مفہوم کے مطابق جو ارسطو کے ذہن میں تھا "اچھی زندگی" بسر کرنے کا حق حاصل ہے۔ صنعت و تجارت میں انسانیت کے جذبے سے زیادہ کام لیا جانے لگا ہے۔ فیکٹری نظام کے ابتدائی زمانے میں مزدوروں کی جو افسوناک حالت تھی وہ اب بدل گئی ہے۔ معاشری زندگی کی عام آسائشیں مثلاً صحت عامہ، صحت بخش مکانات، تعلیم اور فرصت سے ہر شخص فائدہ اٹھانے لگا ہے اور بوڑھوں اور معذوروں کی دیکھ بھال کا ذمہ مملکت نے لے لیا ہے۔

(۲)

باب

کوئلہ اور لوہے کی صنعتیں

بھاپ کا انجن

صنعتی انقلاب کا محور بھاپ کی قوت تھی۔ جس چیز نے پارچہ بافی کی صنعت تک کو اس پر مجبور کر دیا کہ کارخانوں کی شکل اختیار کرے، وہ ابتدائی ایجاد میں نہیں بلکہ ان مشینوں کی ایجاد تھی جن کے چلانے کے لئے انسانی ہاتھوں کے علاوہ کسی دوسری قوت محرکہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ مگر جب تک پانی کی قوت کی جگہ بھاپ کی قوت کا استعمال نہیں کیا گیا، توسیع کا دائرہ بہت محدود رہا۔ کیونکہ پانی کی قوت برف اور خشک سالی کے وقت رک جاتی تھی۔ اس کے علاوہ، پانی کی قوت عام طور پر ایسی جگہوں میں دستیاب ہوتی تھی جہاں نقل وحمل کے کام میں دشواری تھی۔ رہی گھوڑے کی قوت تو اس میں مصارف اتنے زیادہ تھے کہ وہ عام طور پر استعمال نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس لئے یہ مسئلہ دراصل بھاپ کے انجن ہی کی بدولت حل ہوا۔ اس ایجاد کی وجہ سے کوئلے کی کانوں کو زیادہ گہرائی تک کھودنا ممکن ہو گیا اور اس کے لئے اور زیادہ مشینوں کی ضرورت ہوئی جس کا بالواسطہ اثر صنعت کے تمام شعبوں پر پڑا۔ لوہے

کی صنعت نے بہت زیادہ اہمیت اختیار کر لی۔ پھر چونکہ کچے لوہے کا بیشتر حصہ کوئلے کے نزدیک پایا جاتا تھا، اس لئے صنعت کو کوئلے کے علاقوں میں یا ان کے نزدیک منتقل ہونا پڑا۔ کوئلے کا علاقہ ایک نعل کی صورت میں واقع ہے اور اس کا سلسلہ جابجا ٹوٹا ہوا ہے۔ یہ کمبرلینڈ سے شروع ہوتا ہے اور لنکا شائر سے ڈرلینڈ ہوتا ہوا یارک شائر اور ورہم تک پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اُون کی صنعت جو صدیوں سے تمام صنعتوں پر غالب تھی اس مرتبے سے گر گئی۔ حتیٰ کہ پارچہ بافی کے کام میں بھی روئی کی صنعت نے اُسے آسانی سے شکست دے دی۔

۲۔ ابتدائی موجد: ساوری، نیوکومن، واٹ

عرض، بھاپ کا انجن صنعتی انقلاب کی کنجی ہے۔ پہلی جلد میں ابتدائی موجدوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ مارکوئس آف ووسٹر (۱۶۶۳ء) نے غالباً سب سے پہلا کارآمد دخانی انجن بنایا تھا، لیکن اس کا استعمال بہت کم کیا گیا۔ پاپن نے بھی جو پانی کو ہوا دباؤ کے ذریعے اُبالنے والے "ڈائی جیسٹر" (یخنی کے برتن) کا موجد ہے ایک انجن بنایا تھا لیکن اس کی اہمیت نظری تھی، عملی نہیں۔ اس نے یہ خیال پیش کیا تھا کہ بھاپ کے پھیلاؤ سے فشارہ (پسٹن) کے متحرک کرنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ جب بھاپ پانی بنے گی تو اس کی وجہ سے جزوی خلا پیدا ہو جائے گا اور فشارہ اپنی جگہ واپس آ جائے گا۔ اس کے خیال کا کمزور پہلو یہ تھا کہ اس نے ایک ہی برتن سے بھاپ بنانے کے لئے جوشدان (بائلر) اور پانی بنانے کے لئے مکثفہ (کنڈنسر) کا کام بھی لینا چاہا۔ اس نے یہ بھونڈا طریقہ اختیار کیا کہ اپنے جوشدان کے نیچے آگ جلائی اور جب بھاپ کا پھیلاؤ کافی ہو گیا تو اس کے نیچے سے آگ کو ہٹا لیا تاکہ بھاپ خود بخود پانی بن جائے۔ اس نے اپنے اس انجن کو ۱۶۹۰ء میں ایجاد کیا تھا۔

ساوری (۱۶۹۸ء) پہلا شخص تھا جس نے عملی کاموں کے لئے انجن کو استعمال کیا۔ اس نے پاپن کے خلا کے نظریے کو تسلیم کر لیا اور اُسے ترقی دی۔ اس نے انجن کا استعمال پانی کو کانوں سے پمپ کے ذریعے اوپر چڑھانے کے لئے کیا۔ جب تک واٹ کی ایجاد خوب مشہور نہیں ہوئی، بھاپ کے انجن سے صرف یہی ایک کام لیا جاتا رہا۔

واٹ کے پیشروؤں میں نیوکومن کا نام سب سے زیادہ نمایاں ہے اس نے جوش دان اور اسطوانے کو جدا جدا کر دیا۔ جوش دان کو ایک بڑی آگ پر رکھا گیا۔ اس کا اوپر کی طرف ایک تنگ نکلا ہوا دہانہ تھا جو ایک ٹونٹی کے ذریعے بند کیا جا سکتا تھا۔ یہ ایک اسطوانہ (سلنڈر) میں داخل ہوتا تھا جس میں فشارہ لگا ہوا تھا، جو پانی کے رساؤ کی وجہ سے ہر طرف سے کسا ہوا رہتا تھا۔ فشارے کا تعلق ایک فشارہ گز (پسٹن راڈ) سے تھا جو ایک "دو شہتیر" سے ملا ہوا تھا جسے درمیان سے حرکت دی جا سکتی تھی اور جس کے دوسرے سرے پر ایک وزن رکھا ہوتا تھا۔ جب وزن گرتا تھا تو فشارہ اوپر اٹھ جاتا تھا اور جب فشارہ نیچے آتا تھا تو وزن اوپر چلا جاتا تھا۔ جوش دان سے بھاپ نکلتی تھی اور اسطوانے میں اوپر اٹھتی تھی اور جب دباؤ زیادہ ہوتا تھا تو اپنے ساتھ فشارے کو بھی اوپر اٹھا دیتی تھی۔ پھر بھاپ کی مصنوعی طور پر تکثیف کی جاتی تھی۔ ابتدا میں اسطوانے کے بیرونی حصے کو ٹھنڈا کر کے اور بعد میں پانی کی پھوار کو اندر پہنچا کر جب یہ کیا جاتا تھا تو جوشدان کے دہانے کی ٹونٹی کو بند کر دیا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے جزوی خلا ہو جاتا تھا اور فشارہ گر جاتا تھا اور دوبارہ اس وقت اٹھتا تھا جب ٹونٹی کھول دی جاتی تھی۔ فشارے کو دھکے تو آہستہ آہستہ لگتے تھے لیکن اس کے لیے بھاپ کے زیادہ دباؤ کی ضرورت نہیں تھی۔ ہوا کے دباؤ سے بس تھوڑا ہی زیادہ دباؤ کافی ہوتا تھا۔ نیوکومن کے انجن پر حقیقی اعتراض صرف ایک ہی تھا۔ خرچ کی زیادتی یعنی بہت زیادہ ایندھن کا استعمال۔

گو اسمیٹن نے نیوکومن کے کام کو بہتر صورت دی لیکن ترقی کی طرف دوسرا زبردست قدم دراصل واٹ نے اٹھایا جسے[1] نے تو اس کی مخالفت کی لیکن گلاسگو یونیورسٹی نے تحقیقات کے کام میں اس کو مدد دی۔ آخر میں اُسے نیوکومن کے ایک انجن کی مرمت کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر مطالعہ اور تجربہ کیا۔ چند عام اصول دریافت کیے اور انھیں نیوکومن کے انجن پر منطبق کیا۔ پھر اس نے بعض اصطلاحیں تجویز کیں اور ان کے مطابق ایک نمونے کا انجن تیار کیا۔ آخر کار سنہ ۱۷۶۳ء اور سنہ ۱۷۶۹ء کے درمیان اس کا مشہور و معروف انجن مکمل ہو گیا۔

اس نے کچھ ایسے اصول وضع کر دیے جو بھاپ کے سب انجنوں پر منطبق

---

[1] ہم پیشہ لوگوں کی انجمن یا برادری۔ Gild مترجم۔

ہوتے تھے اور جن کی آج تک پیروی کی جاتی ہے۔ پہلا اصول یہ ہے کہ اسطوانے کو کم سے کم اتنا گرم ہونا چاہئے جتنی اس کے اندر کی بھاپ ہو ورنہ تکثیف کا عمل اس وقت ہو جائے گا جب اس کی ضرورت نہ ہوگی۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ جس برتن میں خلا پیدا کرنے کے لئے ضروری تکثیف کی جائے اسے کم سے کم اتنا ہی ٹھنڈا ہونا چاہئے جتنی اس کے اردگرد کی ہوا ہے ورنہ تکثیف کا عمل مکمل نہ ہوگا۔ آخری اصول یہ ہے کہ مکثفہ کے اندر دباؤ جتنا کم ہو سکے اچھا ہے یعنی ایسی اشیاء کو جن کی تکثیف ممکن نہیں ہے مثلاً ہوا کو پمپ کے ذریعے خارج کر دینا چاہئے۔

ان اصولوں کی پیروی اسی وقت کی جاسکتی تھی جب مکثفہ کو اسطوانے سے جدا کر دیا جاتا جیسا نیوکومن نے اسے جوش دان سے جدا کیا تھا۔ اس کے بعد اسطوانہ اور مکثفے کو مختلف درجہ ہائے حرارت پر رکھا جاسکتا تھا۔ موخرالذکر کو ہواکش کے ذریعے جو انجن سے چلتا تھا ہوا سے خالی کیا جاسکتا تھا۔ اسطوانے کو گرم رکھا جاسکتا تھا کیونکہ وہ مکثفے سے دور رہتا تھا اور اس کے اندر تکثیف کے ہونے سے جو حرارت ضایع ہوتی وہ اب نہیں ہو سکتی تھی۔ اسطوانہ ڈھکا رہتا تھا اور اس پر بھاپ کا ایک غلاف چڑھا ہوتا تھا۔ فشارے کے اوپر کی بھاپ اُسے نیچے ڈھکیلتی تھی۔ جب اسطوانے کے نیچے اور اوپر کے حصے منسلک ہو جاتے تھے تو بھاپ نیچے سے نکل جاتی تھی اور مکثفے میں پہنچ جاتی تھی اور فشارہ "شہتیر" کے وزن کی وجہ سے اُوپر اٹھ جاتا تھا۔ جس طرح نیوکومن کے انجن میں کھُل مُندن خود بخود کھلتے اور بند ہوتے تھے یہی صورت اس انجن میں بھی تھی۔ اس کا قصہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک لڑکا ایک ابتدائی قسم کے انجن کی نگرانی کرتا تھا۔ اس لئے اپنا کام بچانے کے لئے کھُل مُندن کو "شہتیر" سے منسلک کر دیا تھا۔ واٹ کے اس کام کا عملی نتیجہ بالآخر یہ نکلا کہ فشارے کی حرکت تیز ہو گئی حالانکہ اس کے لئے بھاپ کے دباؤ کو بڑھانے کی ضرورت نہیں پڑی اور سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ خرچ بہت کم ہو گیا۔

اس کے بعد کی منزلوں کو مختصر طور پر بیان کر دینا کافی ہے۔ بعد کی کسی ترقی سے ویسا نتیجہ برآمد نہیں ہوا جیسا ان ابتدائی ایجادوں سے ہوا تھا۔

۲۳۔ بعد کی ترقی: ٹریوتھک۔ بولٹن۔ واٹ اور مرڈاک

۱۸۰۰ء میں ٹریوتھک نے ایک ایسے بڑے دباؤ والا انجن ایجاد کیا جس میں بھاپ کی تکثیف نہیں

ہوتی تھی۔ اس سے قبل ہارنؔ بلوئر نے ۱۷۸۱ء میں ایک دوہرے اسطوانے کے انجن کو استعمال کیا تھا۔ اس میں دو اسطوانے تھے جن میں دباؤ کے درجے مختلف تھے نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان دونوں اسطوانوں کے مختلف حصوں میں درجۂ حرارت کی تبدیلیاں کم ہوتی تھیں۔ درجۂ حرارت کی ہر تبدیلی سوا اس تبدیلی کے جو تکثیف کے دوران میں ہوتی ہے، تضییع کا موجب ہوتی ہے۔ اس لئے ہرچند اس ایجاد سے فوری نتیجہ بہت کم نکلا۔ لیکن ۱۸۴۵ء میں میک ناٹ نے اس سے فایدہ اٹھایا اور اس زمانے کے ترقی یافتہ انجن اس کی وجہ سے اور بہتر ہو گئے۔ ایک بڑے دباؤ والا اسطوانہ جب اپنا عمل "شہلیر" پر کر چکتا تھا تو بھاپ اس میں سے نکل کر دوسرے کم دباؤ کے اسطوانے میں پہنچ جاتی تھی۔

واٹ کے زمانے کے بعد سب سے اہم ایجاد بھاپ کے چرخ (اسٹیم ٹربائن) کی ہوئی ہے۔ بھاپ کو جب از خود پھیلنے کا موقع دیا جاتا ہے تو وہ کیتلی کے ڈھکنے کی طرح، پھیلاؤ کے وقت بہت کچھ کام کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر بھاپ تیز رفتار سے حرکت کر رہی ہو تو اور بھی اچھا نتیجہ نکلتا ہے اور بعض صورتوں میں تو اتنا زبردست اثر ہوتا ہے کہ محض پھیلاؤ کا اثر اس کے آگے کوئی چیز نہیں بھاپ کا چرخ بھاپ کے انجن اور پن چکی سے مل کر بنا ہے۔ بھاپ کی ایک دھار جو ایک چھوٹے سے دہانے سے نکلتی ہے ایک چپٹی حرکت پذیر سطح سے ٹکراتی ہے۔ اس ایجاد کی (۱۸۸۴ء) تیز رفتار جہازوں کے لئے جو اہمیت ہے اس کی طرف صرف اشارہ کر دینا کافی ہے۔

اب ہم دوبارہ واٹؔ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس کی ایجاد، صنعتی اور تجارتی لحاظ سے زیادہ تر اس وجہ سے کامیاب ہوئی کہ اُسے کیرنؔ کے جانؔ روبکؔ اور سوہوؔ برمنگھم کے میتھیو بولٹن جیسے شریک کار مل گئے تھے۔ روبکؔ ہی کی مالی امداد کا یہ نتیجہ تھا کہ واٹؔ اپنا پہلا بھاپ کا انجن اڈنبرا کے قریب لگا سکا۔ لیکن اس انجن کا کام اتنا ناقص رہا کہ واٹؔ کو اس سے دستکش ہونا پڑا۔ ۱۷۷۳ء میں روبکؔ کا دیوالہ نکل گیا۔ اس کے کچھ سال بعد، واٹؔ پھرتا پھراتا، برمنگھم پہنچ گیا اور یہاں بولٹنؔ کی شرکت میں کام کرنے لگا۔ ان دونوں کے اشتراک عمل سے نہایت اہم نتائج رونما ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ ایک تو بولٹن کے پاس روپئے کی کوئی کمی نہیں تھی۔ دوسرے اس کو اس زمانے کے بہترین فنی وسائل میسر تھے پہلے بھاپ کے انجن لئے، جو سوہو میں بنتا تھا، بلوم فیلڈ کی

کوئلے کی کانوں سے پمپ کے ذریعے پانی کھینچنا شروع کیا۔ پانی کھینچنے کے علاوہ اس ایجاد سے جو فایدے اٹھائے گئے تھے ان میں پہلا فایدہ ایک انجن کی تعمیر تھی جو بروسلے میں، ولکنسن، لوہے کے کارخانہ دار کی بھٹیوں کو دھونکتا تھا۔ ۱۷۷۷ء میں ان شرکائے کار نے ایسے انجن بنانا شروع کر دیئے جو کارن وال کی ٹین کی کانوں سے پمپ کے ذریعے پانی کو کھینچ کر باہر پھینکتے تھے۔ ان انجنوں کی ساخت میں جو نقایص تھے ان کی وجہ سے بڑی بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب تک اوزاروں کو مشین سے بنانا شروع نہیں ہوا موجد کو کن کن آزمایشوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہ بولٹن اور واٹ کی خوش قسمتی تھی کہ انھیں ولیم مرڈاک جیسا بے مثل مستری مل گیا تھا۔ یہ بہت غیر معمولی آدمی تھا جس نے ۱۷۸۴ء میں بھاپ کی قابل استعمال ریل گاڑی بنا دی اور ۱۷۹۸ء میں سوہو کے کارخانے کو کوئلے کی گیس سے روشن کر دیا۔

واٹ کا دوسرا اہم ایجاد (پیٹنٹ) جو گردشی حرکت سے تعلق تھا وہ بھی در اصل مرڈاک ہی کے مشورے کا نتیجہ تھا۔ واٹ کی غیر فانی شہرت، اسی حق ایجاد پر مبنی ہے کیونکہ اس سے پہلے اس نے صرف دوسروں کی ایجادوں کو ترقی دی تھی۔ گردشی حرکت کی ایجاد کے بعد، بھاپ کا انجن کچھ اور ہی چیز ہو گیا۔ وہ محض ایک ترقی یافتہ پانی کھینچنے والا پمپ نہیں رہا بلکہ قوت محرکہ کا ایک ایسا خزانہ بن گیا جس سے مشین کے پرزوں کو حرکت دی جا سکتی تھی۔ اسی طرح یہ صنعتی کاروبار میں انقلاب کا ایک سبب بن گیا۔ دونوں شریکوں نے مل کر سوہو کے صفار خانہ (فاؤنڈری) میں اس کا استعمال، ہتوڑے مارنے، گرنی گھمانے، دھونکنی چلانے کے لئے کیا اور ٹڈلینڈ کے لوہے کے کارخانہ داروں نے بھی فوراً اس سے کام لینا شروع کر دیا۔ دوسری صنعتیں جن میں اس کا استعمال ابتدا ہی میں کرنا شروع کر دیا تھا، لندن اور اسٹیفورڈ شائر کی آٹے کی چکیاں اور چقماق کا چورا کرنے والی گرنیاں تھیں۔

۱۷۸۵ء میں جب رابنسن نے پےپل وک میں ایک بھاپ سے چلنے والی کاتنے کی گرنی کھولی تو بھاپ کا انجن پارچہ بافی کی صنعت میں بھی داخل ہو گیا۔ دوسرے مشہور سوت کاتنے والے جنھوں نے اس مثال کی پیروی کی رابرٹ پیل

ڈرنک واٹر، سیموئل اولڈنو اور رچرڈ آرک رائٹ تھے۔ یارک شائر کی اون کی صنعت میں بھاپ کے انجن کا خیر مقدم نہیں ہوا۔ ٹکلے نے بریڈ فورڈ میں اس کے جاری کرنے کی ایک قبل از وقت کوشش ۱۷۹۳ء میں کی، جو ناکام رہی لیکن مخالفت کے باوجود آخر کار ۱۸۰۰ء میں لیڈز کے ضلع میں اس نے اپنا قدم جما ہی لیا۔ نپولیانی جنگوں کے خاتمے پر قوت محرکہ کے حاصل کرنے کے لئے بھاپ کا استعمال عام طور پر کیا جانے لگا۔ لیکن ایک مدت تک یعنی ۱۸۳۰ء تک غالباً پارچہ بافی کی آدمی گرنیاں پانی ہی کی قوت محرکہ کے استعمال پر اکتفا کرتی رہیں۔

۴۔ کوئلہ

وادی ٹائن کی کوئلے کی صنعت الزبتھ کے عہد میں شروع ہوئی اور سترھویں صدی کے دوران اور اٹھارویں صدی کے اوائل میں پتھر کے کوئلے کا استعمال ایندھن کی حیثیت سے لندن میں عام طور پر ہونے لگا تھا۔ بھاپ کے انجن کی ایجاد نے اس صنعت کی ترقی کی رفتار کو دو طرح سے تیز کر دیا۔ ایک تو اس کی بدولت یہ ممکن ہو گیا کہ کانیں بہت گہری کھودی جا سکیں اور دوسرے ایندھن کے لئے پتھر کے کوئلے کی طلب بے انتہا بڑھ گئی۔

کوئلہ یا اس کے کسی بدل کے بغیر اچھے سے اچھا انجن بھی عملاً بے کار رہتا ہے۔ بھاپ کے انجن کی ترقی ایندھن کی موجودگی پر منحصر تھی۔ مگر ہمارے ملک میں جنگلات محدود تھے اور معدنی تیل اور گیس کا کسی نے نام بھی نہیں سنا تھا اس لئے ہمارا دارومدار کوئلے ہی پر تھا۔

انگلستان کا بیشتر کوئلہ پہاڑی علاقے میں پایا جاتا ہے اور یہاں اس کی تہیں پتلی ہیں۔ کہیں بھی ان کی دبازت چند فٹ سے زیادہ نہیں ہے۔ کچھ دور تک تو یہ تقریباً مسلسل چلی جاتی ہیں صرف کہیں کہیں "رخنے" ملتے ہیں جہاں یہ سلسلہ یکبارگی ٹوٹ جاتا ہے اور پھر یا تو پہلے سے زیادہ بلند یا زیادہ پست سطح پر نئے سرے سے شروع ہوتا ہے۔ آج کل اس کی وجہ سے کوئی دقت نہیں ہوتی کیونکہ پرتوں اور طبقوں کی ترتیب کے بارے میں اتنا اچھا علم حاصل ہو گیا ہے اور رخنے اس قدر باقاعدگی سے ظاہر ہوتے ہیں کہ ہر کان کن جانتا ہے کہ اب اسے کس سمت میں کھودنا چاہیئے۔ کوئلہ اکثر ایک وادی کے دونوں مقابل پہلوؤں میں ملتا ہے۔ کہیں رخنے زیادہ وسیع بھی ہوتے ہیں مثلاً ویگن (لنکا شائر) اور بارنسلے

(یارک شائر) جو ایک دوسرے سے بہت دور ہیں کوئلے کی تہ کے ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ ۱۷۶۰ء سے ایک صدی پہلے کان کنی میں کچھ ترقی شروع ہوگئی تھی۔ پہلے سطح کا کوئلہ نکالا جاتا تھا۔ پھر سرنگیں کھودی جاتی تھیں۔ جب ایک تہ ختم ہوجاتی تھی تو اس کے نیچے دوسری تہ کو کھولا جاتا تھا۔ عام طور پر یہ سلسلہ پہاڑی کے ڈھال کے ایک جانب اسی کے ساتھ ساتھ چلا جاتا تھا یا نرم سلیٹی چٹانوں میں ایک چھوٹا سا کنواں بنا لیا جاتا تھا۔

اس طرح ایک تہ کے بعد دوسری تہ تک پہنچتے رہتے تھے اور پانی کھلی ہوئی جگہوں میں سے بہ بہ کر نکلتا رہتا تھا یا بہ حالت مجبوری زیادہ بلند سطح تک پمپ کے ذریعے اوپر کھینچا جا سکتا تھا۔ جب ایسی تہ آتی تھی جہاں سے کھلی جگہ تک پہنچنا ناممکن تھا تو کام کو بند کرنا پڑتا تھا کچھ تو اس لئے کہ کوئلے کا اوپر پہنچانا مشکل ہوتا تھا لیکن زیادہ تر اس لیے کہ کان کی تہ اوپر کی چٹانوں کے رسنے کی وجہ سے بھر جاتی تھی۔

۵۔ بھاپ کا انجن اور کوئلہ۔ یہی مشکل تھی جس کی وجہ سے بھاپ کا انجن ایجاد کرنے کی ضرورت پیش آئی اور جیسا کہ اکثر ہوتا رہا ہے یہاں بھی ایک ایسی ایجاد نے جو ایک معمولی مقصد کے لئے کی گئی تھی درحقیقت عظیم الشان نتائج پیدا کئے۔ بھاپ کی بدولت ریل چلنے لگی اور وہ لوہا اور کوئلہ بھی جس پر ریل کا دار و مدار ہے پہلے بھاپ کے انجن ہی کی مدد سے حاصل کیا جا سکا۔ ابتدا میں انجن کا استعمال صرف پمپ کے ذریعے پانی کو اوپر کھینچنے کے لئے کیا جاتا تھا اور معدنیات کو اٹھانے کا کام اس سے بہت کم لیا جاتا تھا۔ پانی آہستہ آہستہ غیر مسلسل طور پر جمع ہوتا رہتا تھا اس لئے جلد کام کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ ابتدا میں ایک آہستہ آہستہ کام کرنے والے انجن ہی کا مطالبہ کیا گیا اور بہت سی صورتوں میں کان کو پانی سے صاف رکھنے کی ضرورت اتنی شدید تھی کہ مصارف کی کمی کا مقصد پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی انجنوں کو بھی عملی زندگی میں اہمیت حاصل ہوگئی۔

کوئلہ کی طلب یکبارگی پیدا ہوئی اور کوہ پنائین نے باوجود سے کہ اس کی زمین غیر زرخیز تھی، کوئلہ، عمارتی پتھر اور اگن مٹی کی وجہ سے ایک نئی اہمیت حاصل کرلی چنانچہ اس علاقے کی زمینوں کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی یا یوں کہیئے کہ اوپر کی زمین کی قیمت تو برائے نام رہ گئی مگر زمین کے نیچے کے معدنی حقوق جن کی قیمت علیحدہ طور پر لگائی جاتی تھی

بڑی رقموں کے معاوضے میں فروخت کئے جانے لگے اور ان سے خوب دولت کمائی جانے لگی۔ بریڈ فورڈ کے قریب لوہور کی مشہور کانوں کی وجہ سے جن میں خالص ترین کوئلہ اور خالص چونے کا پتھر یکجا ملتے ہیں دولت کی ریل پیل ہوگئی اور اس خوشحالی میں کانوں کے مالک بھی شریک تھے۔

۶۔ کان کنی میں ترقیاں: تنظیم

سنہ ۱۸۳۰ء تک کان کنی کی انجینیری بہت ابتدائی حالت میں رہی سنہ ۱۸۱۰ء تک کوئلے کے ستون، کان کی چھت کو سہارا دینے کے لئے چھوڑ دیے جاتے تھے۔ لیکن اس کے بعد لکڑی کے سہاروں کے بتدریج استعمال سے کوئلے کی خاصی کفایت ہونے لگی۔ سنہ ۱۸۱۳ء میں بھاپ کی قوت سے چلنے والے برموں کو پہلے پہل استعمال کیا گیا اور سنہ ۱۸۱۵ء میں ڈیوی کے سیفٹی لیمپ کو ایجاد کیا گیا جس سے گہری کھدائی سے فائدہ اٹھانے کا امکان پیدا ہوا۔ سنہ ۱۸۲۰ء کے بعد زیر زمین نقل و حمل کے انتظامات شروع کئے گئے اور ایک ہزار فٹ سے زیادہ گہرے غار کھودے جانے لگے۔

لیکن بہت سے اضلاع میں سنہ ۱۸۴۰ء تک اُتھلی کھدائی عام طور پر جاری رہی جنوبی ویلز کی بعض کانیں پتھر کی کانوں جیسی معلوم ہوتی تھیں اور اُتھلے کوئیں جیسے گڑھے جن کا قطر چار یا پانچ فٹ کا ہوتا تھا، ورہم کے جنوب میں کوئلے کے ہر علاقے میں عام طور پر دکھائی دیتے تھے۔

سنہ ۱۸۵۰ء تک ٹائن کی وادی اس صنعت کا خاص مرکز بنی رہی اور کل رسد کا ایک چوتھائی حصہ مہیا کرتی رہی اور جنوبی ویلز کی اہمیت یارک شائر اور لنکا شائر سے کم سمجھی جاتی رہی۔ غاروں کی گہری کھدائی اسی وقت کی جاسکی جب ورہم اور نارتھمبرلینڈ میں کان کنی کی انجینیری نے ترقی کرلی۔

سنہ ۱۸۳۰ء سے پہلے کوئلے کو اوپر لانے کا عام طریقہ یہ تھا کہ غار کے پہلو میں سیڑھیاں لگائی جاتی تھیں۔ لیکن سنہ ۱۸۳۰ء سے ترقی یافتہ کانوں میں سیڑھیوں کی جگہ لپیٹنے والے چھوٹے انجن استعمال ہونے لگے اور سنہ ۱۸۴۰ء کے بعد ان انجنوں کی گھوڑے کی طاقت آہستہ آہستہ بڑھنا شروع ہوگئی اور کوئلہ زیادہ گہرائی سے کھینچ کر سطح تک لایا جانے لگا۔

ابتدائی لپیٹنے والے انجن ایک سن کی رسی کو جس سے ٹوکری بندھی ہوتی تھی

کھینچا کرتے تھے۔ ۱۸۳۵ء میں جب درہم کے ہال نے دھات کا کھٹولا (کیج) بنایا جس میں گاڑیوں کو چڑھایا اور اُتارا جاسکتا تھا تو اس سے اس صنعت کو بہت زیادہ ترقی ہوئی اور ۱۸۴۰ء کے بعد بہت سی شمال کی کانوں نے لوہے کے تار کی رسیوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔

لیکن انیسویں صدی کے اوائل کا خاص مسئلہ ہوا کے انتظام سے متعلق تھا کیونکہ کانوں کے پھٹنے سے کان کنوں کو بہت نقصان پہنچتا تھا۔ ڈیوی کا لیمپ اس کا صرف ایک جزوی علاج تھا۔ جب تک ہوا کا انتظام بہتر نہ ہو اس کا اثر کچھ زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ صنعتی انقلاب کی ابتدائی منزلوں میں ہوا کی رُو حاصل کرنے کا عام طریقہ یہ تھا کہ مناسب مقامات پر چھوٹی چھوٹی آگ روشن رکھی جاتی تھی۔ ۱۸۴۰ء کے آس پاس ایک اس سے زیادہ موثر طریقہ نکالا گیا۔ ہوا کا انتظام رکھنے والی سرنگ کی تہ میں ایک بھٹی بنائی جانے لگی اور اس کے ذریعے سے ہوا کی زیادہ مسلسل رو حاصل کی جانے لگی۔ لیکن اس طریقے میں بہت سخت خرابیاں تھیں کیونکہ ہوا کا انتظام رکھنے والی سرنگ اکثر دھوئیں سے بھر جایا کرتی تھی اور کرۂ ہوا کے دباؤ کے فرق کی وجہ سے رَو اُلٹی چلنے لگتی تھی۔ اس لیے ۱۸۵۰ء کے بعد، ہوا کی رَو کو مصنوعی طور پر، زیادہ دباؤ کی بھاپ، ہوا پمپ اور پنکھوں سے پیدا کرنے کا رواج شروع ہو گیا۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں جب زیادہ گہری سرنگیں کھودی جانے لگیں تو ان دھماکوں کو روکنے کی ضرورت پیش آئی جو فائر ڈیمپ ہوا کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے اور ہوا کے انتظام کے مسئلے نے اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر لی۔ ۱۸۶۰ء کے بعد ویڈل اور دوسرے لوگوں نے پنکھوں کو اتنا بہتر کر دیا کہ مشین کے ذریعے ہوا کا انتظام تقریباً ہر جگہ کیا جانے لگا۔ ۱۸۶۰ء اور ۱۸۹۰ء کے درمیان کوئلے کو مشین سے کاٹ کر نکالنے کی مختلف کوششیں کی گئیں۔ ڈونسٹھروپ نے فشارہ سے چلنے والی ایک کدال کی ایجاد کا پیٹنٹ حاصل کیا اور ۱۸۷۶ء کے قریب گھومنے والے کوئلہ تراش آزمائے گئے۔ ہوائی برموں اور کدالوں کا استعمال ۱۹۰۰ء تک کیا جانے لگا تھا۔ لیکن ہر چند گزشتہ جنگ کے بعد ترقی ہوئی ہے لیکن اب تک ہمارا بہت سا کوئلہ ہاتھ ہی کی محنت سے حاصل کیا جاتا ہے۔

نیوکیسل کی کوئلے کی صنعت ہمیشہ سے بہت منظم حالت میں رہی ہے اور انیسویں

صدی کے شروع میں بھی "فروخت کرنے والوں" کی کمیٹی خاصی با اثر تھی۔ ہر مہینہ یہ کمیٹی قیمتوں اور فروخت کی مقداروں کا تعین کیا کرتی تھی لیکن سنہ ۱۸۳۰ء کے بعد سے اندرون ملک کے کوئلے کے علاقوں کے مقابلے کی وجہ سے جو نہروں کی بدولت پہلی مرتبہ شروع ہوا تھا اور جس میں ریلوے کے نظام کی وجہ سے اور شدت پیدا ہوگئی تھی یہ اجارہ آہستہ آہستہ ٹوٹ گیا۔ لندن کے کوئلے کو بڑے تاجر تقسیم کرتے تھے اور چھوٹے خردہ فروشوں کے ہاتھ فروخت کیا کرتے تھے۔ گیس کمپنی کے جاری ہونے سے پہلے، قطع نظر ان چند صناعوں کے جو دریا کے کنارے آباد تھے، استعمال کرنے والوں کی طرف سے براہ راست خریداری محض برائے نام تھی۔ اندرونی علاقے میں کوئلے کو کشتیوں میں لاد کر نہر کے ذریعے روانہ کیا جاتا تھا اور اکثر وہ کئی ہاتھوں سے گزرنے کے بعد استعمال کرنے والوں تک پہنچتا تھا۔ سنہ ۱۸۵۰ء کے بعد، تاجروں نے براہ راست خریدنے کے بجائے مالکوں کے ان کارندوں سے خریدنا شروع کر دیا جو کول اکسچینج (کوئلہ منڈی) میں موجود رہتے تھے اور چھوٹے تاجروں کے ہاتھ بیچنے کی جگہ براہ راست صارفوں کے ہاتھ فروخت کرنا شروع کر دیا البتہ گھاٹ یا ریلوے سائڈنگ (بغلی پٹری) پر وہ تاجروں کے ہاتھ بھی فروخت کر دیا کرتے تھے جو بعد میں خردہ فروشی کے ذریعے پبلک کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے۔

کان کے اندر مزدوروں کو یا تو براہ راست ملازم رکھا جاتا تھا جیسا کہ نارتھمبرلینڈ اور ڈرہم میں قاعدہ تھا یا جمعداروں کی معرفت۔ انیسویں صدی کے پورے زمانے میں جمعداری نظام مڈلینڈ میں عام طور پر رائج تھا۔ اس نظام کے ماتحت مزدوروں کا ٹھیکہ دار کان کے مالک سے معاہدہ کرتا تھا کہ کوئلہ ایک مقررہ قیمت فی ٹن پر اس کے حوالے کرے گا۔ یہ جمعدار خود ہی مزدوروں کو ملازم رکھتا اور ان کے لئے ضروری اوزار مہیا کرتا تھا۔ اسی بالواسطہ نظام کی وجہ سے کوئلے کی صنعت میں سخت خرابیاں پیدا ہوگئیں یعنی مزدوروں سے ناجائز فائدہ اٹھانا، حادثات کے مقابلے کے لئے پیشگی احتیاط کی تدبیریں نہ کرنا اور اجرت کی ادائی نقد کی جگہ روٹی اور جنس کی صورت میں کرنا۔

گیس کی روشنی، بجلی کی روشنی اور کوئلے کی ضمنی پیداواریں۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں کوئلے کی بنیاد پر دو ضمنی صنعتوں نے ترقی پائی۔ گیس کی روشنی کو ولیم مرڈاک نے ایجاد کیا اور اس نے سنہ ۱۸۰۶ء

میں بولٹن اور واٹ کے سوہو کے کارخانے کو اس سے روشن کیا۔ ۱۸۰۵ء کے بعد گیس کے استعمال میں مسلسل اضافے کی وجہ سے کوئلے کی کانوں سے فائدہ اٹھانے کا ایک نیا موقع نکل آیا۔ لیکن ۱۸۸۰ء تک گیس کو روشن کرنے کا ذریعہ ایک ہی تھا یعنی کھلا ہوا لمپ۔ ۱۸۸۵ء میں ویلس باک نے گیس کے تابان غلاف کو دریافت کیا اور روشنی کے لئے گیس کے استعمال نے خوب ترقی کرنا شروع کر دی اور اس صدی کے آخر تک داخلی احتراق کے انجنوں کے ترقی پا جانے اور گیس کے چولھوں کے رائج ہو جانے کی وجہ سے گیس کے استعمال کے اور نئے مواقع پیدا ہو گئے۔

بجلی کی روشنی کی ترقی نسبتہً زیادہ سست رفتار کے ساتھ ہوئی۔ ڈیوی نے کیمیاوی برق خانوں اور کوئلے کے برقی مورچوں کے ذریعے قوسی روشنی بہت پہلے یعنی ۱۸۱۰ء میں پیدا کر لی تھی۔ لیکن جب تک گرام کا ڈائنمو ایجاد نہیں ہوا یعنی ۱۸۷۰ء تک، بجلی کی رَو کو کفایت کے ساتھ پیدا کرنے کا طریقہ معلوم نہیں ہو سکا۔ ۱۸۷۰ء میں سیمنس نے مزید ترقیاں کیں اور ایڈیسن اور سوآن نے ۱۸۸۳ء میں کاربن کے تاروں کا تاپاں لمپ ایجاد کر دیا۔ موجودہ صدی کے ابتدائی سالوں میں بجلی کے ذریعے نقل و حمل کے کام کو ترقی ہوئی۔ بجلی کی ٹرام نے گھوڑا گاڑی اور بھاپ گاڑی کی جگہ لے لی اور لندن کے مضافات کی ریلوں کو برقا دیا گیا۔ انیسویں صدی کے نصف آخر کے زمانے میں تار برقی اور تار بحری (کیبل) نے وسائل خبر رسانی میں انقلاب پیدا کر دیا۔

۱۸۵۶ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیان کوئلے کے کیمیاوی اجزا کو دریافت کیا گیا۔ کوئلے کی ضمنی پیداواروں سے کیمیاوی کھادیں اور انیلین، انتھراسین اور نفتلین تیار کی جانے لگی۔ پرکنس نے ارغوانی، قرمزی اور ترکی قرمزی رنگوں کو حاصل کرنے کے طریقے معلوم کیے لیکن بعد میں اس کی تیاری کا کام جرمنوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔

۸۔ لوہا

کوئلے کے علاوہ صنعتی ترقی کے لئے دوسری شرط یہ تھی کہ ایک ایسی دھات کثیر مقدار میں موجود ہو جو سخت بھی ہو اور کام میں بھی لائی جا سکے۔ جنگلات کی تباہی کے بعد سے لوہے کی صنعت

کو زوال ہو رہا تھا۔ وِیلڈ کے باہر، لوہے کی کچ دھات کے ماخذ، حسن اتفاق سے انگلستان جنوبی ویلز اور اسکاٹ لینڈ کی نشیبی زمینوں کے کوئلے کے علاقوں میں پائے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ، لوہا نارتھ ایمپٹن شائر، لنکن شائر، بیرو، کلیولینڈ (جنوبی مشرقی یارک شائر) میں بھی ملتا تھا۔ کوئلے کے علاقوں میں یہ ایک نرم سیاہ سلیٹی پتھر میں دفن کیا ہوا، بہت سخت، بھورے سیاہ ڈھیلوں کی صورت میں ملتا تھا جو آدمی کے سر کے برابر بڑے ہوتے تھے اور یہ لوہا، کوئلے کی تہوں کی طرح تہہ در تہہ ملتا تھا۔ خالص ترین لوہا بریڈفورڈ میں ملتا تھا۔ "ڈھیلے" بڑی "پہاڑیوں" پر رکھے اور دھوپ اور مینہ میں کھلے پڑے رہتے تھے۔ اوپر کے ڈھیلوں کا خول ہتوڑے مار مار کر اُتار لیتے تھے، یہاں تک کہ خام لوہا نظر آنے لگتا تھا اور پھر اسے بھٹی میں لے جاتے تھے۔ اس طریقے میں آج تک بہت کم تبدیلی ہوئی ہے۔ انگریزی کچ دھات کا مقابلہ اب سوئیڈن کی دلدلوں کی اور شمال مشرقی اسپین کی کچ دھات نے کرنا شروع کر دیا ہے۔

صنعتی انقلاب کے دوران ہی میں انجن بھٹی نے قریب قریب اپنی موجودہ شکل اختیار کر لی تھی۔ چونے کے پتھر کی کاربونک ایسڈ گیس، گرم کوک سے تعامل کر کے مونو آکسائیڈ بناتی ہے اور یہ کچی دھات کو لوہا بنا دیتی ہے۔ اس کے بعد بقیہ کوک لوہے کے اندر کاربن کا جز شامل کر دیتا ہے اور اس کام میں چونے کا پتھر مادے کو سیال حالت میں رکھ کر مدد دیتا رہتا ہے۔ اس صنعت نے ان جگہوں میں ترقی پائی جہاں لوہے کی کچ دھات، کوئلے اور چونے کا پتھر قریب قریب دستیاب ہو سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کارڈف، بیرو، مڈلزبرو کے علاقوں نے (جہاں یہ تینوں چیزیں دنیا کے تمام دوسرے مقامات کے مقابلے میں سب سے زیادہ کم خرچ پہ یکجا کی جا سکتی ہیں) انیسویں صدی میں تیزی سے ترقی کرنا شروع کی برخلاف اس کے نارتھ ایمپٹن شائر اور لنکن شائر نے کوئلے کے نہ ہونے کی وجہ سے آہستہ آہستہ ترقی کی اور اسی طرح چونے کے پتھر کے نہ ہونے کی وجہ سے جنوبی لنکا شائر کی ترقی کی رفتار بھی سست رہی۔ کاربونک ترشہ گیس کے بنانے میں بہت سا کوک ضایع ہو جاتا ہے۔ اس کو دور کرنے کے لئے بھٹی کی جسامت کو بڑھانے کی کوشش کی گئی جو بہت مہنگی اور بے سود ثابت ہوئی۔ ہندسی کیمیا نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ تضیع ناگزیر ہے۔

اس طریقے سے "سخت" یا ڈھلا ہوا لوہا تیار ہوا جو بہت سارے کام آتا ہے لیکن

یہ بھوبھک یعنی شیشے کی طرح ٹوٹ جانے والا تھا۔ جب کاربن کے تمام میل کو دور کر دیا گیا تو "نرم" یا پٹا ہوا لوہا برآمد ہوا۔ اس کے اندر چونکہ لچک پائی جاتی تھی اس لئے اس سے کام لیا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ دباؤ کی صورت میں اپنی شکل کو قایم نہ رکھ سکتا تھا۔ فولاد ان دونوں کی ایک درمیانی صورت تھی اور بعد میں ایک ناگزیر شے بن گئی۔ پٹا ہوا لوہا اس طرح تیار کیا جاتا تھا کہ پگھلے ہوئے لوہے کو "لوہے کے مستطیل ٹکڑوں[1]" میں لوہے کی لانبی سلاخوں سے "ہلا کر متورق یا لوچ دار بنایا[2]" جاتا تھا، یہاں تک کہ اس کی تمام میل جل جاتی تھیں۔

لوہے کے تیار کرنے میں جو تبدیلیاں واقع ہوئیں وہ تین طریقوں پر مبنی ہیں:- ایک تو انجن بھٹی میں کوئلے کا استعمال کرنا دوسرے لوہے کو صاف کرنے والی "بھٹی[3]" میں کوئلے کا استعمال کرنا اور اس کے ساتھ ہی "ہلانے" اور بیلن سے دبانے کے طریقوں کا استعمال کرنا اور تیسرے بنانے کے کام میں بھاپ کی طاقت کا استعمال کرنا۔

۹۔ لوہے کی صنعت کے موجدین۔

(۱) ابتدائی موجدین:- حصۂ اول میں ان کوششوں کا کچھ ذکر کیا جا چکا ہے جو خانہ جنگی کے خاتمہ اور ۱۷۶۰ء کے درمیان کوئلے سے لوہے کو پگھلانے کے لئے کی گئی تھیں۔ سب سے پہلے، ۱۶۱۹ء میں، ڈڈلے نے کوئلے کو، لوہے کے پگھلانے کے لئے استعمال کیا لیکن لکڑی کا کوئلہ بنانے والوں نے اس کی مخالفت کی اور روپئے کی کمی کی وجہ سے بھی اس کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔ اس نے ایک دوسرے جھکڑ (بلاسٹ) کو استعمال کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ پرانی قیمت کی دو تہائی پر کوئلے کے ذریعے لوہا بنا سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنے راز کو ظاہر کئے بغیر دنیا سے چل بسا۔ اس کے تجربے کا بڑا چرچا ہوا اور اس کے دو ہم عصروں، بلاک اور ڈاگنی نے کوئلے سے لوہے کی کچ دھات کو جدا کرنے کے لئے اسے مٹی کے "کٹھالوں[4]" میں رکھا لیکن اس میں انھیں

---

[1] Pig

[2] Puddling

[3] Forge

[4] Crucibles

کامیابی نہیں ہوئی

ڈڈلے کے مرنے کے بعد ایک جرمن باؤرانشٹائن نامی نے وینزبری میں ایک بھٹی بنائی (۱۶۱۱ء) جس میں شعلے کچ دھات کو صرف چھوا کرتے تھے۔ یہ کوشش بھی کامیاب نہیں رہی کیونکہ گندھک کی بھاپ کی وجہ سے لوہے کی خوبی برباد ہو جاتی تھی سنہ ۱۷۲۶ء میں، وائٹ ہیون کے وُڈ نے کوئلے کی جگہ کوک کا استعمال کیا اور باؤرانشٹائن کی سی بھٹی میں لوہے کی کچ دھات کے ساتھ پسے ہوئے کوک کو ملا کر "لوہے کے مستطیل ٹکڑے[1]" بنانے کی کوشش کی۔ اسی زمانے میں فیلوفیلڈ نے بھی ایک دوسری ناکام کوشش اسی طریقے پر کی۔

(۲) کول بروک ڈیل کے ڈاربی خاندان کے افراد:۔ لیکن اس مسئلے کا حل تو کول بروک ڈیل واقع شراپ شائر کے ایک آہن گر خاندان کی قسمت میں لکھا تھا۔ سنہ ۱۷۰۹ء کے قریب ہالینڈ سے، ابراہیم ڈاربی اول ریت کے اندر لوہے کے ڈھلے ہوئے ٹکڑوں کو بنانے کا طریقہ سیکھ کر آیا۔ اس نے اس کوئلے سے جسے آنچ دے کر پہلے جھلس لیا گیا تھا، کچ دھات کو کامیابی کے ساتھ پگھلایا۔ لیکن کوک سے کافی حرارت حاصل کرنے کے لئے ہوا کے جتنے تیز جھکڑ کی ضرورت تھی اس کا حاصل کرنا مشکل تھا اس لئے کچھ کچ دھات بے پگھلی رہ گئی۔ سنہ ۱۷۳۰ء اور سنہ ۱۷۴۰ء کے درمیان ڈاربی دوم نے کوک بنانے کے طریقے میں اصلاح کی اور دھوکنیوں کو نیوکومن کے ایک پرانے انجن سے چلا کر ہوا کے جھکڑ کو تیز کیا اور پتھر کے چونے کا استعمال کر کے دھات کو پگھلانے کے وقت خراب ہونے سے بچایا۔ سنہ ۱۷۶۰ء میں جان اسمیٹن نے کیرون میں دھونکنے والے آلے کو مکمل کر دیا اور دبائی ہوئی ہوا کے ایک ایسے پمپ کو رائج کیا جو کرۂ ہوا سے دُگنے یا تگنے دباؤ پر ہوا کا ایک مسلسل جھکڑ مہیا کرتا رہتا تھا۔

ڈاربی کی اس ایجاد نے، ڈھلواں لوہے کی پیداوار میں، جو کھانا پکانے کے برتن، چولھے، جوش دان اور انگیٹھی کی سلاخیں بنانے کے کام میں آتی تھی بہت اضافہ شروع کر دیا۔ سنہ ۱۷۷۰ء کے بعد ڈھلواں لوہے کا استعمال، پانی کے نلوں اور کوئلے

[1] Pig-Iron

کی کانوں کی ریل کی پٹریوں کے بنانے کے لئے بھی ہو جانے لگا۔ امریکہ کی جنگ آزادی کے دوران میں فالکرک کے کیبرن کے کارخانے میں، ڈھلوان لوہے کی توپیں بھی تیار کی گئیں اور انھیں مرتھیر ٹڈفل کے بیکن اور رودرہم کے واکر نے بھی تیار کیا۔ ۱۷۷۹ء میں کول بروک ڈیل کمپنی نے دریائے سیورن پر ڈھلوان لوہے کا پہلا پل تیار کیا۔

(۳) ہنری کورٹ:۔ ترقی کی دوسری منزل یہ تھی کہ ڈھلوان لوہے کو لوچ دار لوہے میں تبدیل کیا جائے۔ پرانا طریقہ کھلی ہوئی بھٹی میں صاف کرنے کا تھا لیکن اس طریقے سے صرف تھوڑی مقدار میں مال تیار کیا جا سکتا تھا اور اس میں صرف لکڑی کے کوئلے کو استعمال کیا جا سکتا تھا۔ روباک نے ۱۷۶۲ء میں کیبرن میں ایک ناکام کوشش پتھر کے کوئلے سے ڈھلوان لوہے کو صاف کرنے کی کی تھی۔ اس کے چار سال بعد کرینیج خاندان کے لوگوں نے بھی کول بروک ڈیل میں اس کی کوشش کی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے کئی سال بعد مرتھر ٹڈفل کے پیٹر اونی انس نے اس مسئلے کو حل کر دیا۔ لیکن یہ طریقہ اس کے ہاتھ سے صنعت میں داخل نہیں ہوا۔ "ہلانے" کا طریقہ ہمیشہ ہنری کورٹ کے نام کے ساتھ وابستہ رہے گا جس نے ۱۷۸۳ء میں اپنے طریقے کا حق ایجاد حاصل کیا۔ کورٹ نے یہ مشاہدہ کیا کہ جب ایندھن کچ دھات سے ملا ہوا رہتا ہے تو لوہے میں کاربن کا جز شامل ہو جاتا ہے اور وہ سخت ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس نے ایک منعکس بھٹی ایجاد کی جس میں صرف شعلہ کچی دھات کو چھوا کرتا تھا۔ بھٹی بند کر دی جاتی تھی اور اس میں سے خاصہ خالص لوہا پگھلی ہوئی حالت میں، اس کے پیندے کے ایک جوف کے اندر بہتا رہتا تھا۔ ایک چھوٹا سا سوراخ کھول لیا جاتا تھا اور پگھلے ہوئے لوہے کو ہلا دیا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ کاربن مونا کسائیڈ کے نکلنے کی وجہ سے، جو ایک نیلے شعلے کے ساتھ جلتی تھی، اُبلنا شروع کر دیتا تھا جب یہ پورا انبار لیس دار ہو جاتا تھا تو لوندے کی صورت میں نکال لیا جاتا تھا اور پھر اس پر ہتھوڑے چلائے جاتے تھے۔ یہی طریقہ اب تک استعمال کیا جاتا ہے۔

لیس دار لوہے کو دبا کر ہموار کرنے کے لئے کورٹ نے ہتھوڑوں کی جگہ نالی دار بیلن بھی ایجاد کئے اور اس کے کام سے واٹ نے جو زوبک کے ساتھ کیبرن کے لوہے کے کارخانے میں کام کر رہا تھا، فائدہ اٹھایا۔ واٹ کو کوئی موزوں اسطوانہ

نہیں ملتا تھا۔ اگر یہ نرم ہوتا تھا تو اس کی شکل بگڑ جاتی تھی اور اگر سخت ہوتا تھا تو صحیح نہیں رہتا تھا۔ جب روبک کا دیوالہ نکل گیا تو واٹ نے برمنگھم میں بولٹن کے ساتھ شرکت کر لی۔ یہاں ولکنسن نے، جس نے زیادہ بہتر مشین کو ایجاد کر لیا تھا۔ اس کے لئے سوراخ کر کے ایک اسطوانہ تیار کیا۔ اور آخر کار واٹ نے ایک قابل اطمینان انجن بنا لیا۔ اور لوگوں کے مقابلے میں ولکنسن نے سب سے زیادہ لوہے کے امکانات کا پتا چلایا۔ کول بروک ڈیل میں لوہے کا جو پہلا پل بنایا گیا تھا اس کا مشورہ بھی اسی نے دیا تھا۔

کورٹ کا طریقہ، تجارتی حیثیت سے فوراً کامیاب ثابت ہوا۔ جنوبی ویلز میں کراز ہے کے کارخانے میں سلاخ کے لوہے کی پیداوار فوراً دس ٹن سے دو سو ٹن فی ہفتہ تک پہنچ گئی اور اس ایجاد کی بدولت سلاخوں کے لوہے کی پیداوار اسی نسبت سے ترقی کرنے لگی جس سے کہ ڈھلواں لوہے کی پیداوار ترقی کر رہی تھی۔

۱۰۔ بھاپ کا انجن اور لوہا؛ ہنٹس مین۔

لوہے کی صنعت پر بھاپ کے انجن کی ایجاد کا دو طرح سے اثر پڑا۔ ایک تو کوئلے کی پیدائش سستی ہو گئی اور بھاپ کی دھوکنیوں نے جھکڑ کو تیز کر دیا اور کوک بنانے میں مدد دی۔ دوسرے ہتوڑے سے کوٹنے اور بیلن سے دبانے کے کام میں بھاپ کی قوت کے استعمال سے پیدائش کی لاگت بہت خاصی گھٹ گئی۔

جس وقت کہ ڈاربی، سستے ڈھلوان لوہے کے بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی وقت ڈنکاسٹر کا ایک گھڑی ساز بنجمین ہنٹس مین فولاد کی تیاری کے کام میں اصلاح کر رہا تھا۔ فولاد کے بنانے کا طریقہ جو دھات سازی کے نقطۂ نگاہ سے ڈھلوان لوہے اور پٹواں لوہے کی ایک درمیانی صورت ہے یہ تھا کہ سلاخ کے لوہے کو لکڑی کے بجھائے ہوئے کوئلے کی بھٹی میں بارہ دن تک گرم کیا جاتا تھا۔ اس طرح گرم کرنے سے لوہے میں کاربن کے اجزا مل جاتے تھے اور اس کی وجہ سے دھات سخت ہو جاتی تھی ہنٹس مین نے اس طریقے میں یہ اصلاح کی کہ بہت اونچے درجۂ حرارت پر، سربمہر اگن ہٹی کی کٹھالیوں میں لوہے کو لکڑی کے کوئلے اور پسے ہوئے شیشے کی تھوڑی مقدار ملا کر پگھلایا۔ اس فولاد کا نام ڈھلواں یا کٹھالی کا فولاد رکھا گیا اور چونکہ اس کے اندر لچک اور مضبوطی دونوں باتیں پائی جاتی تھیں

اس لئے یہ گھڑی کی کمانی اور چاقوؤں کے لئے موزوں تھا۔ ہنٹس مین نے فولاد کی صنعت کے لئے وہ کام کیا جو کورٹ نے لچکدار لوہے کے لئے کیا تھا اور اس کے طریقے کے بہت اہم اثرات شیفیلڈ کے چاقو، چھری وغیرہ کی صنعت پر رونما ہوئے۔

ا۔ مشین سنہ ۱۷۶۰ء تا سنہ ۱۸۰۰ء

اٹھارویں صدی کے آخری عشروں میں لوہے کی پیدائش میں جو انقلاب واقع ہوا، وہ برخلاف پارچہ بافی کی صنعت کے، مشین کے رواج کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ تیاری کے ترقی یافتہ طریقوں کا نتیجہ تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ایک حد تک ان تیاری کے طریقوں میں مشین کا بھی دخل ہوگیا۔ بھٹی کی ضخامت کو بڑھایا گیا اور اسمیٹن نے دبائی ہوئی ہوا کے اسطوانوں کے ذریعے، ہوا کے جھکڑ کو تیز کیا۔ کورٹ نے "ہلائے ہوئے" لوہے کو بیلنوں سے دبانے کے لئے چرخیوں کو استعمال کیا اور واٹ نے بھاپ کا ہتوڑا ایجاد کیا جس کا استعمال ولکنسن کے لوہے کے کارخانے میں کیا گیا۔ اسطوانوں کو سوراخ کرکے بنانے کا نیا طریقہ جسے جان ولکنسن نے ایجاد کیا اور جس کی وجہ سے وہ خرابیاں جو ناقص کاریگری کی وجہ سے پیدا ہوتی تھیں دور ہوگئیں اور بھاپ کا انجن تجارتی حیثیت سے کامیاب ہوسکا، اس سے کم اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

لیکن غالباً سب سے اہم ترقی سنہ ۱۷۹۰ء اور سنہ ۱۸۰۰ء کے درمیان مشین سے بنائے ہوئے اوزاروں کی تھی اگرچہ وہ سنہ ۱۸۲۰ء تک عام استعمال میں نہیں آئے تھے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑا نام یوسف براما کا ہے جس نے وہ مختلف اوزار ایجاد کئے جو پہئیے کاٹنے کی مشین، پانی کی قوت سے چلنے والے شکنجے اور مشین سے بنائے ہوئے تالوں کے بنانے کے لئے درکار ہیں۔ ہنری ماڈسلے کی مدد سے اس نے پیچ کاٹنے والی وزنی خراد اور پھسل ٹیک[1] کو ایجاد کیا۔ پھسل ٹیک محض ایک ایسی تدبیر تھی جس سے اوزار کو کام کے مقابل رکھا جاسکتا تھا۔ لیکن اس کی اہمیت بیان سے باہر ہے۔ اس کی ایجاد کے بہت سال بعد نیسمتھ نے یہ کہا تھا کہ پھسل ٹیک کی ایجاد اپنی اہمیت کے اعتبار سے بھاپ کے انجن کی ایجاد کے برابر ہے۔

[1] Side Rest

اسی زمانے میں کلی فورڈ نے مشین سے کیلوں کے تیار کرنے کی ایجاد کا اجارہ حاصل کیا۔ سنہ ۱۷۹۰ء کے بعد مشینوں کے بنانے میں دھات نے لکڑی کی جگہ لینا شروع کر دی۔ یہ جدت سب سے زیادہ اہم تھی کیونکہ لکڑی کے پرزے بہت ناقص طریقے سے کام کرتے تھے اور بہت جلد گھس جاتے تھے۔ سنہ ۱۸۰۰ء سے پہلے پہلے ڈھلواں لوہے کے اڑ پہیے (فلائی ڈھیل) عام طور پر استعمال کئے جانے لگے تھے اور اسی زمانے میں رینی نے لندن میں آٹا چکیوں کے اندر تمام تر لوہے کے بنائے ہوئے دندانہ دار پہیوں[1] کو جاری کر دیا۔

۱۲۔ مشین سنہ ۱۸۰۰ء تا سنہ ۱۸۵۶ء

سنہ ۱۸۰۰ء کے بعد مشین نے لوہے کی صنعت میں تیزی سے ترقی کرنا شروع کر دی اور مشین سے بنے ہوئے اوزاروں کا زمانہ نزدیک آگیا۔ سنہ ۱۸۰۸ء میں ماڈسلے نے برونل کی شرکت میں بلاک بنانے کے طریقوں میں ایک انقلاب پیدا کر دیا، اور ایک چول بٹھانے والی کل ایجاد کی جس سے فائدہ اٹھا کر رابرٹس نے جو کاتنے کے خود بخود چلنے والے ہیول کا موجد ہے ایک ایسی کھٹکے دار دراز کو ایجاد کیا جس میں دھات کے ٹکڑے کو ڈالا[2] جا سکتا تھا۔ رابرٹس نے رندہ کرنے کی مشین کو ایجاد کرنے میں بھی اہم حصہ لیا۔ اس سے کچھ سال پہلے ایک دوسرے موجد کلی منٹ نے خراد کی کارکردگی کو بہت ترقی دے دی تھی۔ سنہ ۱۸۳۰ء اور سنہ ۱۸۵۰ء کے درمیان، ترقی کا خاص رخ، کام میں زیادہ صحت پیدا کرنے کی طرف رہا۔ رابرٹس نے مشین کے حصوں کو دوبارہ بنانے کے لئے معیاری نمونوں[3] کو استعمال کیا۔ اور وِٹورتھ کی مختلف تدبیروں نے آیندہ ہونے والی معیار بندی کو ممکن بنا دیا۔ خام لوہے کی پیدائش کو متاثر کرنے والی دو اہم جدتیں نلیسن کا ”گرم جھکڑ“ (سنہ ۱۸۲۹ء) اور نیسمتھ کا بھاپ کا ہتھوڑا تھیں۔ ”گرم جھکڑ“ کے اثرات اسکاٹ لینڈ میں بہت دوررس ثابت ہوئے جہاں اس کی وجہ سے اسکاٹ لینڈ کے

ف۱ Gearing

ف۲ Device of Metal Slotting

ف۳ Tenplets

کوئلے کو کوک کی شکل میں منتقل کئے بغیر استعمال کیا جانے لگا۔ اور بھاپ کے ہتھوڑے نے ان مشکلوں کو دور کر دیا جو اس سے پہلے لوہے کی بہت بڑی سلاخوں کے تیار کرنے میں ہوا کرتی تھیں۔

۱۳۔ سنہ ۱۸۵۰ء کے بعد مشین سازی کے سلسلے میں ایجادات: جیسے میئر سیمنس اور گلکرائسٹ ٹامس

سنہ ۱۸۵۰ء تا سنہ ۱۸۸۰ء کے زمانے کو وٹورتھ کے زمانے کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے کیونکہ انھیں پانچ سال میں اس نے مشین سازی کے موجودہ علم کی بنیاد ڈالی۔ اس نے بہت سی تدبیریں دھات سے کام لینے اور صحیح صحیح ناپنے کے لئے ایجاد کیں۔ سنہ ۱۸۵۰ء تک اس کے ناپنے کی مشینیں اور جسامت پیما (گیجز) جو ایک انچ کے دس ہزارویں حصے تک کو ناپتے تھے استعمال کئے جانے لگے تھے اور سنہ ۱۸۸۰ء تک زیادہ تر اسی کی کوششوں سے مشین کے حصے مبادلہ پذیر بن گئے تھے۔ چنانچہ اب بولٹن اور واٹ کے زمانے کی طرح یہ ضروری نہیں رہا تھا کہ مشین کے ہر حصے کو الگ الگ اپنی جگہ پر ٹھیک بٹھایا جائے اور موجودہ زمانے کی مکمل معیار بندی کے لئے راستہ کھل گیا تھا۔ اسی دوران میں آرم اسٹرانگ نے نیوکیسل کے قریب، ایلس وک میں ماقوائیات کے اصولوں کو دمکلوں، لفٹ پمپ، اٹھاؤ پل اور دوسرے پرزوں پر منطبق کرنا شروع کر دیا تھا۔ سنہ ۱۸۶۵ء میں اس نے وبائے ہوئے لوہے کو بنانے کی ایک ترکیب ایجاد کی جس کی وجہ سے بندوق سازی اور وہ اوزار بنانے میں جو بحری مشین سازی کے کام میں استعمال ہوتی ہیں ایک انقلاب عظیم واقع ہوگیا۔ مشین سازی کے ابتدائی اوزاروں میں کوئی بنیادی تبدیلیاں نہیں ہوئیں لیکن سنہ ۱۹۰۰ء تک، پانی کی قوت سے چلنے والی مشین دو، لوہے کی کیلوں کے جڑنے[۱]، سوراخ کرنے[۲] اور برمانے کے لئے عام طور پر استعمال کی جانے لگیں۔

۱۔ Rivetting

۲۔ Punching

انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں، سلاخ کے لوہے کو تیار کرنے کے طریقے میں بہت کم تبدیلی ہوئی۔ غالباً سب سے اہم جدت مشین کے ذریعے لوہے کو "ہلانے" کے کام میں کی گئی لیکن اس کے برعکس فولاد کی تیاری کے کام میں بنیادی تبدیلی ہو گئی ۱۸۵۶ء میں بیسے میر کا حیرت انگیز طریقہ فولاد بنانے کے لئے ایجاد ہوا۔ لوہے کے مستطیل ٹکڑے، ناشپاتی کی شکل کے آلۂ منقلب[1] میں ڈالے جاتے تھے اور پیندے میں ہوا کو دھونک کر پہنچایا جاتا تھا۔ اس سے سلی کن اور دوسرے میل کی تکسید ہو جاتی تھی (یعنی جل جاتی تھیں) اور اس سے جو حرارت پیدا ہوتی تھی وہ کاربن کے فاضل لوٹ کو ایندھن کے بغیر جلا دینے کے لئے کافی ہوتی تھی۔ جب کاربن کی صحیح مقدار موجود ہوتی تھی اس وقت اس عمل کو بند کر دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد آلۂ منقلب کو انڈیل دیا جاتا تھا اور پگھلے ہوئے فولاد کو ٹھنڈا اور کام میں لایا جا سکتا تھا۔ بدقسمتی سے انگلستان کے خام لوہے سے جو فولاد تیار ہوتا تھا اس میں پھر بھی گندھک اور فاسفورس باقی رہ جاتا تھا۔ اس لئے بیسے میر کے طریقے کا فائدہ محدود تھا۔

۱۸۶۴ء میں سیمنس نے اس کے مقابلے میں کھلی بھٹی کے طریقے کو ایجاد کیا۔ ڈھلواں لوہے اور پتواں لوہے کے آمیزے کو، صحیح تناسب سے ملا کر پگھلایا جاتا تھا اور پھر بیسے میر کے طریقے کی طرح اس پر بھی کام کیا جاتا۔ سیمنس کے طریقے سے فولاد کو مختلف درجوں تک سخت بنایا جا سکتا تھا۔ ۱۸۷۹ء میں گلکرائسٹ ٹامس نے ایک اہم ترقی یہ کی کہ اس نے فاسفورس کو کچی دھات سے دور کرنے کے لئے چونے کے پتھر کا ایک استر پیندے میں دینا شروع کر دیا جو لوٹوں[2] کو جذب کر لیا کرتا تھا۔ اس نئے طریقے سے نہ صرف وہ کچی دھاتیں جو پہلے ناقابل استعمال تھیں کارآمد بن گئیں بلکہ اس سے ایسا میل بھی پیدا ہونے لگا جو کھاد کے لئے مفید ہوتا تھا۔

۱۸۹۰ء کے بعد سے ترقی زیادہ تر کچ دھات کے نئے ذرائع حاصل کرنے چھوٹی چھوٹی اصلاحیں کرنے اور سائنس خصوصاً کیمیا سے فائدہ اٹھانے میں کی جاتی

[1] Converter

[2] Slag

رہی ہے دھات کاری کا پرانا علم اتفاقی تجربات پر مبنی تھا۔ لوگ اتفاقی طور پر نئے طریقوں کو معلوم کرلیتے تھے۔ لیکن اب ایجادیں باقاعدہ طور پر سوچ کر کی جاتی ہیں۔ لوہے اور فولاد کی ہر قسم کو خوردبین کے نیچے رکھ کر شناخت کیا جاسکتا ہے اور ہر قسم ایک مخصوص کیمیاوی ساخت کے مطابق ہوتی ہے۔ چنانچہ معمل کے تجربے یہ بتا سکتے ہیں کہ کن قسموں کو کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے۔

بیسے میر کی بدولت انگلستان کو ایک نئی صنعت حاصل ہوئی۔ فولاد کی قیمت پچاس فی صد گر گئی اور پٹواں لوہے کے مقابلے میں فولاد کی زیادہ پائدار ریل کی پٹریوں کو زیادہ سستے داموں پر مہیا کرنا ممکن ہوگیا۔ اس سستے فولاد نے مشینوں کی تیاری کے مصارف کو بھی بہت کم کردیا اور بھاری مشینوں کی برآمد بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس کی وجہ سے انجنوں اور بائلروں کی ضخامت اور مضبوطی میں بڑی ترقیاں ہوئیں چنانچہ ریلوں اور جہاز سازی کو بہت بڑا فائدہ پہنچا اور بیس سال تک انگلستان کو پیدائش کے اس نئے طریقے کا تقریباً اجارہ حاصل رہا۔ لیکن دوسری جانب اس نئے طریقے میں ایک خرابی بھی تھی۔ ضلع کمبرلینڈ کے علاوہ باقی کل برطانیہ کی کچی دھات میں اتنا فاسفورس ملا ہوتا تھا کہ وہ بیسے میر کے آلۂ تبدیلی کے لئے موزوں نہیں تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم کچے مال کے لئے سویڈن اور اسپین کی کچی دھات کے محتاج ہوگئے۔ بعد میں ایک حد تک اس چیز کا گلکرائسٹ ٹامس کے طریقے کی بدولت کچھ تدارک ہوگیا یعنی شمال مغربی یارک شائر کے کلیولینڈ کے ذخائر لائق استعمال بن گئے۔ لیکن یہ انگلستان کی بدنصیبی تھی کہ اسی طریقے کی وجہ سے ریاستہائے متحدہ امریکہ اور جرمنی کی فاسفورس ملی ہوئی دھاتوں کے کثیر ذخائر سے فائدہ اٹھانے کا امکان پیدا ہوگیا۔ لورین کی کچی دھات جو اب تک تقریباً بے کار تھی تجارتی حیثیت سے اہم ہوگئی اور اس نے جرمنی کو یورپ کے براعظم میں لوہے کا سب سے بڑا واحد سرچشمہ بنادیا۔ انگلستان کے اجارے میں آہستہ آہستہ رخنہ پیدا ہوگیا اور اگرچہ اس کی فولاد کی کل پیداوار بڑھتی رہی لیکن انیسویں صدی کے آخر تک امریکہ اور جرمنی کے مقابلے میں نسبتہً بہت کم رہ گئی۔

۱۴۔ لوہے کی صنعتوں کی تنظیم	کورٹ کی ایجاد اور قوت محرکہ سے چلنے والی

مشین نے لوہے کی صنعت میں تخصیص کار کی ابتدا کی۔ اٹھارویں صدی کے وسط تک لوہار ہر طرح کا کام کیا کرتا تھا۔ لیکن صنعتی انقلاب کے ساتھ کام کرنے والوں کے نئے طبقے پیدا ہو گئے یعنی "ہلانے والے" جو بھٹی میں پگھلے ہوئے لوہے کو ہلاتے تھے۔ بیلن چلانے والے لوگ جو ہتھوڑے سے کوٹے ہوئے لوہے پر کام کرتے تھے اور ان کے علاوہ اور دوسرے ماہر اور نیم ماہر مزدوروں کے طبقے پیدا ہوئے۔ پیشوں کے اعتبار سے بھی کاموں میں تفریق شروع ہو گئی تھی۔ ۱۸۰۰ء تک بعض مقامات پر لوہا پگھلانے کا کام ایک جداگانہ کاروبار کی حیثیت سے کیا جاتا تھا مگر عموماً زیادہ تر اس کو ڈھالنے بیلن سے دبانے اور دوسرے اختتامی کاموں کے ساتھ ملا کر کیا جاتا تھا۔

۱۸۴۰ء تک لوہے کے پگھلانے کے کام میں تخصیص پیدا ہو گئی تھی اور اس تخصیص کی وجہ سے بہت اہم نتائج پیدا ہوئے۔ بھٹی کی ضخامت تیزی کے ساتھ بڑھنا شروع ہو گئی اور اونچی اسطوانی شکل کی بھٹی عام طور پر استعمال کی جانے لگی۔ تنہا ایک بھٹی کی پیداوار کے اس اضافے کے علاوہ، کاروبار کی اکائی کی وسعت بھی بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک کارخانے میں بہت سی بھٹیاں ہونے لگیں۔ انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں بڑے کارخانوں میں بھی بہت کم ایسے تھے جن میں تین سے زیادہ بھٹیاں تھیں لیکن ۱۸۴۰ء میں لوہے کا ایک بڑا کارخانے دار مثلاً گیسٹ کے یہاں جو ڈاؤلے کا رہنے والا تھا، اٹھارہ جھکڑ بھٹیاں لگی ہوئی تھیں کچے مال کی پیداوار بھی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ۱۸۰۲ء میں برطانیہ کی ۱۶۸ جھکڑ بھٹیوں کی سالانہ پیداوار صرف ایک ہزار ٹن ڈھلواں لوہے کے مستطیل ٹکڑے تھی۔ ۱۸۵۰ء میں پیداوار بیس لاکھ ٹن ہو گئی تھی۔ ان اعداد سے کچھ پتا چلتا ہے کہ انیسویں صدی کے نصف اول میں کس حیرت انگیز رفتار سے ترقی ہوئی اور ۱۸۸۰ء تک پیداوار کی صلاحیت اور مال کی پیدائش برابر بڑھتی رہی۔ اس سال کے بعد امریکہ اور جرمنی کے نئے مقابلے کی وجہ سے اضافے کی شرح میں کمی ہو گئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ادنیٰ درجے کے کاموں کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن اعلیٰ قسم کے لوہے کے تیار کرنے میں انگلستان نہ صرف اپنی جگہ پر قائم رہا بلکہ کچھ آگے بھی بڑھ گیا۔ ٹنگسٹن کروم سے بنے ہوئے کاٹنے والے فولاد کے بنانے کی بنیاد ۱۸۶۸ء میں شیفیلڈ

میں رکھی گئی۔ یہ وہی وقت تھا جب مسکٹ نے اس بات کا پتا چلایا کہ کاربن ملے ہوئے فولاد میں ٹنگسٹن کا اضافہ کرکے اور پھر اس آمیزے کو ہوا کی رو سے پہلی آگ جیسی حالت سے ٹھنڈا کرکے اور بھی زیادہ سخت بنایا جا سکتا ہے۔ ۱۸۸۰ء میں کرومیم کی خفیف مقدار کا مزید اضافہ کرکے اور بھی زیادہ ترقی کی گئی اور اس صدی کے آخر میں شیفیلڈ ایسا کاٹنے والا فولاد پیدا کرنے لگا جو باقی ساری دنیا کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کر سکتا تھا۔

بڑے پیمانے کے متحد کارخانوں کی طرف ترقی کرنے کا ایک قوی رجحان دھات کی صنعت کی اولین ترقی کے زمانے سے پایا جاتا تھا۔ یہ چیز جو آج بہت نمایاں ہے سترھویں صدی ہی میں نظر آنے لگی تھی۔ ۱۷۰۷ء تک کول بروک ڈیل کے گرد، ڈاربی کا خاندان آٹھ جھکڑ بھٹیوں اور نو لوہے کے کارخانوں کا مالک بن چکا تھا اور اپنے کچے مال کو اپنی ذاتی کوئلے اور لوہے کی کانوں سے حاصل کیا کرتا تھا اور اس کے کارخانے کی شاخیں، لندن، لورپول اور برسٹل میں موجود تھیں۔ بروسلے، برمنگھم اور براڈلے کے اردگرد جان ولکنسن کی ملکیت میں لوہے کے بڑے بڑے کارخانے تھے اور وہ اپنی جھکڑ بھٹیوں کو اپنی ہی کانوں سے کوئلہ مہیا کیا کرتا تھا اور جنوبی ویلز اور فرانس کی لوہے کی صنعت میں اس کا بڑا روپیہ لگا ہوا تھا۔ اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں جنوبی ویلز میں انتھنی بیکن نے میلوں تک مرتھر ٹڈفل کے چاروں طرف سب معدنی پیداواروں کا پٹہ لے رکھا تھا اور اس نے امریکہ کی جنگ آزادی میں، زیادہ تر حکومت کے سامان جنگ کے ٹھیکے لے لے کر، اپنے لوہا تیار کرنے کے کاروبار کو خوب آگے بڑھایا۔ کراشے، جان گیسٹ اور انتھنی ہل کے مابعد کے بڑے کارخانے بھی بیکن ہی کے کاروبار کی شاخیں تھیں۔ اسکاٹ لینڈ میں فالکرک کے قریب کیرن کے بڑے لوہے کے کارخانے کی روبک نے ۱۷۶۰ء میں بنیاد رکھی تھی۔ یہ ایک بہت بڑا کاروبار تھا جس میں مختلف قسم کے کام شامل تھے۔ یارک شائر میں سیموئل واکر نے رودرہم کے لوہے کے کارخانے کو ۱۷۴۸ء میں شروع کیا اور اس کے چالیس سال بعد ہارڈی اور اس کے شرکا نے بریڈفورڈ کے قریب لومور کے لوہے کے کارخانے کو کھولا۔ رودرہم میں واکر کا لوہے کا کارخانہ بہت سے مختلف اجزا سے مرکب تھا جس میں کوئلہ اور لوہے کی کانیں، بھٹیاں، پترے بنانے کی گرہنیاں، لوہار خانے اور صفار خانے

سب ہی شامل تھے۔

یہ ابتدائی بڑے کاروبار موجودہ زمانے کی کمپنیوں سے بنیادی طور پر مختلف تھے۔ ان کی ملکیت اور نگرانی چند آدمیوں کے ہاتھ میں تھی جو باہمی شرکت میں کام کیا کرتے تھے اور ان کی غیر معمولی ترقی کا سبب، دولت کمانے کا وہ نادر موقع تھا جو انھیں صنعتی انقلاب کے عبوری زمانے میں میسر آیا۔

۱۸۶۰ء کے بعد، دھات کی صنعتوں میں عمودی اور افقی، دونوں طرح کے اتحاد شروع ہوئے، اگرچہ اس صدی کے آخر میں بھی، اسٹیفورڈ شائر اور ہیلم شائر کے علاقوں میں اس صنعت کی زیادہ ہلکی شاخوں میں، چھوٹے کارخانے بڑی تعداد میں موجود تھے۔ قیمت مقرر کرنے کے معاہدے کرنے کے لئے، صناعوں کے باہمی اتحادات بہت اہم ہو گئے۔ کوئلے کی صنعت میں تو یہ چیز بالکل نئی تھی مگر لوہے کی صنعت میں دراصل ایسا نہیں تھا کیونکہ جنوبی اسٹیفورڈ شائر کے لوہے کے کارخانے دار ۱۸۲۰ء سے سہ ماہی قیمتوں کو مقرر کرنے کے عادی تھے۔ ۱۸۶۰ء اور ۱۸۷۰ء کے درمیان، ڈھلواں لوہے کے مستطیل ٹکڑوں پر نگرانی رکھنے کے لئے "کلیولینڈ کے لوہے کے کارخانے داروں کی انجمن" بنائی گئی اور "شمالی انگلینڈ کی انجمن" مصنوعہ چیزوں کی جانو قیمت کو مقرر کرنے کے لئے بنائی گئی۔ ۱۸۷۵ء کے بعد قیمتیں جس قدر تیزی کے ساتھ گریں اس کی وجہ سے ان انجمنوں کے ہاتھ میں زیادہ طاقت آگئی اور ۱۸۸۰ء میں کلیولینڈ اور اسکاٹلینڈ کے لوہے کے کارخانے داروں نے اپنی پیداوار کو محدود اور کم کرنے کا معاہدہ کرلیا۔ ۱۸۸۳ء میں جب کہ کساد بازاری انتہائی سخت تھی کلیولینڈ کی انجمن نے جھکڑ بھٹیوں کو بند کر دیا اور ان کے مالکوں کو معاوضہ ادا کیا۔ دو سال بعد صناعوں نے ایک قومی معاہدے کی گفتگو شروع کی۔ لیکن قبل اس کے کہ کوئی معاہدہ ہوتا تجارت میں نئی جان پڑ گئی اور قیمتیں بڑھنا شروع ہو گئیں۔ ۱۸۷۵ء کے بعد، جرمنی، امریکہ اور بلجیم کے فولاد بنانے والوں کے شدید مقابلے کی وجہ سے ۱۸۸۳ء میں انگلستان کے صناع قریبی طور پر متحد ہو جانے کے لئے مجبور ہوئے اور ایک مختصر مدت کے لئے انگلینڈ، جرمنی، اور بلجیم میں فولاد کی پٹریوں کے بازار کو تقسیم کرنے کے لئے ایک بھاؤ سبھا (کارٹل) انتظام کیا گیا لیکن یہ معاہدہ کامیاب ثابت نہیں ہوا اور ۱۸۸۶ء میں اس انجمن کو

توڑ دیا گیا۔

۱۸۶۰ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیان، دھات کی صنعت کی تمام شاخوں میں رضاکارانہ انجمن سازی کے اصول نے تیزی کے ساتھ پھیلنا شروع کیا۔ برطانیہ عظمی[۱] کے کان کنوں کی انجمن کی طرح، برطانیہ کی لوہے کے صناعوں کی انجمن نے بھی پوری صنعت پر عام نگرانی کرنے کی کوشش کی اور اس صنعت کی ہر ذیلی شاخ نے صناعوں کی ایک انجمن قایم کی۔ حتیٰ کہ صنعت کی پیدائش کی شاخوں میں بھی انفرادیت کی وہ قدر نہیں رہی جو اسے ۱۸۵۰ء میں حاصل تھی۔ بیرونی مقابلے کے دباؤ نے نئے حالات کو ناگزیر بنا دیا تھا۔

بیرونی مقابلے کے علاوہ دوسرے عوامل بھی بڑے پیمانے کے کاروبار اور اتحاد کے رجحان پر اثر انداز ہوئے۔ صنعت قدرتی طور پر، "متوازن اکائی" کی جانب ترقی کرتی ہے اور اس اکائی کا رجحان ان صنعتوں میں جہاں بڑھنے والی مشینوں اور ان کے متعلقات کی بڑی مقدار میں ضرورت ہوتی ہے، مسلسل ایجاد و اختراع کی وجہ سے، برابر مزید اتحاد اور توسیع کی طرف رہتا ہے۔ ۱۸۶۰ء تک سرمایے کی ضروری مقدار کی فراہمی میں جو مشکلات تھیں ان کی وجہ سے اکائی کی وسعت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھنے پاتی تھی لیکن محدود ذمہ داری کی مشترکہ سرمایہ دار کمپنیوں کے ترقی پا جانے کے بعد، توسیع میں جو یہ ایک اہم رکاوٹ تھی وہ باقی نہیں رہی۔

یوں تو یہ بات اور بہت سی صنعتوں پر بھی صادق آتی ہے لیکن عمودی اتحاد کا جو عام رجحان برطانیہ عظمیٰ کی لوہے اور فولاد کی صنعتوں میں پایا جاتا تھا۔ اس کے خاص اسباب تھے۔ اول تو خام مال اور درمیانی پیداوار مثلاً ڈھلے ہوئے لوہے کے مستطیل ٹکڑوں اور فولاد کے لئے بازار کے حالات بہت ناپائدار ہوتے ہیں۔ صنعت میں جو بہت زیادہ سرمایۂ قائم لگا ہوتا ہے وہ مالکوں کو مجبور کرتا ہے کہ جب تک ابتدائی لاگت وصول نہ ہو۔ مشین کو برابر چلاتے رہیں۔ اگر خام اور درمیانی مدارج کی اشیاء کی پیدائش صرف ایسے کارخانوں کے ہاتھ میں ہو جو تخصیص کار سے کام لیتے ہیں تو جب مکمل اشیاء تیار کرنے والے اپنی شرح پیدائش کی رفتار کو سست کر دیتے ہیں، تو ایک عرصے کے لئے مال کی افراط اور بھرمار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب خام مال

کی پیداوار کسی وجہ سے گھٹ رہی ہو تو مکمل اشیاء کے تیار کرنے والوں کے لئے یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہ وسعت پذیر بازار سے فایدہ اٹھا سکیں۔

دوسرا فایدہ جو شاید اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ یہ کہ عمودی اتحاد کی صورت میں دھات کو ایک ہی دفعہ گرم کر کے اس پر کئی کام انجام دیے جا سکتے ہیں جہاں بنیادی کام تخصیص یافتہ کارخانوں میں پورا کیا جاتا ہے وہاں ایک دفعہ دھات کو پگھلانے کے لئے گرم کیا جاتا ہے۔ پھر اسے لچکدار لوہے یا فولاد میں تبدیل کرنے کے لئے اور پھر ڈلوں[1] کو مکمل اشیاء کی صورت میں تبدیل کرنے کیلئے عمودی اتحاد کی صورت میں کچ دھات جھکڑ بھٹی میں جاتی ہے اور پگھلا ہوا ڈھلواں لوہا جب وہ پوری طرح گرم ہوتا ہے صاف کر لیا جاتا ہے اور اس کے ڈھلے بنا لئے جاتے ہیں اور پھر بیلن سے دبانے والی گرنیوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اس طرح ایندھن کے خرچ میں جو اس صنعت کی لاگت کا نہایت اہم عنصر ہے بے انتہا کفایت ہو جاتی ہے۔ ضائع شدہ حرارت اور گیسوں سے بھی اس انتظام کے تحت اتنا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جتنا تخصیص کار کے تحت کام کرنے والے کارخانوں میں ناممکن ہے۔ کوک بھٹیوں اور جھکڑ بھٹیوں کی خارج شدہ حرارت سے کام لے کر جو ڈھلواں لوہا تیار کرنے کے لئے ضروری ہیں، بیلن سے دبانے والی گرنیوں، گرم جھکڑ کی مشینوں اور عام مشین کو کافی قوت محرکہ پہنچائی جا سکتی ہے۔ ان وجوہ سے اور ان کے علاوہ دوسرے بدیہی وجوہ سے، جیسا کہ شیفیلڈ کی جان براؤن اینڈ کمپنی کی نمونے کی مثال سے ظاہر ہوتا ہے تمام کام، لوہے اور کوئلے کو کان سے نکالنے سے لیکر لاتی فروخت مال کی تیاری تک۔ ایک ہی واحد نگرانی میں پہنچنے کے لئے مائل نظر آتے ہیں

۱۵۔ دھات کی صنعتوں میں تخصیص

جب ایک دفعہ کچ دھات کو پگھلانے کا مسئلہ حل ہو گیا تو پھر صنعت قدرتی طور پر، کوئلے کے علاقوں، خصوصاً جنوبی اسٹیفورڈ شائر، گلیمارگن کی وادی، مان متھ شائر، ٹائن کی وادی، جنوبی یارک شائر اور لنکا شائر اور اسکاٹ لینڈ کے نشیبی علاقوں میں مجتمع ہو گئی۔ صنعت مشین سازی کی مکمل پیداوار نے انیسویں صدی کے دوران میں اپنے مقام کو بہت کم بدلا۔ لیکن

---

[1] Ingots

اس کے مقابلے میں پگھلانے والی صنعت میں، ۱۸۵۰ء سے لوہے کے پتھر کے نئے علاقوں اور سمندر کی طرف منتقل ہونے کا ایک عام رجحان نظر آتا ہے۔ غالباً اس صنعت کی تاریخ میں سب سے نمایاں مظہر یہ ہے کہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں ڈرنس برو اور بیرو کے آس پاس لوہے کی کان کنی کے کام اور پگھلانے کے کام میں غیر معمولی ترقی ہوئی اور جنوبی ویلز کی جھکڑ بھٹیاں بالائی علاقوں سے نیوپورٹ اور کارڈف کے نشیبی علاقوں کی طرف منتقل ہوگئیں اور یہ انتقال اس بے شمار کچ دھات کی وجہ سے ہوا جو اب اسپین سے درآمد کی جانے لگی تھی۔ ۱۸۶۰ء کے بعد سے شمالی لنکن شائر، لیسٹر، رٹ لینڈ اور نارتھ ایمپٹن کے لوہے کے ذخیروں سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا گیا۔ اس کچ دھات کا بیشتر حصہ پرانے مرکزوں میں پگھلایا جاتا ہے اگرچہ لنکن شائر کے فروڈنگھم اور اسکنتھورپ کے علاقے میں اور نارتھ ایمپٹن میں کیٹرنگ اور ویلنگ بورو کے درمیان جھکڑ بھٹیاں لگادی گئی ہیں۔

کوئلے کی صنعت میں، گہرے سوراخ کرنے کا طریقہ (جس نے موجودہ صدی میں ڈونکاسٹر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے اور جس کا اثر کنٹ پر بھی ایسا ہی پڑ سکتا ہے) کان کنی کی تاریخ میں، ایک نئے باب کا اضافہ ہے جس کی اہمیت کا ابھی پوری طرح اندازہ نہیں کیا گیا ہے۔

باب (۳)

پارچہ بافی کی صنعت اور دوسری صنعتیں

ا۔ تمہید

صنعتی انقلاب کے نتائج پارچہ بافی کی صنعت کے لئے نہایت مہتم بالشان ثابت ہوئے اور کم سے کم خارجی طور پر یہ نسبتۃً جلد ہی ظاہر بھی ہو گئے تھے اور دھات کی صنعتوں کے مقابلے میں زیادہ نظر فریب بھی تھے۔ اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں صنعتی کیمیا کے سوا کسی صنعت کو بھی بالکل نیا نہیں کہا جا سکتا تھا۔ لیکن ۱۷۶۰ء میں کوئلے اور لوہے کی صنعتیں پارچہ بافی کے مقابلے میں نسبتۃً غیر اہم تھیں کیونکہ کپڑے کی تاریخ کا سلسلہ پلانٹے جینیٹ خاندان تک ملتا تھا اور صدیوں سے زراعت کے بعد دوسرا نمبر اسی کا سمجھا جاتا تھا۔

۱۷۶۰ء سے پہلے پارچہ بافی میں ایجادیں غیر معروف نہیں تھیں اور نہ فیکٹری کا نظام کوئی بالکل نئی چیز تھا۔ سولھویں صدی میں ایک ہی چھت کے نیچے۔ بڑے پیمانے پر مال تیار کرانے کی مثالیں بھی بڑھ رہی تھیں اور اٹھارویں صدی کے نصف اول

ہیں، ریشم کی صنعت میں، جدید فیکٹری، بجز بھاپ کی قوت کے، اپنے تمام لوازمات کے ساتھ وجود میں آگئی تھی۔

۲۔ لومب کا خاندان۔

اس کام کو جان اور ٹامس لومب نے کیا تھا جو ریشم کو بٹنے والی مشین کے نمونے اپنے ہمراہ اٹلی سے لائے اور پانی کی قوت سے چلنے والی ایک فیکٹری کو ڈربی کے قریب قایم کیا۔ بعض مستند مورخ اسی گرنی کو جدید انگلستان کی پہلی فیکٹری قرار دیتے ہیں۔ یہ بلاشبہہ ترقی کی طرف ایک نیا قدم تھا اور ریشم کی صنعت میں فیکٹریوں کی ابتدا اسی سے ہوئی۔ لومب کی مشینیں محض اوزار نہیں تھیں جن سے دستی کام کرنیوالوں کو صرف پیداوار کے بڑھانے میں مدد ملتی بلکہ یہ خود بخود کام کو پورا کرتی تھیں اور مزدور کا کام صرف ٹوٹے ہوئے دھاگوں کو جوڑنے کے مخصوص کام تک محدود رہتا تھا۔ سنہ ۱۷۶۵ء تک ایسی ریشم کی گرنیاں جو آٹھ آٹھ سو آدمیوں کو ملازم رکھتی تھیں، ڈربی، اسٹاک پورٹ، میکلس فیلڈ اور لندن جیسے مقامات میں قایم ہوگئی تھیں۔ مگر ریشم کا دھاگا بٹنے والی اس مشین کی وجہ سے، صنعت کی ان شاخوں میں، جو کام کو انتہا تک پہنچاتی تھیں، ایجادوں کی کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ مثلاً بنائی کا کام، دستی کرگھوں ہی پر خانگی نظام کے تحت ہوتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ توسیع، نصف صدی تک رکی رہی۔

۳۔ روئی کی صنعت

پارچہ بافی میں انقلاب کا زور دراصل روئی کی صنعت ہی میں رہا۔ انگلستان میں یہ صنعت تقریباً بالکل نئی تھی۔ یورپ میں مشرقی ہند کے سوتی کپڑے کے رواج کی وجہ سے اس کی بنیاد پڑی۔ سوتی کپڑے کا فایدہ بہت تھا اور اس میں توسیع کی تقریباً غیر محدود گنجایش پائی جاتی تھی کیونکہ اس کے کچے مال کو آسانی کے ساتھ مہیا کیا جاسکتا تھا۔ پھر جنوبی لنکا شائر کی آب و ہوا بس اتنی مرطوب تھی جتنی باریک کتائی کے لئے موزوں ہے۔ اس کے بعد ضرورت صرف ایسی ایجادوں کی تھی جو ضروری قوت محرکہ کو فراہم کرسکیں۔

کپاس کے پودے میں یہ کچا مال ایک ڈھیلی گیند کی صورت میں ملتا ہے۔ اسے صاف کیا جاتا ہے اور اس پر اور دوسرے کام کئے جاتے ہیں اور پھر انگلستان میں

کتائی کے لئے بالکل تیار حالت میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ کتائی کا کام یہ ہے کہ ریشوں کو بل دے دیا جائے تاکہ انھیں الجھا کر سوت یعنی ایک ایسا لانبا دھاگا بنایا جا سکے جو بنائی کے لئے بالکل تیار ہو۔ بنائی کا کام یہ ہے کہ لانبے دھاگوں کے متوازی سلسلے کو ایک دوسرے سے زاویۂ قایمہ کی صورت میں رکھا جائے (تانا بانا)۔ ایک سلسلہ بافندے کی قطار میں ہو اور دوسرا پہلے کے مقابلے میں عمودی خط کی صورت میں اور تانے اور بانے ایک دوسرے سے الجھ کر، کپڑے کی ایک چوڑی چادر بنا دیں۔ سوت ایک نال سے کر دلپیٹ دیا جاتا ہے جس کی (دائیں، بائیں اور واپس) حرکت سے سوت کی منزل مقصود کا تعین ہوتا رہتا ہے۔

انگلستان میں، ہندوستان سے، سوتی کپڑا بہت ابتدائی زمانے سے درآمد کیا جاتا تھا۔ سولھویں صدی میں نیدرلینڈ کے مظلوم بننے والوں کی ہجرت کی وجہ سے یہ صنعت غالباً چھوٹے پیمانے پر شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ یہ لنکاشائر میں مجتمع ہوگئی اور ۱۷۰۰ء کے بعد اس نے اون کی صنعت کو کوہ پنائیں کے پار ڈھکیل دیا۔ اس کام میں غالباً لورپول کی آب و ہوا اور محل وقوع نہایت موثر عامل ثابت ہوئے۔ چھپے ہوئے کپڑے کو مشرق بعید سے درآمد کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ البتہ صرف دوبارہ برآمد کرنے کے لیے درآمد کی اجازت دی جاتی تھی۔ اس چیز نے لنکاشائر کی صنعت میں جان ڈالی۔ اس امتناع کے بعد انگریز عورتیں جو سوتی کپڑا پہننے کی عادی ہوگئی تھیں، لنکاشائر کے سوت اور کتان بنے ہوئے کپڑے کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

پارچہ بافی کی مشینوں کے استعمال نے آہستہ آہستہ تدریجی طور پر ترقی پائی لیکن بعض ایجادوں کی نظر فریب کامیابی نے اس حقیقت پر پردہ ڈال دیا۔ سوتی کپڑے کی صنعت میں جو ایجادیں ہوئیں ان کی تکمیل بے شمار ضمنی ایجادوں کے ذریعے رفتہ رفتہ ہوئی۔ صنعت کی ہئیت اس سُرعت اور شدت کے ساتھ تبدیل نہیں ہوئی جیسا ہم صنعتی انقلاب کے موضوع پر بعض ابتدائی مصنفوں کی کتابیں پڑھ کر خیال کرتے ہیں۔

۴۔ برمی کا جان کے

جو بڑی ایجادیں کہلاتی ہیں، وہ سب سے پہلی اُون کی صنعت میں ہوئیں ۱۷۳۳ء میں، برمی کے جان کے نے ایک ڈھرکی نال (فلائی شٹل) ایجاد کی۔ اس سے پہلے، بننے والا، نال کو ایک

طرف سے شروع کرکے اور تانے کے ایک ایک دھاگے کو چھوڑ چھوڑ کر، ایک ہاتھ سے ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے نکالتا رہتا تھا اور پھر بانے کو کستا جاتا تھا۔ کے نے ایسا انتظام کیا کہ نال کے چلانے کے لیے صرف ایک ہاتھ کی ضرورت ہو اور دوسرا ہاتھ بانے کے لیے آزاد رہے۔ بننے والا ایک لکڑی کو کھینچتا تھا جس سے ایک ہلکی ہوئی ڈور کو جھٹکا لگتا تھا اور ایک ہتوڑا نال کو دوسری جانب ڈھکیل دیتا تھا۔

سنہ ۱۷۶۰ء تک ڈھرکی نال کا رواج سوتی کپڑے کی صنعت میں بھی ہو گیا اور جتنا سوت کاتنے والے کات سکتے تھے اس سے زیادہ کی بُننے والوں کو ضرورت ہونے لگی۔ اس لئے ایجاد کی صلاحیت رکھنے والے لوگ کاتنے کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں تین ایجادوں کی وجہ سے انقلاب ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انگلستان کا تیار کیا ہوا سوت نہ صرف ملک کی اندرونی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کافی تھا بلکہ باہر بھیجنے کے لئے بھی بچ رہتا تھا۔

۵۔ کاتنے کی مشین

کاتنے کی مشین کی ابتدا اور اصل کیونکر ہوئی، اس بارے میں اختلاف ہے۔ لیکن بیلنوں کا اولین استعمال جان وائٹ اور لوئی پال کے ناموں کے ساتھ وابستہ ہے۔ وائٹ نے جو لچ فیلڈ کا رہنے والا تھا پال کے ساتھ شرکت کر لی۔ پال نے اس کو مالی امداد دی اور غالباً مشین میں بھی کچھ اصلاح کی۔ بیلنوں کے دو جوڑے استعمال کئے جاتے تھے اور یہ مختلف رفتار سے چلتے تھے، پہلا جوڑ زیادہ آہستہ چلتا تھا دھاگا نکالتا تھا اور دوسرا "پونی" کو کچھ زیادہ تیز رفتار کے ساتھ آگے کھینچتا تھا اور اس طرح دھاگے کو تان دیتا تھا۔

لیکن روئی کو کاتنے سے پہلے، کچے مال سے تمام گومڑوں کو کنگھیوں کے ذریعے نکالا جاتا تھا اور اس کام کو دھنائی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ یہ ابتدائی کام گھروں پر ہوتا رہا یہاں تک کہ پال نے ایک اسطوانی شکل کی دھننے کی مشین ایجاد کی جس کا اجارہ اس نے سنہ ۱۷۴۸ء میں حاصل کر لیا۔ وائٹ اور پال کی یہ ایجادیں تجارتی لحاظ سے کامیاب نہیں رہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ موجدوں کے پاس نہ تو کافی روپیہ تھا اور نہ کاروباری سمجھ بوجھ۔ لیکن ان کی مشینیں، برمنگھم کے ایک کارخانے

میں لگائی گئیں اور کچھ سال بعد نارتھ ایمپٹن کی ایک فیکٹری میں، جہاں پانی کی قوت سے ۲۵۰ تکلے چلائے جاتے تھے۔ نارتھ ایمپٹن کے اس اقدام سے یورپ میں قوت محرکہ سے چلنے والی کتائی کی گرنی کی ابتدا ہوئی۔

۶۔ بلیک برن کے ہارگریوز

کاتنے کے کام میں، عملی کامیابی، درحقیقت سب سے پہلے ہارگریوز کو حاصل ہوئی جس نے ہاتھ سے چلنے والی "جینی" کو ایجاد کیا جو ایک وقت میں ایک تاگے کی جگہ گیارہ تاگے کاتتی تھی۔ اسے بھی اکثر موجدوں کی طرح اپنی ایجاد سے کوئی مالی منفعت نہیں پہنچی اور اس نے افلاس کی حالت میں جان دی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار اتفاقاً ایک چرخا الٹ گیا اور اس کے باوجود اس کا تکلہ کام کرتا رہا۔ اس سے اس کو یہ بات سوجھی کہ ایک پہیے سے کئی تکلوں کو چلایا جا سکتا ہے۔

اس لئے ایک افقی پہیے اور متعدد عمودی تکلوں سے تجربہ کیا اور اسے اتنی کامیابی ہوئی کہ تکلوں کی تعداد بڑھا کر سو کر دی گئی۔ اس ایجاد کا سوت کی صنعت پر کوئی اثر نہیں پڑا وہ اب بھی پہلے کی طرح صرف بانے کے لیے موزوں تھا۔

۷۔ آرک رائٹ اور کراپٹن

۱۷۶۰ء تک کتائی کا مسئلہ اتنا ضروری ہو گیا تھا کہ سوسائٹی آف آرٹس نے، کتائی کی مشین کے لئے ایک انعام رکھا۔ مقابلے کے لئے جو نمونے پیش کئے گئے وہ تو بالکل معمولی تھے۔ لیکن اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ایک شخص ہائیز نامی کو اس مسئلے کی طرف توجہ ہوئی۔ ہائیز نے ایک مشین بنائی جس میں کتائی بیلنوں کے ذریعے ہوتی تھی۔ لیکن سرمایے کی کمی کی وجہ سے اُسے تکمیل تک نہیں پہنچا سکا۔ کتائی کی تاریخ میں ہائیز کی اہمیت صرف یہ ہے کہ اس کی مشین کا نمونہ اگر آرک رائٹ کے واٹر فریم کی اصل نہیں تو ابتدا ضرور تھا۔ کتائی کی تاریخ میں، پریسٹن کے آرک رائٹ کا نام سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اس کی مشین کے اصلی نمونے کو اب بھی جنوبی کنسنگٹن کے عجائب خانے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ واٹ اور پال کی ایجاد سے صرف جزئیات میں مختلف ہے۔ بیلنوں کے جوڑے کے اصول کو، آرک رائٹ نے اپنے آبی فریم میں جاری رکھا۔ اوپر کے جوڑے پر تاگا پکڑنے کے لئے، چمڑا چڑھا دیا جاتا تھا اور نیچے کا جوڑا نالی دار

رکھا جاتا تھا تاکہ تاگا نکل سکے۔ آرک رائٹ کے زمانے سے پہلے تانا تیار کرنے کے لئے پونی بنانے کا کام ہاتھ سے کیا جاتا تھا، اب یہ کام آبی فریم سے کیا جا سکتا تھا۔ جتنی سختی اور مضبوطی درکار تھی دو بیلنوں کی رفتار کے فرق سے پیدا کی جا سکتی تھی۔ مشین کی اصطلاح کا جو مفہوم موجودہ زمانے میں ہے کہ وہ ساخت میں پیچیدہ اور عمل میں نازک ہوتی ہے، اس لحاظ سے بھی اس ایجاد کو مشین کہا جا سکتا ہے۔

آرک رائٹ کے پاس وہ چیز تھی جس کی وائٹ، پال اور ہارگریوز میں کمی تھی یعنی صحیح کاروباری قابلیت۔ اس نے پریسٹن کے ایک شراب فروش اسمالی نامی کو اپنے منصوبوں میں شریک کار بنا لیا اور اس کے اثر سے ناٹنگھم کے ساہوکاروں سے سرمایہ فراہم ہو گیا۔ اس ایجاد کے چلنے میں جو غیر متوقع دشواریاں پیدا ہوئیں اس کی وجہ سے وہ لوگ مدد سے دستکش ہو گئے۔ لیکن آرک رائٹ نے کسی طرح ناٹنگھم کے نیڈ اور ڈربی کے اسٹرٹ کا اشتراک عمل حاصل کر لیا۔ اسٹرٹ کو مشین سے کچھ واقفیت تھی اور اس نے اس مشین کا مطالعہ کر کے کئی مفید مشورے دیے۔ ۱۷۷۱ء میں دریائے ڈروِنٹ کے کنارے، کرام فرڈ میں کتائی کی ایک گرنی قائم کی گئی اور اس اقدام میں کامیابی کی وجہ نہ صرف کرنے والوں کی کاروباری صلاحیت تھی بلکہ یہ بھی کہ اس آبی فریم سے اتنا کافی مضبوط سوت تیار ہوا کہ اب اس میں کتان کے ملانے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس لئے اب یہ ممکن ہو گیا کہ خالص روئی کا ایسا مال، انگلستان میں تیار کیا جائے جو ہندوستان کے مال کا ہم پلہ ہو۔ لہٰذا اگر آرگ رائٹ کو کتائی کی مشین کا اصل موجد نہ بھی مانا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ انگلستان کی موجودہ سوتی پارچہ بانی کا بانی تھا۔ ۱۷۷۵ء میں اس نے اور دوسری ایجادوں کو محفوظ (پیٹنٹ) کرا دیا۔ مثلاً دھنکنے کی مشین، دھری پھیر کنگھا جو دھنکی ہوئی روئی کو الگ کرتا تھا، پونی بنانے والا فریم جو دھنکی ہوئی روئی کو بل دیتا تھا اور سامان رساں آلہ جو خام روئی کو دھنکنے کی مشین میں پہنچاتا تھا۔

آرک رائٹ کو بھی اکثر دوسرے موجدوں کی طرح اپنے حریفوں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ غریب آدمیوں کی ایجادوں کو ہتھیا لیتا ہے اور ۱۷۸۵ء میں پارلیمنٹ نے اس کو ایجادوں کے حقوق سے محروم

کر دیا۔ لیکن اس کے بعد بھی وہ انگلستان میں سوت کی کتائی کا سب سے بڑا کارخانہ دار بنا رہا اور آدرڈ سے بی ال ڈیل کی شرکت میں اس نے اسکاٹ لینڈ میں نیو لینارک ملز کو قایم کیا اور ایک دوسری مل بلیک دل میں قایم کی۔ اس نے اپنے ناٹنگھم کے کارخانے میں سب سے پہلے بھاپ کے انجن کو استعمال کیا اور جب وہ ۱۷۹۲ء میں مرا تو اس نے پانچ لاکھ پاؤنڈ کی جایداد چھوڑی۔

واٹر فریم، بہت جلد اپنی ساخت کی سہولت کی وجہ سے عام طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ اس کو دوبارہ بنانے کے لئے کسی خاص فنی مہارت کی ضرورت نہیں تھی۔ جو شین شروع میں استعمال کی گئی اُسے بڑھئی اور لوہار بنا سکتے تھے اس لئے جو صناع بھی آرک رائٹ کے کسی کاریگر کو لالچ دیکر اپنے یہاں لے آتا تھا وہ آسانی سے اس ایجاد کی نقل اتار سکتا تھا۔

آرک رائٹ ایجاد کی خاص اہمیت یہ ہے جیسا اس کے نام آبی فریم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے قوت محرکہ سے چلانے کے لئے بنایا گیا تھا۔ اس سے پہلے جو ایجادیں ہوئی تھیں وہ صرف گھر پر کام کرنے والوں کی پیداوار کی قوت کو کچھ بڑھادیتی تھیں آرک رائٹ کی ایجاد کی جدت یہ تھی کہ اس نے شین کو اس کام کے لئے استعمال کیا جو اس وقت ہاتھ سے کیا جاتا تھا۔ اس لئے اس نے کتائی کے کام میں انقلاب پیدا کر دیا اور اسے بجائے خانگی صنعت کے کارخانے کی صنعت بنا دیا۔

لیکن آرک رائٹ اس باریک سوت کو تیار نہیں کر سکا جو سبک اور نازک کپڑوں کے لئے درکار ہوتا ہے ۱۷۶۳ء میں بولٹن کے شاؔ نے انگلستان میں ململ بنانا شروع کی۔ لیکن اس صنعت کا دار و مدار ہندوستان سے باریک سوت کی درآمد پر تھا۔ ہارگریوز کی جینی نے باریک سوت تیار کیا تھا لیکن ناکافی مقدار میں کیونکہ اس کے طریقے پر عمل کرنے میں کاتنے والے کو ہر وقت اس قدر متوجہ رہنا پڑتا تھا۔ کہ وہ سوت کی پیداوار کو بڑھا نہیں سکتا تھا

بڑے پیمانے پر باریک سوت کی پیداوار کرامپٹن (۱۷۵۳ء تا ۱۸۲۷ء) کی ایجاد میول کے ذریعے حاصل کی گئی۔ کرامپٹن نے جو بولٹن کا رہنے والا تھا، میول کو ۱۷۷۹ء میں ایجاد کیا۔ اس کی ایجاد میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے جینی اور بیلنوں

کے اصول کو یکجا کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے اندر ایک تکلہ گاڑی[1] کا بھی اضافہ کر دیا گیا جو اس کی اپنی ایجاد تھی۔ یہ تکلہ گاڑی جب پیچھے ہٹتی تھی تو اس سے تاگا تدریجی طور پر بڑھتا رہتا تھا اور اس سے ایک باریک اور نازک تانا تیار ہو جاتا تھا۔ جینی کی طرح ابتدائی میول بھی لکڑی کے بنائے گئے تھے لیکن ۱۷۸۳ء میں ایک ترقی یافتہ نمونہ دھات کے بیلنوں اور پہیوں کا بنایا گیا۔ ۱۷۹۰ء میں ولیم کیلی نے خود بخود چلنے والا میول، ایجاد کیا جس میں کئی سو تکلے لگے ہوئے تھے اور ۱۸۰۰ء تک میول نے روئی کی صنعت میں جینی کی جگہ لے لی۔

میول ایک عہد آفریں ایجاد تھی۔ اس کا کاتا ہوا سوت نہ صرف مشرقی ہندوستان کے بہترین سوت سے بہتر تھا بلکہ اس قدر باریک ہوتا تھا کہ ویسا سوت ہاتھ سے کاتنا ممکن ہی نہیں تھا۔ اس لئے اسے پارچہ بافی کی ایجادوں میں سب سے زیادہ اہم ایجاد سمجھنا چاہئے اور اس کی ترقی سے روئی کی صنعت کی رفتار پر نہ صرف انگلستان بلکہ تمام یورپ میں بہت گہرا اثر پڑا کیونکہ اس کی وجہ سے مغربی دنیا باریک کپڑے اور سوت کے لئے ہندوستان کی دائمی محتاجی سے آزاد ہوگئی۔

۸۔ وہٹنی کی بنولا نکالنے کی ساجن۔

اٹھارھویں صدی کے آخر میں، ایک اور ایجاد کی وجہ سے جس نے خام روئی کی پیداوار میں ایک انقلاب پیدا کر دیا، قوت محرکہ سے، روئی کاتنے کے کام کو بہت زبردست ترقی ہوئی۔ اس صدی کے بیشتر حصے میں، امریکہ سے خام روئی کی درآمد صرف لانبے ریشے والی یا سی آئی لینڈ روئی تک محدود تھی جو صرف چند منتخب علاقوں میں پیدا ہوتی تھی۔ وہٹنی کی ساجن نے جو روئی سے بنولے الگ کرتی تھی چھوٹے ریشے کی روئی کے استعمال کو بھی نفع بخش بنا دیا۔ اور چونکہ چھوٹے ریشے کی روئی کو امریکہ کی جنوبی ریاستوں میں سب جگہ نفع بخش طریقے پر بویا جا سکتا تھا اس لئے امریکہ نے تقریباً غیر محدود مقداروں میں، کچے مال کو برآمد کرنا شروع کر دیا

۹۔ بنائی

ان تبدیلیوں کا خالص نتیجہ یہ نکلا کہ سوت کی رسد بے انتہا

---

[1] Spindle Carriage

بڑھ گئی اور اس کی قیمت گھٹ گئی جس کی وجہ سے کتائی اور بنائی کا توازن پھر بگڑ گیا۔ اس لیے کپڑے کی پیدائش کو بڑھانے کے لئے ایجادوں کی ضرورت پڑی کیونکہ ان کے بغیر سوت کی برآمد شروع ہو جاتی اور بنائی کا کام دوسرے ملکوں میں ہونے لگتا۔

یہ مسئلہ مشکل ضرور تھا لیکن ناقابل حل نہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان دو فریموں کی حرکت کو جن پر تانا کھینچا جاتا تھا اور اس نال کی حرکت کو جو ان کے درمیان سے گزرتی رہتی تھی سترھویں صدی میں فیتوں کے بُننے کے لئے یورپ میں استعمال کیا جانے لگا تھا۔ لیکن یہ کام پیچیدہ تھا اور اس میں کوئی ترقی نہیں ہوئی یہاں تک کہ ایک پادری ایڈمنڈ کارٹ رائٹ (۱۷۴۳ء تا ۱۸۲۳ء) نے جسے مشین کا کوئی خاص علم نہیں تھا اس مسئلے کی طرف توجہ کی۔ ۱۷۸۵ء میں اس نے ایک قوت محرکہ سے چلنے والے کرگھے کا نمونہ بنایا جسے ایک ہی مرکز سے چلا سکتے تھے۔ لیکن اس سے کوئی خاص فایدہ نہیں ہوا جب اس کی واقفیت زیادہ مکمل ہو گئی اور اس نے دوسرے کرگھوں کو جانچا تو اس نے اپنی غلطیوں کی اصلاح کی اور رفتہ رفتہ ایک لایق استعمال کرگھا بن کر تیار ہو گیا۔ ۱۷۸۷ء میں ڈونکاسٹر میں ایک چھوٹی سی فیکٹری قایم کی گئی جسے ایک دخانی انجن سے جو برمنگھم سے منگایا گیا تھا چلایا جاتا تھا۔ لیکن اس اقدام میں ناکامی ہوئی اور اس کا موجد تقریباً برباد ہو گیا۔ بہرحال کارٹ رائٹ نے اُون کو تولنے یا بل نکالنے والی ایک مشین ایجاد کی جس کے بعد میں اچھے نتایج نکلے۔

قوت محرکہ سے چلنے والے کرگھوں کو پہلے تجارتی کامیابی دراصل اسکاٹ لینڈ میں حاصل ہوئی اور ۱۷۹۳ء میں رابرٹ سن نے گلاسگو اور ڈمبرٹن میں کرگھے لگا دیئے۔ ابتدائی کرگھے کی ایک خرابی یہ تھی کہ تانے کو ہموار کرنے کے لئے جب اُسے کرگھے کے تیر[1] سے کھولا جاتا تھا تو کام کو بار بار بند کرنا پڑتا تھا۔ اس مشکل پہ اس طرح قابو حاصل کیا گیا کہ ریڈکلف اور راس نے ایک ایسے پرزے کو پیٹنٹ کرایا جو تانے کو تیر[1] پر لپٹنے سے پہلے ہموار کر دیتا تھا۔ لیکن دراصل یہ اُن کے ایک ملازم ولیم جانسن کی ایجاد تھی۔ ۱۸۰۳ء اور ۱۸۱۳ء کے درمیان اسٹاک پورٹ کے ہورکس نے پوری دھات سے بنی ہوئی ایک اچھی

[1] Beam

کارگزار مشین تیار کی اور اس کی وجہ سے قوت کے کرگھے نے اپنی موجودہ صورت اختیار کرلی۔ اس ایجاد سے خود ہورکس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ لیکن رابرٹس اور شارپ نے اس کے خیالات کو ترقی دی اور ۱۸۲۲ء میں ایک ترقی یافتہ نمونہ بازار میں آیا۔ یہ پہلی مشین تھی جو واقعی ہاتھ کی صنعت کا مقابلہ کامیابی سے کرسکتی تھی۔ یہی اسکی بڑی اہمیت ہے۔ لیکن قوت کا کرگھا اپنی موجودہ شکل کے قریب قریب ۱۸۴۱ء کے بعد پہنچا جب بلیک برن کے کین وردی اور بلو نے ایک ایسا کرگھا ایجاد کیا جس میں خودبخود کام کرنے والی شکنجی، رکنے اور کام شروع کرنے کی حرکت پائی جاتی تھی۔[۱] اس کرگھے نے بننے کی محنت کو بہت کم کردیا اور اعلیٰ درجے کے کپڑے کا بڑی مقدار میں تیار ہونا ممکن ہوگیا۔

۱۰۔ چھپائی اور رنگائی

۱۷۸۰ء اور ۱۸۰۰ء کے درمیان روئی کی صنعت کی تکمیلی شعبوں میں بڑی اصلاحیں کی گئیں ۱۷۸۳ء تک چھپائی ہاتھ سے چھاپ کر کی جاتی رہی۔ یہ کام بہت مہنگا اور محنت طلب تھا۔ ۱۷۸۳ء میں ٹامس بیل نے ایک گھومنے والے شکنجے میں لگے ہوئے، تانبے کے استوانوں کو جاری کیا اور محنت بچانے والی یہ ایجاد جلد ہی تمام لنکاشائر میں استعمال کی جانے لگی۔ اس سے بھی زیادہ اہم چیز، رنگ اڑانے کے کام میں کیمیا کا استعمال تھا۔ کیونکہ برتھولٹ نے کلورین کی رنگ اڑانے کی جو خاصیت دریافت کی تھی اسے گلاسگو کے ٹینٹ نے ۱۷۹۹ء میں تجارتی حیثیت سے استعمال کیا اور اب بھٹیوں کا کام دنوں میں ہونے لگا۔

دراصل یہی دریافت تھی جس نے روئی کی صنعت کی ابتدائی منزلوں کو ۱۸۰۰ء کے بعد اتنی تیزی سے وسیع ہونے کا موقع دیا کیونکہ اس طریقے کو بعد میں مانچسٹر کے ٹامس ہنری نے اور ترقی دی۔ اسی زمانے میں، مانچسٹر کا ایک اور شخص ٹیلر، قرمزی رنگ کے تیار کرنے میں کامیاب ہوگیا اور اس لئے جلد ہی ہندوستانی چھپائی کا مقابلہ کرنا شروع کردیا۔ کتان اور سوت کے لئے گلنار، سبز اور پیلے رنگ بھی استعمال کئے

[۱] Self-Acting Temple, Stop and Taking-Up Motion.

جانے لگے۔

۱۱۔ بعد کی ترقی

۱۸۲۰ء تک لنکا شائر کی صنعت میں خانگی نظام اور ابتدائی اوزاروں کا استعمال جاری رہا اور یہی چیز ہے جس کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ صنعتی انقلاب کی ترقی پارچہ بافی کی صنعت میں بھی آہستہ آہستہ ہوئی ۱۸۴۴ء میں، لکڑی کی بہت سی جینیوں کو لنکا شائر کی گرنیوں میں ہاتھ سے چلایا جاتا تھا کیونکہ خود بخود چلنے والے دھات کے میول صرف ترقی یافتہ فیکٹریوں ہی میں استعمال کیے جاتے تھے۔ رابرٹس کا خود بخود کام کرنے والا میول (۱۸۲۵ء) جس کی اصلاح بعد میں ۱۸۳۰ء میں کی گئی، انیسویں صدی کے نصف اول میں روئی کی صنعت کی نہایت اہم ایجاد تھی اور بعض لحاظ سے کرامپٹن کی ایجاد سے بھی بڑھی ہوئی تھی کیونکہ اس کا کام بالکل خود بخود ہوتا تھا۔ دراصل ۱۸۳۰ء کا ترقی یافتہ نمونہ ہی وہ چیز تھی جس نے کتائی کو حقیقتہً ایک دخانی قوت کا کام بنا دیا۔

۱۸۳۰ء سے ترقی عہد آفریں ایجادوں کی بجائے زیادہ تر تدریجی اصلاح کی صورت میں ہوتی رہی ہے مگر اس میں شک نہیں ترقی ہوئی ضرور۔ امریکہ کی خانہ جنگی کے دوران میں (۱۸۶۱ء تا ۱۸۶۵ء) خام روئی کی قیمت میں جو بہت بڑا اضافہ ہوا اس نے ترقی یافتہ مشین، خصوصاً نئے اور مشکل ریشوں کی کتائی کرنے والی مشین کو رواج دینے میں بہت مدد دی۔ چنانچہ "رنگ اسپننگ" کا نظام جس کی وجہ سے تکلوں کے لئے ناقابل یقین تیز رفتار کے ساتھ گھومنے کا امکان پیدا ہوا، عام طور پر اختیار کر لیا گیا۔ اسی زمانے میں اور دوسری ایجادیں جو عام طور پر استعمال کی جانے لگیں وہ بانے کو روکنے والی حرکت، دوہرا کام کرنے والا جے کارڈ کا کرگھا۔ ہائیلمن کی روئی کو تومنے والی مشین تھی جو خود بخود ان لانبے ریشوں کو جو باریک کتائی کے لئے ضروری ہیں، علٰحدہ کر دیتی تھی ۱۹۰۵ء میں بجلی کی کتائی کی پہلی گرنی مانچسٹر کے قریب ہنڈل بری میں کھولی گئی اور اس مثال کی دوسری جگہ بھی پیروی کی گئی۔ یہ صنعت ابھی تک ترقی کر رہی ہے اگرچہ مشرقی بازاروں میں بے چینی ہونے اور جاپان کے نئے مقابلے کی وجہ سے اس میں عارضی کساد بازاری پائی جاتی ہے۔

۱۲۔ اُون

اُون کی صنعت میں ایجادوں کی ترقی آہستہ آہستہ ہوئی لیکن

روئی کی صنعت میں جن اصلاحوں سے فایدہ اٹھایا گیا انھیں ہر لحکدار اور ریشہ نما چیز پر استعمال کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے اُون کی صنعت میں بھی رفتہ رفتہ مشینوں کی صنعت جاری ہوگئی خصوصاً ویسٹ راڈ نگ میں جہاں پانی کی قوت اور کوئلہ موجود تھا۔

روئی کے مقابلے میں اُون کی صنعت میں، ترقی کی رفتار کے سست ہونے کے کئی وجوہ تھے۔ اول تو اُون کی صنعت بہت زیادہ منتشر تھی اس لئے فنی اصلاحیں بہت آہستہ ہی آہستہ پھیل سکیں۔ واقعہ یہ ہے کہ تکے کی ڈھر کی نال سامرسٹ اور ولٹ شائر کے گاؤں میں ایجاد کے ستر سال بعد تک رایج نہیں ہوسکی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ بننے والے مزدور، روئی کے علاقے کے مقابلے میں، اُون کے علاقے میں بہت زیادہ تھے خصوصاً پولیانی جنگوں کے فوراً بعد۔ لیکن اس سے بھی زیادہ بنیادی وجہ یہ تھی کہ خام اُون کی رسد بڑھانا مشکل تھا۔ کپاس کے پودے کے مزروعہ علاقے کو چند سال کے اندر غیر محدود طور پر وسعت دی جاسکتی تھی لیکن اُون کا معاملہ بالکل مختلف تھا۔ اس لئے جب تک آسٹریلیا سے بڑی رسد آنا شروع نہیں ہوئی اسوقت تک فیکٹری کا نظام اُون کی صنعت میں مضبوطی کے ساتھ جڑ نہ پکڑ سکا۔

ان کے علاوہ ایک اور سبب بھی تھا جس کی نوعیت مختلف تھی۔ روئی کی صنعت نسبتہً ایک نئی صنعت تھی۔ لیکن اُون کی صنعت کی ترقی میں، قرنوں کی گھریلو صنعت کی روایات مزاحم ہوتی تھیں جس کی وجہ سے اس کے مزدور، فیکٹری میں داخل ہونے سے گھبراتے تھے۔ دستی کرگھوں پر بننے والے، پابین اور آزاد لوگ تھے اور انھیں فیکٹری کی حدود میں داخل ہونے کے لیے اس وقت تک مجبور کرنا مشکل کام تھا جب تک کہ ۱۸۳۰ء میں، قوت کے کرگھے میں ایسی اصلاحیں نہیں ہوئیں جنھوں نے دستی کرگھے کو کھیتوں سے نکال باہر کیا۔ آخری وجہ یہ تھی کہ سیکھے ہوئے ہوشیار مشین ساز موجود نہیں تھے اس لئے قابل اعتبار مشینوں کا دستیاب ہونا مشکل تھا اور غالباً اسی وجہ سے خود لنکا شائر میں ۱۸۳۰ء تک بالکل ابتدائی اوزار استعمال ہوتے رہے۔

یارک شائر میں کتائی کی جینی ۱۷۸۵ء تک عام استعمال میں نہیں آئی حالانکہ اس زمانے میں لنکا شائر میں اس کی جگہ میول اور آبی فریم استعمال کئے جانے لگے تھے۔ انگلستان کے جنوب مغربی اُون پیدا کرنے والے اضلاع میں گھریلو کام کرنے والوں کو

اس کی اتنی زبردست مخالفت کی کہ اُسے ۱۷۹۰ء تک عام طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ صنعتی سرمایہ داری کی ترقی میں جینی سے کوئی مدد نہیں ملی۔ یہ محنت کے بجائے استعمال ہونے والی مشین نہیں تھی بلکہ محض اوزار کی حیثیت رکھتی تھی جو کسی قدر زیادہ کارگزار تھی۔ اس لئے مغربی یارک شائر میں جہاں کتائی کے چھوٹے چھوٹے کارخانہ دار ہر گاؤں میں ملتے تھے اس کو اچھی خاصی مقبولیت حاصل تھی۔

۱۳۔ بنجامین گوٹ

یارک شائر میں کتائی کرنے والا پہلا شخص جس نے بڑے پیمانے پر قوت محرکہ کا استعمال کیا وہ بی۔ گوٹ تھا جس نے ۱۸۰۰ء سے کچھ پہلے بولٹن اور واٹ کے انجن لگائے۔ اس نے کیمیاوی انگریزی کے بھی بہت سے تجربے کئے اور وہ لیڈز کی موجودہ صنعت کے بانیوں میں سے ہے۔ فسترؔ بروک اور ہرسٹؔ دوسرے لوگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے لیڈزؔ کے ضلع میں قوت محرکہ سے کتائی کا کام شروع کیا۔ اور ہرسٹؔ کا تو یہ دعوٰے ہے کہ کاتنے والوں میں سب سے پہلے اُس نے اُون کی صنعت میں میول کو استعمال کیا۔

۱۸۱۰ء تک یارک شائر کے بہت سے صناع کتائی کے لئے میولؔ اور بنائی کے لئے ڈھر کی نال کو استعمال کرنے لگے تھے۔ لیکن ترقی کی رفتار سست تھی یہاں تک کہ اب سے کچھ دن پہلے یعنی ۱۸۵۰ء تک تافتے کو چھوڑ کر معمولی اون کا دھاگا زیادہ تر ہاتھ ہی کا کتا ہوا ہوتا تھا۔ اُون کی صنعت کی اس شاخ میں ۱۸۵۰ء تک قوت محرکہ سے چلنے والی مشینیں زیادہ تر دھنکنے کے لئے استعمال کی جاتی تھیں۔

۱۴۔ تافتے[1] کی صنعت

ابتدا میں اُون اور تافتے کی صنعتیں علٰحدہ علٰحدہ تھیں اول الذکر میں چھوٹے ریشہ اور موخر الذکر میں لانبے ریشے کی اُون استعمال کی جاتی تھی اب تافتے کی صنعت میں ہر لمبائی کی اُون کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اب اس کی جگہ دوسرا فرق یہ کیا جانے لگا ہے کہ ایسا تافتہ جس کے ریشے سیدھے ہوتے ہیں اور جس کے بلوں کو کنگھی سے کھول کر متوازی کیا جاسکتا ہے اور جنھیں حسب دستور بنا جاسکتا ہے اور ایسے اونی ریشے جو بل کھائے ہوئے

[1] Worsteds

ہوتے ہیں اور جنھیں گرم اور گیلا کر کے اور کوٹ کر نمدے کی صورت دی جاتی ہے۔

[illegible] کی صنعت میں رکاوٹ یہ تھی کہ اُس کے ریشے (خصوصاً نوآبادیوں کے اُون کے) [illegible] کھلنے کے بعد متوازی نہیں رہتے تھے۔ انگلستان کی اُون پر تو ایک حد تک مشین سے کام کیا جاسکتا تھا لیکن غیر ملکی اُون کے لئے ہاتھ سے تومنے کی ضرورت تھی جس پر لاگت بہت آتی تھی اور جس کی وجہ سے کارخانہ دار تومنے والوں کے جو خوب منظم تھے رحم و کرم پر رہتے تھے۔

اس صورت حال کو سب سے پہلے کارٹ رائٹ کی ایجاد نے دور کیا جسے ۱۸۲۵ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان عام طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ کارٹ رائٹ نے دو طریقوں کو آزمایا، ایک عمودی اور دوسرے افقی مدور۔ اول الذکر غیر ملکی صناعوں کے ہاتھ میں پہنچ گیا لیکن موخرالذکر کو انگلستان میں لیسٹر اور دوسرے لوگوں نے ترقی دی۔

۵۔ سیموئل لسٹر اور ٹائٹس سالٹ

سیموئل کنلف لسٹر نے جو بعد میں لارڈ میشم کہلایا، اپنی بہت سی ایجادوں میں سے دو تین سے بہت روپیہ کمایا۔ اس نے ۱۸۵۱ء کے لگ بھگ مشین سے تومنے کے کام کو کامیاب بنایا اور اس طرح آہستہ آہستہ اس نے تومنے کی صنعت پر پورا اقتدار حاصل کر لیا۔ اُس کے [illegible] یہ مرتبہ سر اسحٰق ہولڈن کو حاصل ہوا۔ اس کا طریقہ تمام لانبی اُون کے لئے موزوں تھا خواہ وہ ایشیائے کوچک کے انگورا اینڈمے کی مو ہیر ہو، خواہ پیرو کے بھیڑ جیسے جانور الپاکا کی۔ اس ایجاد کے بعد ہولڈن کے طریقے کو رواج ہوا جو چھوٹی اور اعلیٰ قسم کی اُون کے لئے موزوں تھا۔ ان دونوں طریقوں کی جگہ بعد میں نوبل کی کنگھی نے لے لی جسے لسٹر کے ایک مشین ساز نے ایجاد کیا تھا اور جو ہر لمبائی اور ہر قسم کے اُون کے لئے استعمال کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ اون اور تلخنے میں پرانے مفہوم کے مطابق جو فرق تھا وہ دور ہو گیا۔

تمانی یا [illegible] نکالنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ لانبے ریشوں کو صرف متوازی شکل یعنی "لچھے"[1] کی شکل میں حاصل کیا جائے اور چھوٹے اور اُلجھے ہوئے ریشوں "[2] کو نکال دیا جائے۔ اول الذکر کو تلخنے کے کپڑے کے لیے استعمال کیا جاسکتا تھا اور موخرالذکر کو نمدے کے لیے "لچھے" سے خوشنما کپڑا تیار ہوتا تھا

---

[1] Top [2] Noils

اور "الجھے ہوئے ریشے" سے پائیدار کپڑا۔

لسٹر کا بڑا حریف سر ٹائٹس سالٹ تھا۔ ۱۸۳۶ء میں، لورپول میں کچھ موٹی اُون، اس خیال سے کہ اس سے کام لینے میں بہت محنت اور خرچ پڑے گا گودام میں ڈال دی گئی تھی۔ سالٹ کو اس کی خبر لگی اور اس نے اسے سستی قیمت پر خرید لیا۔ اس نے صبر کے ساتھ مکمل طریقے پر اپنے تجربوں کو جاری رکھا اور یہ دکھلا دیا کہ اس سے بہت اچھی طرح کام لیا جا سکتا ہے چنانچہ اس نے اُون کی ایک نئی صنعت کی بنا رکھی جس کا مرکز بریڈفورڈ تھا اور اب بھی ہے۔

۱۸۵۲ء میں جب وہ کاروبار سے دستکش ہونے کا تقریباً فیصلہ کر چکا تھا اس نے ایک بہترین نمونے کا صنعتی شہر آباد کیا جس کا نام سالٹیو تھا اور جو الپاکا کی صنعت کے لئے وقف تھا۔ اس نے ایک نمونے کا کارخانہ بھی قایم کیا اور اپنے مزدوروں کے معاملات سے ایسی دلچسپی لی جس کی کوئی مثال سننے میں نہیں آئی تھی۔ انیسویں صدی کی معاشری تاریخ میں اس کا مرتبہ بلند ہے۔ الپاکا کی جدت کچھ دن کے بعد جاتی رہی صناعوں نے موہیر کو جو اُس سے ملتا جلتا مال تھا چلایا اور اُون کی ایک اور صنعت قایم کی موہیر کا کام بیشتر اُسی علاقے اور اُسی گرنی میں ہوتا تھا جس میں الپاکا کی بنائی کا کام کیا جاتا تھا۔

سوت کی صنعت کی طرح، اُون کی صنعت میں بھی کتائی کے مقابلے میں بنائی نے فیکٹری کی شکل بہت سست رفتار کے ساتھ اختیار کی ۱۸۴۱ء تک اُون بُننے والوں کی بہت بڑی تعداد فیکٹری کے باہر کام کیا کرتی تھی حتیٰ کہ ۱۸۵۰ء تک قوت محرکہ سے چلنے والے کرگھوں کی تعداد سوت کی صنعت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔

۱۶۔ کتان

پارچہ بافی کی صنعت میں کتان کے کپڑے کی شاخ کو انگلستان میں کبھی بھی اتنی اہمیت حاصل نہیں ہوئی جتنی اسکاٹ لینڈ اور ائرلینڈ میں تھی جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اِن ملکوں کو سن کے بُونے میں بہتر سہولتیں حاصل تھیں۔

کتان کو بُننے والی پہلی مشین ۱۷۸۷ء کے قریب ڈارلنگٹن کے رکن ڈریو اور پوتھس نے ایجاد کی۔ لیڈز کے جان مارشل نے اس میں کئی اصلاحیں کیں لیکن اسکی مشین صرف موٹے دھاگے کے لئے موزوں تھی۔ ۱۸۲۶ء تک مشین کے استعمال میں ریشوں

کے لیس دار ہونے کی وجہ سے دشواری رہی۔ اس مشکل کو سُتے کے طریقے پر سن کو تیار کرکے دور کیا گیا جس کے رواج نے ۱۸۴۰ء میں دستی کتائی کو تقریباً بالکل فنا کردیا۔ قوت محرکہ کے ذریعے کتان کی بنائی ۱۸۲۰ء تک شروع نہیں کی جاسکی لیکن ۱۸۶۷ء میں بھی گو دستی کرگھے تیزی سے غائب ہو رہے تھے مگر پھر بھی ڈنڈی اور ڈن فرم لین میں استعمال کئے جاتے تھے۔

۱۷۔ موزے بنیان اور فیتے

لیسٹر، ناٹنگھم اور ڈربی کی موزے بنیان اور فیتے کی صنعتوں میں انیسویں صدی کے وسط تک کاریگر لوگ کسی کارگاہ کے اندر مجتمع نہیں ہوئے بلکہ کارخانے کے باہر ہی کام کرتے رہے۔ ۱۵۸۹ء میں پہلی مرتبہ، ولیم لی کے بُنائی کے فریم کی وجہ سے اڈے کی بنائی کا کام شروع کیا جاسکا۔ یہ فریم یا اڈا ایک دستی مشین تھی لیکن اتنی گران تھی کہ بہت سے کاریگر اسے خرید نہ سکتے تھے۔ اس لئے صناعوں سے کرائے پر لیتے تھے اور انھیں اس کا کرایہ ادا کرتے تھے۔ ۱۷۵۸ء میں اسٹرٹ نے اس کے اندر ایک اور پرزہ لگا دیا جس سے موزوں میں ابھری ہوئی لکیریں ڈالی جاسکتی تھیں اور کچھ سال بعد اس اڈے میں کچھ اور ترمیمیں کی گئیں جس سے مشین کے ذریعے لیس (فیتے) کو آسانی سے تیار کیا جانے لگا۔ آجر خام مال کا مالک ہوتا تھا اور وہ فریم کا حد سے زیادہ کرایہ وصول کرتا تھا۔ چنانچہ لڈائیٹ کے فسادات کا ایک خاص سبب یہ چیز بھی تھی۔ ۱۸۵۰ء کے بعد، موزے بنیان اور فیتوں کی صنعت پر مشین کا اثر محسوس ہونے لگا۔ اور ۱۸۶۱ء کے فیکٹری ایکٹ میں، لیس (فیتے) کی صنعت کو بھی شامل کرلیا گیا۔ موزوں کے اڈے کو چلانے کے لئے بھاپ کی قوت کا استعمال ۱۸۸۰ء تک کیا جانے لگا تھا ۱۸۷۰ء تک ترقی کی رفتار سست ہی رہی۔

۱۸۔ پارچہ بافی کی صنعتوں کا مقامی اجتماع

۱۸۵۰ء تک پارچہ بافی کی صنعتیں، خاص خاص علاقوں میں مجتمع ہوگئی تھیں۔ روئی کی صنعت میں کام کرنے والے ۹۰ فی صد لوگ اس علاقے میں رہتے تھے جو جنوبی لنکا شائر، شمال مشرقی چیشائر اور یارک شائر کے انتہائی مغرب پر مشتمل تھا۔ اسکاٹ لینڈ میں روئی کی دو تہائی صنعت، لنارک کے اردگرد مجتمع ہوگئی۔ اونی صنعت

زیادہ منتشر تھی لیکن تافتے کی فیکٹری کی صنعت مکمل طور مغربی یارک شائر کی ایرتی کی وادی میں مجتمع تھی۔

اسی طرح موزے بنیان کی صنعت جو ابتداءً لندن کے گرد مجتمع تھی، بعد میں لیسٹر شائر اور ناٹنگھم شائر میں محصور ہو گئی تھی۔ صنعت کے اس مقامی اجتماع کے وجوہ ایک حد تک صاف ہیں۔ موزے بنیان کی صنعت، اپنے کچے مال کے ذرائع کی جانب کھنچ کر پہنچی یعنی یارک شائر کے تافتے، لنکا شائر کے سوت اور مانچسٹر اور ڈربی کے ریشم کی طرف۔ لنکا شائر اور لینارک کی موسمی خصوصیات اور لورپول اور گلاسگو کی اُن سہولتوں نے جو انھیں امریکا کی خام روئی کو درآمد کرنے کے سلسلے میں حاصل تھیں، ان مقامات کو روئی کی صنعت کے لئے قدرتی طور پر موزوں بنا دیا۔ مغربی رائڈنگ کی وادیوں کو، انگریزی اُون کے خاص ذرائع تک آسانی سے پہنچنے کا موقع حاصل تھا اور ہل کے راستے سے یہاں آسٹریلیا کے کچے مال کو بھی فوراً درآمد کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ان تمام علاقوں میں کوئلے کی بھی وافر رسد موجود تھی۔

لیکن تخصیص کار نے، پارچہ بافی کی صنعت میں، مقامی اجتماع کی حد سے بہت آگے ترقی کر لی ہے۔ مثلاً لیسٹر شائر نے اُون اور ناٹنگھم نے سوت کے موزے بنیان میں تخصیص پیدا کر لی ہے۔ ہیلی فیکس، بریڈ فورڈ اور ہڈرزفیلڈ اب صرف تافتے کا کام کرتے ہیں، لیڈز صرف اُون کا اور ڈیوزبری اور باٹلے کے اضلاع پھٹے پرانے کپڑوں سے نکلے ہوئے اُون یا سوت کا۔ لنکا شائر کی روئی کی صنعت میں کتائی کا کام دو نمایاں طور پر مختلف نمونوں میں مخصوص ہو گیا ہے۔ بولٹن اور مانچسٹر میں صرف باریک سوت کاتا جاتا ہے اور اولڈھم اور ایشٹن میں صرف موٹا سوت۔ بُنائی کا کام خاص طور پر بلیک برن اور پریسٹن کے گرد کیا جاتا ہے۔

اس انتہائی تخصیص کار کے اسباب معلوم کرنا آسان نہیں ہے۔ اس بات کے فرض کرنے کی وجہ موجود نہیں ہے کہ یہ من مانی یا شعوری قوتوں کا نتیجہ ہے۔ اس کی اغلب توجیہہ اتفاقی حالات ہی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

اگرچہ ۱۸۰۰ء تک پارچہ بافی کی تمام شاخوں میں، بہت بڑے پیمانے کے کاروبار کی بھی چند مثالیں ملتی تھیں لیکن غلبہ چھوٹی خانگی شراکت ہی کو حاصل تھا۔

یارکشائر کی اون کی صنعت میں ۱۸۵۰ء سے پہلے تنظیم کی عام شکل خانگی کمپنی کی گرانی تھی، کپڑے کا کاروبار کرنے والے کئی آدمی تھوڑا تھوڑا سرمایہ ادا کرکے کاروبار میں شریک ہو جاتے تھے کارخانے رہن پر تعمیر کرتے تھے، ضروری شین اودھار پر حاصل کرلیتے تھے اور تنخواہ دار منیجر کے ذمے کام سپرد کر دیتے تھے۔ لیکن چونکہ اس بے ضابطہ مشترکہ سرمایے کے کاروبار کو کوئی قانونی تحفظ حاصل نہ تھا اس لئے دھوکہ بازی بہت عام تھی۔ ۱۸۲۵ء کے بعد تک، شراکت نامے کی دستاویزوں کا استعمال عام طور پر نہیں کیا جاتا تھا۔

اون کے مقابلے میں کتان اور ریشم کے کارخانے عموماً زیادہ بڑے پیمانے پر ہوتے تھے خاص کر وہ جو سستے ریشم اور آئرلینڈ پاپلین بنانے کا کام کرتے تھے۔ مشین کے حاصل کرنے میں، ابتدا میں، جن مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا، انھوں نے مجبوراً روئی کی صنعت اور پارچہ بانی کی شین کی صنعت میں ایک گہرا اتحاد قایم کرا دیا۔ لنکاشائر کی سوت کی صنعت میں آج جو سب سے بڑے کارخانے پائے جاتے ہیں ان میں سے کچھ کو ابتداءً پارچہ بانی کی مشینیں بنانے والوں ہی نے قایم کیا تھا۔

۱۸۵۰ء کے بعد پارچہ بانی، خصوصاً سوت کی کتائی اور نافتے کی شاخوں میں کاروبار کی اکائی کا پیمانہ تیزی سے بڑھنے لگا۔ محدود ذمہ داری کے قانون کی منظوری نے پارچہ بانی کی شراکتوں کی نوعیت کو بہت آہستہ آہستہ بدلا۔ اون کی صنعت میں ۱۸۸۰ء تک، خاندانی کاروبار یا شراکت کے ایسے کاروبار جن میں تمام حصہ داروں کی ذمہ داری غیر محدود ہوتی ہے عام طور پر جاری رہے۔ بریڈفورڈ میں ۱۸۸۹ء تک لسٹر کی مینگھم کی گرنیوں کی حیثیت ایک خانگی کاروبار ہی کی رہی۔ اولڈھم کے گرد، سوت کی کتائی کا جو علاقہ تھا، اس میں مشترک سرمایہ دار محدود ذمہ داری رکھنے والے کاروبار کو سب سے زیادہ ترقی ہوئی اور اسی کے نتیجے کے طور پر کاروبار کے چھوٹی اکائیاں، انضمام کی طرف بھی خوب مایل رہیں۔ محدود ذمہ داری کے اصول کے تحت سرمایہ نئے حلقوں سے اکٹھا کیا جانے لگا یعنی تھوڑی تھوڑی مقداریں چھوٹے سرمایہ لگانے والوں سے۔ اور اس سے

ملک کی مالیاتی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

انیسویں صدی میں روئی کے دلالوں کو بھی عروج حاصل ہوا۔ اور سمندر پار تار برقی لگ جانے کی وجہ سے، خام روئی کے تقسیم کرنے کے لئے ایک باضابطہ بازار پیدا ہوگیا۔ لورپول کے کپاس کے دلالوں کی انجمن نے خام مال کی رسد کا باقاعدہ انتظام شروع کردیا اور پیشگی سودوں کی وجہ سے عدم تیقن کی وہ کیفیت جو صنعت کے اس پہلو میں پائی جاتی تھی دور ہوگئی۔

۱۹۔ مٹی کے برتن کی صنعت میں انقلاب

دھات اور پارچہ بافی کی صنعت کے علاوہ، صنعتی انقلاب نے مٹی کے برتن کی صنعت کی بھی کایا پلٹ دی جن صنعتوں کو بڑی مقدار میں سستا مال تیار کرنے کے لئے بتدریج از سر نو تنظیم دی گئی تھی ان سب نے افراد کو آرام پہنچانے میں نہایت اہم حصہ لیا۔ سستے سوتی کپڑے کے بازار میں آنے اور غریب گھرانوں میں مٹی کے برتن پہنچنے کی جو اہمیت ہے اس پر جتنا بھی زور دیا جائے وہ کم ہے۔ اٹھارہویں صدی کی ابتدا میں، مٹی کے برتن کی صنعت، بعض قدرتی سہولتوں کی وجہ سے اسٹیفورڈ شائر کے ایک چھوٹے سے علاقے میں مجتمع رہی۔ برسلم، ٹن سٹال، ہانلے سٹوک اور لائگٹن کے گرد جو "پانچ شہر" کے نام سے ساری دنیا میں مشہور ہیں کوئلہ لکڑی اور مناسب چکنی مٹی کی کافی رسد موجود تھی۔ پالش کے لئے نمک اور سیسہ بھی پاس ہی ملتا تھا۔

نارمنوں کی فتح سے لیکر اٹھارویں صدی تک، انگلستان کے مٹی کے برتن کی صنعت میں بہت کم تبدیلی ہوئی تھی۔ اس صنعت کی تنظیم بہت ابتدائی قسم کی تھی چکنی مٹی کو ایک بڑے کھلے ہوئے برتن میں ملایا اور گوندھا جاتا تھا اور کمھار کے چاک کے ذریعے اُسے مطلوبہ شکل دی جاتی تھی۔ پھر اس پر روغن کے سامان کی ایک تہ جما کر ایک بھونڈی سی بھٹی میں پکالنے کے لئے رکھ دیا جاتا تھا۔

جیسا پارچہ بافی کی صنعت میں ہوا تھا، مٹی کے برتن کی صنعت میں اسطرح مسلسل عہد آفریں ایجادوں کی وجہ سے کوئی انقلابی تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ یہاں صنعت کے طریقوں میں تدریجی اصلاحیں ہوتی رہیں۔ جب مٹی کے برتن پر روغن

نہیں کیا جاتا وہ مسام دار ہوتا ہے۔ اٹھارویں صدی کے وسط تک روغن کے جو طریقے رائج تھے ان سے پن روک[1] برتن نہ بن سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انگلستان کے بنے ہوئے برتنوں کو لوگ کم استعمال کرتے تھے۔ لندن میں "عہد شاہی"[2] کے بعد، چائے اور قہوے کا جو رواج ہوا، اس نے پینے کے برتنوں کے لئے ایک نئی طلب پیدا کر دی۔ اور اس کو یورپ کے کمہار جن کے روغن کے طریقے اسٹیفورڈ شائر سے بہت بہتر تھے، پورا کیا کرتے تھے۔ ابتدائی اصلاحیں ہالینڈ کے ایک باشندے جان ڈوئٹ نے کیں جس نے ۱۶۷۱ء میں لندن سے باہر۔ فلہم میں، ایک پتھر کے برتن کا کارخانہ قایم کیا اور کوتوان جیسے برتن بنائے۔ کہا یہ جاتا تھا کہ نمک سے روغن کرنے کا طریقہ اسی نے جرمنی سے لاکر انگلستان میں رائج کیا۔

سترھویں صدی کے آخری حصے ہی میں مکھن کے ان برتنوں کے بنانے کے لئے جن میں شمالی علاقے کا مکھن لندن کو روانہ کیا جاتا تھا، اسٹیفورڈ شائر مشہور ہو گیا تھا بلکہ برسلم کے مرتبان تو تمام انگلستان میں فروخت ہوتے تھے۔ ۱۶۹۰ء کے لگ بھگ دو بھائی مسمے ایلر برادران، برسلم میں آکر بس گئے۔ یہ اصل کے اعتبار سے ڈچ تھے اور ولیم آف آرینج کے ساتھ آئے تھے۔ غالباً ڈوئٹ کے مشورے سے جسے برسلم کے قدرتی ذخیروں کا پتہ تھا۔ یہ لوگ برسلم پہنچے۔ ایلر برادران نے منبت کاری کے لئے دھات کے ٹھپے کا استعمال کر کے، نئے اور نازک قسم کے برتن بنائے اور انھوں نے نمک سے روغن کرنے کے طریقے کو اسٹیفورڈ شائر میں رائج کیا۔

ایلر برادران کے پاس ان نئے طریقوں کا اجارہ زیادہ دن تک نہیں رہا۔ ایسٹ بری اور ٹوئی فورڈ نام کے دو کمہاروں نے ضعیف العقلی کا بہانہ کر کے ان کے یہاں ملازمت کی اور ان کے نازک برتنوں کے راز کو

---

[1] Water-Tight

[2] Restoration

معلوم کر لیا۔ ایسٹ بری کا کام بلاشبہ ایلر برادران کے کام سے بہتر تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چائے دانی کی صنعت کو اس لئے بہت ترقی دی اور ہر تاریخی واقعے کی یادگار پر ایک نیا نمونہ بنایا۔ ٹامس واٹل ڈن نے بھی جو ۱۷۴۰ء کے لگ بھگ کام کیا کرتا تھا، مٹی کے برتنوں کے مشہور نمونوں کو ایجاد کیا اس کے خوش نما نقش و نگار جو پھوسے کے خول کے نمونے پر بنائے جاتے تھے اور اننناس، بند گوبھی، اور خربوزے کی شکل کے برتن، جن پر نفیس سبز روغن کیا جاتا تھا، خوب مشہور ہوئے۔ ویجوڈ کے زمانے سے پہلے، اسٹیفورڈ شائر کے برتنوں کو انتہائی عروج اس وقت ہوا جب پتھر کے برتنوں پر نمک کا روغن کیا جانے لگا اور اس روغن پر نقش و نگار بنائے جانے لگے۔ تمام چینی کا رواج ان دو نقاشوں کی وجہ سے ہوا جو ہالینڈ اور بلجیم سے آئے تھے اور جنھوں نے اپنا کام برسلم کے قریب شروع کیا تھا۔ اس طرح کے برتنوں میں جو خوش نما چینی مناظر پائے جاتے ہیں وہ انھی دنوں کے بنائے ہوئے ہیں۔

اٹھارویں صدی کے نصف اول میں، حسب ذیل نہایت اہم فنی اصلاحیں کی گئیں:۔ روغن کو سفید کرنے کے لئے مکلس[۱] چقماق کا استعمال (جسے اسٹیفورڈ شائر میں ایسٹ بری نے شروع کیا اگرچہ ۱۶۹۸ء میں ڈووٹ اسے لندن میں استعمال کر چکا تھا) پلاسٹر آف پیرس کے سانچوں کا رواج اور پگھلے ہوئے سیسے کو بطور روغن استعمال کرنے کا طریقہ۔ بدقسمتی سے یہ اصلاحیں انسانوں کو زبردست مصیبت میں مبتلا کر کے کی گئیں۔ مکلس چقماق کے استعمال کی وجہ سے تپ دق اور سینے کے دوسرے امراض، دبانے والوں، خراد نے والوں اور سانچے کے چلانے والوں میں بالکل عام ہو گئے اور انیسویں صدی کے ایک بڑے حصے میں قولنج اور فالج کی بیماریاں، سیسے کے روغن کے زہر کی وجہ سے مٹی کے برتن کے کارخانوں پر مسلط رہیں۔

پیدائش کے ترقی یافتہ اور سستے طریقوں نے، ایک وسیع بازار کے لئے سازگار حالات پیدا کر دیئے تھے۔ لیکن ۱۷۶۰ء تک اسٹیفورڈ شائر اور باہر کی دنیا

[۱] Calcined

کے مابین نہایت خراب وسائل آمد و رفت ہونے کی وجہ سے تجارت کی ترقی میں دشواری ہوتی رہی۔

۲۰۔ جوشیا ویج وڈ

جوشیا ویج وڈ ہی وہ شخص تھا جس نے ان مشکلوں پر قابو پایا اور مٹی کے برتن کے کارخانوں کو تمام دنیا میں مشہور کیا۔ یہ ۱۷۳۰ء میں برسلم میں پیدا ہوا اور خاندانی کمہار تھا۔ اس کے پردادا کا باپ گلبرٹ ویج وڈ سترھویں صدی میں، برسلم میں، کاروبار کرتا تھا اس کا پردادا، دادا اور باپ بھی کمہار ہی تھے۔ جوشیا اپنے خاندان میں سب سے چھوٹا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد، وہ اپنے بھائی ٹامس کے پاس، کارآموز کی حیثیت سے کام کرنے لگا اور کمہار کے چاک پر جس سے چکنی مٹی کے برتن بنائے جاتے تھے کام سیکھنا شروع کیا۔ لیکن اس کی قسمت میں یہ کام زیادہ دن تک نہیں لکھا تھا۔ اُسے چیچک نکلی جس کی وجہ سے اس کی دائیں ٹانگ بے کار ہو گئی۔ جہاں تک مٹی کے برتن کی صنعت کا تعلق ہے یہ بات کوئی اندوہناک واقعہ نہیں سمجھی جا سکتی کیونکہ اس کی وجہ سے ویج وڈ چاک کو چھوڑنے اور آرایشی صناعی سیکھنے کے لئے مجبور ہو گیا۔ اس کی کارآموزی کا زمانہ ابھی ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے تجربے کرنا شروع کر دیئے تھے اور جب وہ اکیس سال کا ہوا تو اس نے اسٹوک کے تھیر ڈیلن کے ساتھ کاروبار شروع کر دیا ۱۷۴۵ء میں اس نے وائل ڈن کے ساتھ شرکت کر لی۔

کچھ سال بعد اس نے برسلم میں اپنا ذاتی کارخانہ کھولا اور برتن بنانے کی صنعت تخصیص کار کے اصول کو رواج دیا۔ ۱۷۶۲ء میں اس نے مشہور "ملکہ کے برتن" کو رواج دیا جس کی وجہ سے اُسے "ملکہ کے کمہار" کا خطاب ملا۔

اپنے برتنوں پر نقش و نگار ہوانے کی خاطر، اس نے سیڈلر اور لورپول کے گرین سے جنھوں نے نقل پذیر چھپائی کے طریقے کو ایجاد کیا تھا کاروباری تعلقات پیدا کئے۔ نقش و نگار کو بہتر بنانے کی طرف ویج وڈ نے خاص توجہ کی اور اس سلسلے میں جان فلیکس مین کو ڈھونڈ نکالا۔ فلیکس مین نے کچھ نمونے چائے کے برتنوں کے لئے بنائے اور بعد میں یونانی طرز کی نازک نقاشی کے لئے مشہور ہو گیا۔

ویج وڈ نے مٹی کے برتن کے کارخانوں کے درمیان سے دس میل لانبی ایک

سڑک نکالی جس پر سے گزرنے والوں سے محصول وصول کیا جاتا تھا اور ٹرینٹ اور مرسی کی نہر کے بنانے میں مدد دی۔ جب ۱۷۹۵ء میں وہ مرا تو اسے نہ صرف "ملکہ کے کمہار" کا خطاب مل چکا تھا بلکہ اُسے اسٹیفورڈ شائر کا سب سے بڑا خیر خواہ سمجھا جاتا تھا۔

۱۷۶۰ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان، مٹی کے برتن کی صنعت میں بھی پارچہ بافی اور مشین سازی کی صنعت کی طرح، مشین داخل ہو گئی۔ ویج وڈ اپنے مال کو پیسنے کے لئے قوت محرکہ کا اور حرارت کو ٹھیک ٹھیک ناپنے کے لئے آتش پیما[۱] کا استعمال کیا کرتا تھا۔ کام کے بعض اجزا کے لئے قوت محرکہ سے چلنے والی خراد کو بھی اس نے مفید مطلب بنایا۔ مگر یہ سب تبدیلیاں اضافی حیثیت رکھتی تھیں۔ کمہار کی مہارت کی ضرورت حسب سابق باقی تھی۔ اور دوسری بہت سی صنعتوں کی طرح، مشین، با مہارت دستی محنت کی جگہ، کم سے کم ۱۸۷۰ء سے پہلے نہیں لے سکی۔

۱۲۔ چینی کے برتن

انگلستان کے چینی کے برتن کی صنعت کی ابتدا ۱۷۴۴ء میں ہوئی جب مشرقی لندن کے مقام بو کے ہے لین اور فرائی نے اس کے بنانے کے لئے پیٹنٹ حاصل کیا۔ ۱۷۷۵ء میں ولیم ڈیوزبری نے بو کی فیکٹری کو خرید لیا اور کل مشین اور سانچوں کو ڈربی میں منتقل کر دیا اور یہاں اس نے بھورے رنگ کے مشہور برتنوں کو بنانا شروع کیا۔

ووسٹر کے چینی کے برتن کو ڈاکٹر جان وال نے ایجاد کیا اور اس نے ڈےوس کی شرکت میں ایک فیکٹری قایم کی اور چینی کے برتنوں کی نقل اتارنا شروع کر دی۔ اسی فیکٹری میں مشہور کندہ کار ٹامس ہین کاک بھی کام کیا کرتا تھا۔

معمولی چیزوں کے لئے، دستی نقش و نگار بہت مہنگے پڑتے تھے اس لئے اس طریقے کو سستا کرنے کی کوشش کی گئی اس سلسلے میں بڑے نام ٹرنر اور اسپوڈ کے ہیں ٹرنر اور اسپوڈ اول نے پہلے نیلی چھپائی کا ایک طریقہ ایجاد کیا اور ٹرنر کے بید کے درخت کے نمونے کو اٹھارویں صدی کے آخر میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔

اسپوڈ اول نے ۱۷۹۴ء میں انگلستان کے چینی کے برتن کی صنعت میں مکمل

۱؎ Pyrometer

ہڈیوں کو استعمال کرنا شروع کیا۔ اگرچہ (اس ایجاد کو بعض لوگ، اسپوڈ ثانی سے بھی منسوب کرتے ہیں) اُس نے اس طریقے سے ایک بالکل نئی چینی کو پیدا کیا جس میں سخت اور نرم دونوں طرح کی چینی کے فوائد موجود تھے اور جس کی وجہ سے چینی کے سستے برتن بنانا ممکن ہوگیا۔ اسپوڈ ثانی نے چینی کے بنانے میں فلسپار کو بھی شامل کرنا شروع کردیا اور اس طرح اُسے ایسا نیم شفاف بنا دیا جیسا انگلستان میں اس سے پہلے کبھی نہیں بنایا گیا تھا۔ یہ نیا مرکب ہڈی کے چینی کے برتن سے بھی بہت زیادہ سخت ہوتا تھا۔

۲۲۔ دوسری صنعتیں

بوٹ اور شوز جوتوں کی صنعت میں، مشین کی ترقی بہت آہستہ آہستہ ہوئی ریڈ ولف نے ایک مشین کا حق ایجاد حاصل کیا جو جوتے کے اوپر کے حصے میں، دو نوکی کیل کے ذریعے، تلے لگایا کرتی تھی۔ ۱۸۱۰ء میں برونل نے ایک مشین بری اور بحری فوج کے بوٹ بنانے کے لئے ایجاد کی۔ جوتے کے مختلف حصوں کو جوڑنے کے لئے مختلف لمبائی کی کیلوں کو استعمال کیا گیا۔ اور ان تین چیزوں کے علاوہ جن پر جوتے کا اوپر کا حصہ مشتمل تھا جوتے کا باقی کوئی حصہ، سی کر نہیں جوڑا جاتا تھا۔

واٹرلو کی جنگ کے بعد ان مشینوں کا استعمال ترک کر دیا گیا اور انیسویں صدی کے نصف اول میں جو مشینیں ایجاد کی گئیں ان میں سے بیشتر امریکا میں تیار ہوئیں ۱۸۵۰ء میں انگلستان میں بوٹ اور شوز کے کارخانے تو تھے لیکن ان میں نہ تو مشین کا استعمال کیا جاتا تھا نہ قوت محرکہ کا۔ ۱۸۵۰ء اور ۱۸۶۰ء کے درمیان سنگر کی مشین کو، انگلستان کے بوٹ کی صنعت میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اس میں بہت کم کامیابی ہوئی۔ ۱۸۵۸ء میں، جوتے کے اوپر کے حصوں کو جوڑنے کے لئے، جوڑنے والی مشین کو عام طور پر استعمال کیا جانے لگا اور اس کے بعد کے سالوں میں تلے لگانے والی مشینوں کو بھی امریکا سے منگایا جانے لگا۔

امریکا کی خانہ جنگی کی وجہ سے برآمد کی تجارت کی رفتار میں جو تیزی پیدا ہوئی اس سے لیسٹر کے رہنے والے کرگ کو دو نوکی کیلیں لگانے والی مشین کو ایجاد کرنے کا موقع ملا اور انگلستان میں، جوتے کے اوپر کے حصے سے تلوں کو جوڑنے کے لئے بلیک کے سیوار کا۔ استعمال شروع ہوگیا۔

تقریباً ۱۸۸۵ء تک ان مشینوں میں سے بیشتر کو پاؤں سے چلایا جاتا تھا۔ تلا کاٹنے کے سوا باقی اور کاموں میں قوت محرکہ استعمال نہ کی جاتی تھی۔ ۱۸۹۰ء کے قریب، محنت بچانے والی بہت سی ایجادوں کو امریکا سے انگلستان میں لایا گیا۔ سوراخ کرنے والی مشین، استری کرنے والی مشین، گڈایر کی مشین جس کے ذریعے مشین سے ویسا ہی اعلیٰ نمونے کا کام کیا جا سکتا تھا جیسا کہ ہاتھ سے سلے ہوئے چمڑے کی مغزی لگے ہوئے بوٹ میں پایا جاتا تھا۔

کپڑا سینے کی صنعت میں مشین کا استعمال اور فیکٹری کی تنظیم ۱۸۵۰ء کے بعد ہی جاری کی جا سکی۔ ۱۸۶۰ء کے قریب یہ صنعت، لیڈز میں مجتمع تھی اور اس کا پورا دارومدار امریکا سے درآمد کی ہوئی سینے کی مشینوں پر تھا۔ سینے کی مشین کو چلانے کے لئے ابتدا میں بھاپ کی اور بعد میں گیس کی قوت محرکہ سے کام لیا گیا اور بعد میں کپڑے کے کاٹنے کے دستی چاقو اور کاج بنانے اور بٹن سینے کی مشینیں بھی استعمال کی جانے لگیں۔

لکڑی کے کام کی صنعتوں میں ۱۸۵۰ء سے پہلے مشین کا استعمال بہت کم اور قوت محرکہ کا استعمال تقریباً بالکل نہیں کیا جاتا تھا۔ ۱۷۹۰ء میں مدور آرا ایجاد کیا گیا۔ لیکن ۱۸۲۵ء سے پہلے جب رندہ کرنے والی مشینوں کا استعمال کرنا شروع کیا گیا مدور آرے کا استعمال بہت کم ہی ہوا۔ بوٹ اور شوز کی صنعت کی طرح لکڑی کے کام کی مشینوں کا اصلی گھر انگلستان نہیں بلکہ امریکا تھا۔ ۱۸۵۴ء کے قریب، لکڑی کے پیچ کاٹنے والی مشین امریکا سے لا کر رائج کی گئی اور اس صدی کے آخر میں وہاں سے اور بھی بہت سی ایجادیں بتدریج یہاں آئی ہیں جن کی وجہ سے فرنیچر کی صنعت کا تقریباً تمام کام پورے طور پر مشین سے کیا جانے لگا۔

۲۲۔ خاتمہ

یہ مختصر خاکہ جس میں دکھایا گیا ہے کہ انگلستان کی خاص صنعتوں میں قوت محرکہ کے استعمال نے کس طرح دستی محنت کی جگہ لی، اس بات پر بہت اچھی روشنی ڈالتا ہے کہ یہ تبدیلیاں بہت آہستہ آہستہ واقع ہوئیں۔ ان بڑی تبدیلیوں نے، جن پر لوگوں کی توجہ خاص طور پر مائل رہی ہے یعنی ہارگریوز، آرک رائیٹ، کرامپٹن، کارٹ رائٹ اور واٹ کے کارنامے۔ انھوں نے ۱۸۰۰ء سے پہلے پارچہ بافی کی صنعت کی دو اہم شاخوں میں سے صرف ایک یعنی سوت کی کتائی میں بنیادی تبدیلی پیدا کی تھی روئی کی صنعت میں بھی

جہاں ترقی کے لئے حالات خاص طور پر سازگار تھے، ابتدائی اوزار اور کام کے طریقے، انیسویں صدی کے وسط تک باقی رہے ۱۸۵۰ء میں بھی، جسے صنعتی انقلاب کے مکمل ہونے کا سال شمار کیا جاتا ہے، بہت سی اہم صنعتوں میں تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ ۱۷۷۰ء سے ۱۸۶۰ء تک، نئے طریقے، پرانے طریقوں کے ساتھ ساتھ چلتے رہے اور ان کی جگہ آہستہ ہی آہستہ لیتے رہے

یہ مسئلہ کہ مشین کے رواج سے مزدور طبقے کو فائدہ پہنچا یا نہیں، انیسویں صدی میں بہت اختلاف رائے کا موجب بنا رہا۔ کابٹ اور اس کے ہم مسلک مفکروں کو جن کا نصب العین ایک مستحکم، خود کفیل، دیہی معاشرت تھی، نئے نظام میں مزدور کے لئے فایدے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ ۱۸۴۷ء میں مل تک نے اپنے شبہے کا اظہار کیا تھا کہ مشینوں کی ایجادنے کسی ایک آدمی کی ایک دن کی مشقت کو بھی ہلکا کیا ہے یا نہیں اور بہت سے اور لوگ بھی اسی عقیدے کے تھے۔

یہ تو بہرحال صحیح ہے کہ مشین نے انسانی طاقت سے شدید ترین مطالبے کرنا شروع کر دیے ہیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس کی وجہ سے بہت سے خطرناک پیشے پیدا ہو گئے ہیں، حکومت نے جب تک فیکٹری اور ورکشاپ کے قوانین بنا کر، صنعتی حالات کی نگرانی شروع نہیں کی تھی، صنعتوں کی وجہ سے شرح اموات بھی خوفناک تھی۔ لیکن اس کے مقابلے میں، مشین نے مزدور کو بے انتہا ناگوار اور صحت سوز مشقت سے بھی آزاد کر دیا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ موجودہ کارخانوں میں کام کرنے کی وجہ سے، دماغی تھکن زیادہ پیدا ہوتی ہو لیکن پرانے دستی کر گھے پر، غیر صحت بخش جھونپڑوں میں کام کرنے کی وجہ سے جسم کو جو نقصان پہنچتا تھا اب اس کے مقابلے میں بہت کم ہوتا ہے۔ ہوٹے کام کارندے چلاتے رہنے کی وجہ سے اب کوئی بڑھتی دل کے عارضے میں مبتلا نہیں ہیں اور نہ زراعتی مزدور چالیس سال میں بوڑھے نظر آنے لگتے ہیں جب ہم اس مسئلے پر خالص معاشی نقطۂ نگاہ سے غور کرتے ہیں تو ہمیں جواب دینے میں تذبذب اور بھی کم ہوتا ہے۔ مشین کی وجہ سے زندگی کی ضروریات سستی ہو گئی ہیں اور ہر شخص کے لئے آرام و فرصت کی زندگی کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ صنعت میں مشین کے رائج ہو جانے سے مزدور کو بحیثیت صارف، تجارت وصنعت کی دوری کساد بازاری کے باوجود بہت زبردست فائدہ پہنچا ہے

دولت پیدا کرنے والے کی حیثیت سے اس کا یہ نفع، نقصان سے خالی نہیں ہے کیونکہ صنعتی اتار چڑھاؤ اور بے روزگاری کے وہ دور جو ۱۸۰۰ء کے بعد سے بہت نمایاں نظر آتے ہیں دراصل اونچے درجے کی اس تخصیص کار سے پیدا ہوئے ہیں جو مشین کے ساتھ لازمی طور پر وابستہ ہے۔ یہ بلاشبہ صحیح ہے کہ مشین کی وجہ سے مزدوروں کی مانگ ہمیشہ نہیں بڑھ جاتی۔ یہ صرف اسی صورت میں بڑھ سکتی ہے جب کہ اس مال کی طلب جسے سستی لاگت پر تیار کیا گیا ہے انتہائی تغیر پذیر ہو اور جب کہ دوسرے عناصر جو صنعت کے پرسکون طور پر چلنے کے لئے ضروری ہیں آج کل کی طرح (۱۹۳۳ء) ابتر حالت میں نہ ہوں۔ مشین مزدور کی طلب کو دو طرح بڑھا سکتی ہے۔ ایک طرف تو صنعت کی ان پیداواروں کی لاگت کو گھٹا کر جن میں اسے رائج کیا گیا ہے وہ مزدوروں کی شدید تر طلب کو پیدا کر سکتی ہے جیسا کہ روئی کی صنعت کی بعض شاخوں میں صنعتی انقلاب کی ابتدائی منزلوں میں ہوا۔ دوسرے جہاں صنعت کی پیداوار کی طلب میں بہت اضافہ نہ ہو وہاں وہ سرمائے اور محنت کو دوسری یا نئی صنعتوں میں مصروف ہونے کے لئے آزاد کر سکتی ہے اور یہ بات ایک عام قاعدے کے طور پر کہی جا سکتی ہے کہ جب تک زاید محنت اور زاید سرمایہ موجود نہ ہوگا، اس وقت تک اغلب امکان یہ ہے کہ نہ تو نئی صنعتیں پیدا ہو سکیں گی اور نہ پرانی پھیل سکیں گی۔

لیکن فوری اور آخری نتائج میں ایک واضح فرق کرنے کی ضرورت ہے۔ فوری اثرات، خصوصاً اگر مشین کا استعمال بہت بڑے پیمانے پر یا بہت تیزی سے شروع کیا جائے تو یہ ہو سکتا ہے کہ محنت کی طلب کی کمی کی صورت میں ظاہر ہوں جیسا کہ گذشتہ صدی کے ابتدائی سالوں میں ہوا تھا۔ اس کے مقابلے میں، انیسویں صدی کی تاریخ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آخری نتیجہ، محنت کی طلب کے اضافے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اس بیان کو مشروط کرنے کی ضرورت ہے۔ معاشیات میں مطلق فیصلے بہت کم کئے جا سکتے ہیں۔ انیسوں صدی کے اول ربع کے بعد مشین نے بلاشبہ محنت کی طلب کو اضافہ پذیر رفتار کے ساتھ بڑھایا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا ٹھیک نہیں ہے کہ ایسا ہر وقت اور ہر حال میں ہوتا رہے گا۔ صنعتی انقلاب کے زمانے میں، دنیا کے جو حالات تھے آج ان سے بہت مختلف ہیں۔ لیکن اس موضوع پر کچھ اور زیادہ کہنا اس باب کے حدود سے باہر ہوگا۔

باب ۴

ذرائع آمد و رفت

۱۔ صنعتی انقلاب کے بعد پیچیدگی

صنعتی انقلاب تک، انگلستان کی معاشری زندگی دو یا تین متوازی راستوں پر ترقی کرتی رہی اور اس بات کا تعین کرنا نسبتہً آسان کام ہے کہ کسی ایک وقت میں ترقی کا مقام کیا رہا۔ تقریباً ۱۷۶۰ء کے بعد معاشرے میں پیچیدگی پیدا ہونے لگی اور بہت سے عوامل ایک دوسرے پر باہمی اثر ڈالنے لگے۔ صنعت نے بصورت مجموعی ترقی نہیں کی بلکہ اس کی مختلف شاخوں نے مختلف اوقات میں مختلف رفتار کے ساتھ ترقی کرنا شروع کی۔ اس کے علاوہ عہد آفریں ایجادات و واقعات کا بڑے سے بڑا اثر بھی تنگ دائرے کے اندر ہی محدود رہا۔

چنانچہ مختلف سلسلوں کو ایک جا کر کے جائزہ لینے اور جہاں تک ممکن ہو سکے ان کو مجموعی طور پر متحد کرنے کی ضرورت ہے۔ پچھلے زمانوں کی طرح اب ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ تاریخ کے مختلف عہدوں کی ایسی قطعی حد بندی کر دیں جیسی ارضیاتی طبقات میں پائی جاتی ہے ہمیں دو طرح کی تفریق کرنا ہوگی۔ ایک تو مشاغل کے مختلف میدان ہائے عمل کے درمیان اور دوسرے ہر انفرادی میدانِ عمل میں وقت و زمانہ

کے اعتبار سے پیچیدگی اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ ہر صنعت جب ترقی کرتی ہے تو اس طرح پیچ در پیچ طریقے پر دوسروں کا اثر قبول کرتی اور ان پر اپنا اثر ڈالتی ہے کہ سبب اور نتیجے کو علیحدہ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ترقی یافتہ ذرایع آمد ورفت کی وجہ سے کچے مال اور مکمل پیداوار کا منتقل کرنا ممکن ہو گیا اور اس کی وجہ سے دولت کی پیدائش میں جو اضافہ ہوا اس نے نقل وحمل کے کام میں اصلاحیں کرنے کے لئے لوگوں کو اور زیادہ مایل کیا۔ سہولت کے لئے ان کو علیحدہ کرنے کی کوشش کی جائے گی اور پہلے کی طرح، ارتقا کو موجودہ زمانے تک پہنچایا جائے گا۔

۲ ۔ سڑکیں

سب سے پہلی سڑکیں، محض پگ ڈنڈی کی ایک اصلاح یافتہ صورت تھیں اور عام طور پر جانوروں اور آدمیوں کے مسلسل استعمال کی وجہ سے اتفاقیہ طور پر بن جایا کرتی تھیں۔ ایک پگ ڈنڈی جب ایک دفعہ بن جاتی تھی تو چھوٹی چھوٹی خرابیوں کے باوجود قدامت پسندی کی وجہ سے باقی رہتی تھی۔ قصبوں کی پیچیدار سڑکوں کو، پرانی گلیوں ہی کا جو خود پگ ڈنڈیوں سے بنی تھیں ایک سلسلہ سمجھنا چاہیئے۔ جن پگ ڈنڈیوں سے فائدہ زیادہ پہنچتا تھا وہ اہمیت اختیار کر لیتی تھیں اور ان کی بڑی بڑی دشواریاں دور کر دی جاتی تھیں چنانچہ جہاں ضرورت ہوتی تھی وہاں سڑکیں قدرتی طور پر بن جاتی تھیں خصوصاً جب کہ زمین کی ملکیت کے مسئلے کی اس زمانے میں زیادہ اہمیت نہیں تھی

رومیوں کا طریقہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ وہ زیادہ تر فوجی اغراض کے لئے سڑکیں بناتے تھے اور صرف بڑے بڑے شہروں کو پیش نظر رکھتے تھے۔ سڑکوں کی ابتدا وانتہا کو مقرر کر دیا جاتا تھا اور ان کے درمیان آمد ورفت کے راستوں کو چھوٹے سے چھوٹا بنایا جاتا تھا پہاڑیوں اور وادیوں کی کوئی پروا نہیں کی جاتی تھی چاہے ان سے کترا کر نکلنا کتنا ہی آسان کیوں نہ ہو۔ رومیوں کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کیونکہ وہ اپنی سڑکوں پر پہیئے دار گاڑیاں نہیں چلاتے تھے۔ بعد میں ان کو استعمال کرنا بند کر دیا گیا اور جن راستوں کو لوگ "آسان" سمجھتے تھے انھیں دوبارہ عام طور پر استعمال کرنے لگے۔ تیرھویں اور چودھویں صدی میں آمد ورفت کو غالباً ترقی ہوئی اور رومیوں کی سڑکیں جس طرح آج استعمال کی جاتی ہیں، دوبارہ استعمال کی جانے لگیں۔ لیکن اس کے بعد ان کی حالت روز بروز

ابتر ہونا شروع ہوئی۔ آرتھر ینگ نے ان کا بہت خراب حال بیان کیا ہے۔ ابتداءً اٹھارویں صدی میں، ہر کلیسا ان سڑکوں کا جو اس کے حلقے میں ہوتی تھیں اپنے طور پر انتظام کیا کرتا تھا اور اس کے جو نتائج ہوئے وہ ظاہر ہے جب روک پھاٹک کے ٹرسٹ[1] اور راہ پئی[2] کا آغاز ہوا تو اس کی وجہ سے معاملات کی اصلاح ایک دم نہیں ہوئی بہتر سڑکوں کی شدید ضرورت نے اس کام کی اہلیت رکھنے والے لوگوں کو پیدا کیا۔

(۱) مٹکاف۔ مٹکاف کے کارنامے (جو کنارسبرو کے اندھے جیک کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے) حیرت انگیز تھے۔ اپنی معذوری کے باوجود اس نے اپنی بے انتہا قوت عمل اور قابلیت سے وہ کام انجام دیئے جس کی کم لوگ ہمسری کر سکتے ہیں۔ وہ پے نائنس کے ہر حصے خصوصاً اس کے اونچ نیچ اور اس کی سطح کے نیچے کی مٹیوں سے بخوبی واقف تھا۔ ۱۷۶۵ء میں، اس نے ہیروگیٹ کے قریب ایک چھوٹی سی سڑک تعمیر کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور اس کام کو نہایت تیزی کے ساتھ پورا کر دیا۔ اس کے بعد اس نے بارو برج پر ایک پل بنایا۔ اس آسان علاقے میں کام کرنے کے بعد، پھر وہ لنکا شائر اور یارک شائر کی سرحد کی طرف متوجہ ہوا۔

ان دونوں اضلاع میں دو مختلف صنعتیں ترقی کر رہی تھیں۔ اس لئے ذرایع آمد و رفت کی بہت ضرورت تھی۔ مٹکاف نے اس ضرورت کو پورا کر کے ان کی صنعتی ترقی کا امکان پیدا کیا۔ اس کے کام کا طریقہ، روم کے سڑک بنانے والوں سے مختلف تھا۔ وہ سڑکوں کے ڈھلان کی مقدار کو کم رکھنے کی ہر امکانی کوشش کرتا تھا اس لئے اس علاقے میں اس کی کامیابی اور بھی زیادہ قابل تعریف ہے۔ وہ اصل وادیوں کو استعمال کیا کرتا تھا اور جب کوئی شاخ عبور کرنا پڑتی تھی تو مڑ کر دوسری جانب چلا جاتا تھا۔ اس کی سڑکوں کے چکر ضرب المثل کی حیثیت سے مشہور ہو گئے ہیں۔ دریائے آئر کی وادی کو ہمیشہ سے بلیک برن اور مانچسٹر جانے کے لئے، راستے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا جس طرح دریائے کالڈر کی وادی کو بھی اس سے کم درجے پر کیا جاتا تھا۔ لیکن مٹکاف چاہتا تھا کہ ایک شارع عام اور زیادہ جنوبی علاقے میں بنائے۔ چنانچہ اس نے ہڈرزفیلڈ سے مانچسٹر تک سخت ریت

---

[1] Turnpike

[2] Tolls

کے پتھروں کو کاٹ کر اور اس پہاڑی دلدل کے اوپر جسے پہلے ناقابل گذر سمجھا جاتا تھا اپنی حیرت انگیز سڑک کو تعمیر کیا۔ اُسے ایک ایسے رہنمائی حیثیت سے یاد رکھنا چاہیئے جس نے ڈھال کی مقدار کو کم رکھنے کی اہمیت ثابت کی اور نرم زمین کے علاقے میں سڑک تعمیر کرنے کا طریقہ بتلایا۔

۲۔ ٹیلفورڈ:۔ میٹکاف اچھی سطح تیار نہیں کر سکا۔ یہ کام ایک اور بڑے شخص ٹیلفورڈ نے (۱۷۵۷ء تا ۱۸۳۴ء) انجام دیا جس کے کام کو پھر میک آڈم نے اور زیادہ ترقی دی۔ ٹیلفورڈ، ڈمفریز شائر میں پیدا ہوا تھا۔ ۱۷۹۳ء میں اسے ایلیسمیر نہر کا انجینیر بنایا گیا اور اس نے دو پکے نالے نہر کے پانی کو لے جانے کے لئے تعمیر کئے۔ ۱۸۰۱ء میں لندن کے نئے لوہے کے پل کے تعمیر کرنے کے لئے نقشے تیار کئے گئے لیکن بعض وجوہ سے یہ کام اس منزل سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ۱۸۰۳ء میں اسے کیلی ڈونین نہر کا انجینیر بنایا گیا۔ اسی کے ساتھ گورنمنٹ نے اس کے ذمے یہ خدمت بھی سپرد کی کہ وہ شمالی اضلاع (اسکاٹ لینڈ) کو جو اس وقت افلاس زدہ حالت میں تھے سڑکیں اور پل بنا کر بیرونی تجارت میں شریک ہونے کا موقع فراہم کرے۔ چنانچہ اٹھارہ سال میں سو سے زیادہ پل اور تقریباً ایک ہزار سڑکیں بنوائی گئیں۔

اسے انگلینڈ اور سویڈن میں نہریں بنانے کے لئے ملازم رکھا گیا اور اس نے اسکاٹ لینڈ کے مشرقی ساحل کی زیادہ اہم بندرگاہوں کو یا تو بنایا یا انھیں وسیع کیا۔ ۱۸۱۴ء میں اس نے کار لائل تا گلاسگو کی سڑک کو تعمیر کیا۔ پھر اس کے بعد ہولی ہیڈ کی بڑی سڑک کو جو زیادہ تر بہت دشوار گذار علاقے میں سے ہو کر جاتی تھی۔ آئرلینڈ کے مسافروں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے مناٹے آبنائے کے عبور کرنے کی دقت بڑھ گئی اور ۱۸۱۹ء سے ۱۸۲۵ء تک وہ بڑے آویزاں پل کو تعمیر کرنے میں لگا رہا۔ اس کا آخری کارنامہ یہ تھا کہ اُس نے شمال مشرقی مڈلینڈز کی نہروں کو ایک دوسرے سے ملا دیا تاکہ وہ ریلوں کے مقابلے کا، جس کا اندیشہ تھا، سامنا کر سکیں۔

اس سے کچھ سال پہلے اس نے شمال کی بڑی سڑک کو بھی اور دوسری سڑکوں کے ساتھ ساتھ بہتر بنایا تھا۔ اور اس تمام مرحلے میں ڈاک گاڑی (میل کوچ) کا انتظام آہستہ آہستہ بہتر ہوتا جا رہا تھا۔ ٹیلفورڈ نے اپنی نفیس سڑکیں بنا کر ایسا نقشہ تیار کر دیا تھا جس سے یہ

یہ انتظام تقریباً مکمل ہو جاتا اس نقشے پر عملدرآمد ضرور ہوتا لیکن اسی وقت ریل نمودار ہو گئی اور یہ تمام تجویزیں ترک کر دی گئیں۔ لندن میں ۱۸۲۶ء روک پھاٹکوں کے انسداد اور بعد میں آہستہ آہستہ سارے ملک سے غائب ہو جانے کی وجہ سے اس کے کام کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ٹیلفورڈ کے زمانے کا ایک اور کارنامہ یہ تھا کہ پل کی تعمیر میں پتھر کی جگہ لوہے کا استعمال کیا جانے لگا جس کی وجہ سے پلوں کی کارگذاری میں اضافہ ہو گیا۔

میک آڈم کی طرح اس نے بھی کچھ اصول وضع کئے۔ جن میں سب سے اول یہ تھا کہ سڑک کے نیچے کی زمین میں پانی کے نکاس کا انتظام معقول ہونا چاہئے۔ سطح کے نیچے کی پرت کی نمی کی وجہ سے ایک طرف بنیادوں کی فرسودگی کی رفتار بڑھ جاتی ہے اور دوسری طرف سطح کی خوبی پر بھی خراب اثر پڑتا ہے۔ میٹکاف کے مقابلے میں ٹیلفورڈ "علمی" اور اٹکل پچو طریقے پر کم اور سائنس کے اصول کے مطابق زیادہ کام کرتا تھا۔ اس نے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ سڑک کے سامان کے انتخاب کرنے اور لائق استعمال بنانے میں، بڑی ہشیاری برتنے کی ضرورت ہے۔ میٹکاف چونکہ مقامی سامان استعمال کرتا تھا اس لئے اس کی سڑکیں نرم اور ریتیلی ہوتی تھیں اور گھسکر لیک کی نالیاں بن جاتی تھیں ٹیلفورڈ کے بعد جن لوگوں نے سڑکیں بنائیں۔ انھوں نے ایک ایسی صلیبی تراش کا بھی مطالبہ کیا جو نہ بہت زیادہ مسطح ہو نہ بہت محدب۔ کیونکہ پہلی صورت میں پانی سڑک پر باقی رہتا ہے اور دوسری صورت میں آمد و رفت سڑک کے بیچ میں ہوتی رہتی ہے جس سے اس حصے میں لیک کی گہری نالیاں بن جاتی ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں یہ لوگ، لمبائی کے ڈھال (یعنی سڑک کی لمبائی میں پائے جانے والے اتار) پر زیادہ بھروسہ کرتے تھے تاکہ سطح خشک رہے اور سڑک کو اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے مدور تراش کا بناتے تھے۔

ان سب اصولوں کی ابتدا ٹیلفورڈ نے کی اور اس کی پیروی میک آڈم نے ٹیلفورڈ کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ بنیاد کو مضبوط بناتا تھا جیسے رومی اپنی جھنڈی لگی ہوئی سڑکوں کی بنیاد مضبوط بنایا کرتے تھے۔ وہ پتھروں کو لیتا تھا۔ انھیں لمبائی میں رکھتا تھا اور ان کے چوڑے سرے کو نیچے رکھکر انھیں قریب سے قریب کھچا کھچ بھرتا چلا جاتا تھا۔ اس سے استحکام اور بنیاد کی مضبوطی پیدا ہوتی تھی اور پتھروں کے درمیان جو جگہ خالی رہ جاتی تھی اسے بھر کر اور بہتر کر دیا جاتا تھا۔ تمام توجہ اور خرچ بنیاد کے تیار کرنے پر کیا جاتا تھا اور

سطح کو محض ایک غلاف سمجھا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ بصورت مجموعی یہ نکلتا تھا کہ ایک خوب مضبوط اور قابل اعتماد سڑک بن جاتی تھی جس کی سطح تغیر پذیر ہوتی تھی اور جس کی تیاری بہت مہنگی پڑتی تھی یہ طریقہ بڑی شارع عام کے لئے خاص طور پر موزوں تھا۔

۳۔ میک آڈم میک آڈم (۱۷۵۶ء تا ۱۸۳۶ء) آیر میں پیدا ہوا اور ٹیلفورڈ کا بڑا حریف تھا۔ اس کا کام جتنا نمایشی تھا اتنا پائدار نہیں تھا اور اس کی غیر معمولی قابلیت کا اظہار ٹھوس تعمیر کے کام میں اتنا نہیں ہوا جتنا مرمت کے کام میں ہوا۔ اس کا بنیادی عقیدہ یہ تھا (اور یہ اتنا مشہور ہوا ہے کہ اس طریقے کا نام ہی اس کے نام سے موسوم کیا جانے لگا ہے) کہ بہت زیادہ مضبوط بنیاد غیر ضروری ہے یہی نہیں بلکہ وہ تو یہاں تک کہتا تھا کہ سطح کے نیچے کے پرت کے نرم ہونے سے فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ اس سے سڑک کو آمد و رفت کے ساتھ مطابقت کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جب نیچے کے پرت کو بہت زیادہ سخت رکھا جاتا ہے تو سطح کے برباد ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ چنانچہ اس کا قول ہے کہ سطح کے نیچے کے پرت کی اہمیت بہت کم ہے بلکہ میرے نزدیک نرم بنیاد قابل ترجیح ہے۔

اس لئے دلدلوں پر بغیر بنیاد کی سڑکیں تعمیر کیں۔ اس کی شرط صرف ایک تھی یعنی یہ کہ زمین کو اتنا مضبوط ہونا چاہیئے کہ وہ ایک آدمی کا بوجھ اٹھا سکے پھر اس کے بعد اس کا یہ دعویٰ تھا کہ اگر پانی کے نکاس کا انتظام مکمل رکھا جائے اور سڑک کی سطح پانی کے لئے غیر نفوذ پذیر ہو تو سطح کے نیچے کی نرم ترین پرت زیادہ سے زیادہ بوجھ کو اٹھا سکے گی۔ ان اصولوں پر اعتقاد رکھنے کی وجہ سے وہ سطح کی خاطر ہر چیز کو قربان کرنے کے لئے تیار تھا۔ ٹیلفورڈ کے مقابلے میں اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے یہ ثابت کر دیا کہ ایسی اتفاقی وابستگی جیسی کھریا مٹی میں ہوتی ہے، وہ نمی اور پالے کے زمانے میں حقیقی نقصان کا موجب ہوتی ہے۔

اپنے تجربوں سے اُسے یہ بات معلوم ہوگئی کہ پتھر کے مکعب ٹکڑے اگر وہ چھوٹے اور برابر سائز کے ہوں تو آمد و رفت کے دباؤ کے نیچے ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے جائیں گے اور اس طرح سطح کو بہتر بناتے رہیں گے یہاں تک کہ مکمل طور پر کھچا کھچ بھر جائیں گے۔ وابستگی کھچا کھچ بھرنے میں مانع ہوتی ہے۔ اس طرح باہم مربوط

اور متصل ہونے کا عمل واقعی ہوتا رہتا تھا اور ٹیلفورڈ کے مقابلے میں میک آڈم کی سڑکوں کی سطح کم لاگت پر زیادہ بہتر بن جایا کرتی تھی۔ کچھ دن تک اس کے خیالات غالب رہے اور ٹیلفورڈ کی بنائی ہوئی سڑکوں کو "میکاڈمائز"[1] دیا گیا۔ لیکن بعد کے مفکروں نے ٹیلفورڈ ہی کی تائید کی اور اب تمام مستقل اور اہم نئی سڑکوں کے لئے بنیاد کو مضبوط رکھا جاتا ہے۔

میک آڈم سے پہلے جو اصول رائج تھے انھیں زیادہ منظم صورت دے دی۔ اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ سہولت کی خاطر اکثر ضروری ہوتا ہے کہ راستے کو بالکل سیدھا نہ رکھا جائے اور اس نے تمام بڑی سڑکوں کے لئے "ڈھال کی شرح کا ایک معیار مقرر کر دیا تھا جس سے عام حالات میں تجاوز کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ آج اسے تیس میں تقریباً ایک کے برابر مانا جاتا ہے اور یہ اتنی ہوتی ہے کہ ایک وزن کے کھینچنے میں جو زور لگایا جاتا ہے وہ ہموار سطح کے زور کے مقابلے میں تقریباً دوگنا ہوتا ہے وہ حدبیت کو بھی صحیح صحیح درجے پر رکھنے کے لئے خاص اہتمام کیا کرتا تھا۔

۴۔ بعد کی ترقی میک آڈم کے بعد ترقی زیادہ تر نشو و نما کی طرف رہی اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ریلوں کے جاری ہو جانے کے بعد سڑکوں کی ضرورت نسبتہً کم ہو گئی تھی۔ لیکن اب کہ تجدید کی علامتیں دوبارہ نظر آ رہی ہیں تمام طریقوں کا از سر نو جائزہ لینا ضروری ہو گا۔

۱۸۳۹ء میں لکڑی سے پاٹنے کا رواج شروع ہوا۔ اس سے سطح آرام دہ ہو جاتی ہے اور تقریباً بالکل شور نہیں ہوتا۔ چنانچہ چھوٹے شہروں کے لئے یہ موزوں ہے۔ سڑک پر ڈامر بچھانے سے جس کی ابتدا ۱۸۶۹ء میں ہوئی اور بھی زیادہ خاموش اور پائیدار سطح کو پیدا کیا جا سکتا ہے اور اس کا رواج ایک حد تک ہمیشہ رہے گا۔ آج کل گرد کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ نئے زمانے کی تیز رفتار اور وزنی آمد و رفت کا نتیجہ ہے اس کا بہترین عارضی علاج یہ ہے کہ خشک سطح پر تارکول کو چھڑک دیا جائے۔ لیکن گرد چونکہ سڑک کے مسالے میں سے نکلتی ہے۔ اس لئے مسالے کے بہتر انتخاب سے فائدہ مند نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ سطح کے پتھروں کو رال سے جوڑنے سے بھی گھسائی کی رفتار

---

[1] Macadamised

میں کمی ہو جائے گی ۔

۳۔ نہریں

صنعتی انقلاب کے زمانے میں نہروں کی اہمیت سڑکوں سے کچھ کم نہیں تھی ۔ ابتدائی زمانے میں شمالی سمندر کا عبور کرنا نسبتہً سہل سمجھا جاتا تھا ۔ اس کے مقابلے میں خشکی کی مشکلات اگر اندرون ملک کے آبی راستوں کو استعمال نہ کیا جاتا بہت زیادہ تھیں ۔ اس لئے آبی نقل وحمل کو برابر اہمیت حاصل رہی ۔ جس جگہ کے آبی راستوں کا سمندر سے بھی تعلق تھا وہاں اُتارنے کی زحمت اور لاگت کا بھی سوال پیدا نہ ہوتا تھا ۔ نہریں جب ایک دفعہ بن جاتی تھیں تو پھر مرمت کی بہت کم ضرورت ہوتی تھی اور ان کو چلانے کا خرچ بہت کم ہوتا تھا ۔ بڑے بڑے وزنوں کو منتقل کرنے میں بھی پانی بہت کم مزاحم ہوتا ہے اور جب تجارت میں توسیع ہو رہی ہو تو مال منتقل کرنے کی لاگت میں اضافہ بہت کم ہوتا ہے ۔

بعد کے زمانے میں جب ریلوں سے مقابلہ شروع ہوا ان کو مزید برتری یہ حاصل ہوئی کہ ان کے لئے کسی مہنگی مشین یا قوت محرکہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی اور سال کو ہر مقام پر پانے والے کے حوالے کیا جا سکتا تھا ۔ ان کی بڑی کمزوری رفتار کی سستی تھی ۔ چنانچہ ان چیزوں کے لئے جو خراب ہونے والی نہیں ہیں ۔ مثلاً کوئلہ یہ اب بھی نفع بخش ذرایع حمل ونقل سمجھی جاتی ہیں ۔ سو سال پہلے ان کو بے انتہا اہمیت حاصل تھی اور ۱۸۵۰ء میں ضلع ڈرہم کے جنوب میں کوئی مقام جہاز رانی کے قابل دریا سے پندرہ میل سے زیادہ دور نہ تھا ۔

(۱) برنڈلے :۔ برنڈلے (۱۷۱۶ء تا ۱۷۷۲ء) بہت بڑا رہنما تھا ۔ یہ ڈربی شائر میں پیدا ہوا ۔ گو اس کی تعلیم بالکل نہیں ہوئی لیکن اس کے اندر مشین بنانے کا قدرتی ملکہ پایا جاتا تھا ۔ اکثر لحاظ سے اسے ناکامی ہوئی لیکن اس نے رفتہ رفتہ اپنی قابلیت ومہارت کو اپنے آجروں پر واضح کر دیا ۔ ۱۷۵۵ء میں ڈیوک آف برج واٹر اپنی ان کانوں سے جو لنکا شائر کے مقام دورسلے میں واقع تھیں کوئلے کو مانچسٹر لے جانا چاہتا تھا ۔ لیکن سڑک کی آمد ورفت کا خرچ بہت بیٹھتا تھا ۔ اس لئے اس نے دریا کے راستے کوئلہ منتقل کرنے کا ارادہ کیا ۔ لیکن برنڈلے نے اسے نہر بنانے کا مشورہ دیا اور ایک ایسی نہر بنا دی جس کی تعمیر میں بہت جدت خیال دکھائی گئی تھی اور کاٹنے، سرنگ بنانے اور پشتہ قایم کرنے میں کسی زحمت کی پروا نہیں کی گئی تھی دریائے اَرویل کو عبور کرنے کے لئے، انگلستان کے پہلے اہم پختہ نالے

کو تعمیر کیا گیا۔ نئے نمونے کے مطابق ملک کے اندر یہ پہلی نہر تھی۔ اس کے بعد لوگوں کو نہر سازی کا خبط ہو گیا اور برنڈلے نے اور بعد میں ٹیلفورڈ نے اپنی پوری طاقت اور مہارت کو تعمیر و تنظیم کے کام میں لگا دیا۔ ٹیلفورڈ نے اپنی ایلیس میر کی نہر کو انگلستان میں دو ایسے حیرتناک سنگچنہ پلوں پر سے گذارا جن کی نظیر انگلستان نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی ایک کرک کے مقام پر تھا اور دوسرا اور پاشے ڈی پر۔ اس سلسلے میں کوئی اور بڑا نام لائق ذکر نہیں ہے لیکن اس کام میں مسلسل ترقی ہوتی رہی۔

۲۔ <u>جہاز رانی کی نہریں</u> :۔ جہاز رانی کی نہروں کو (تجارتی نقطۂ نگاہ سے) سمندر کی توسیع سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ آئرلینڈ میں صرف ایک نیوری نہر اس کام کی ہے اور اسے ۱۷۶۱ء تا ۱۷۶۹ء میں بنایا گیا تھا۔ کیلی ڈونین نہر کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ گلوسٹر تا برکلے نہر کو ۱۷۹۳ء کے قانون کے بعد بنایا گیا۔ ٹیلفورڈ نے اس کے نقشوں پر نظر ثانی کی اور ۱۸۲۷ء میں اسے مکمل کیا۔ ایگزیٹر کی نہر کو جو انگلستان کی پہلی جہاز رانی کی نہر ہے ٹیلفورڈ کو گہرا کرنا پڑا تھا اور اب بڑے جہازوں کے لئے یہ نہر بہت اتھلی ہو گئی ہے۔

مانچسٹر کی جہاز رانی کی نہر اس سے بہت زیادہ اہم ہے۔ اس کی تعمیر کے مسئلے کو ۱۸۲۵ء میں چیپ مین نے اور ۱۸۴۰ء میں پالمر نے اٹھایا۔ اس کو ۱۸۸۷ء اور ۱۸۹۴ء کے درمیان تعمیر کیا گیا۔ ۱۸۸۳ء میں اس کی تجویز کو دار الامراء نے اور ۱۸۸۴ء میں دار العوام نے مسترد کر دیا تھا کیونکہ اس کی مخالفت نہایت تلخی کے ساتھ لورپول اور ان ریلوں کی طرف سے جو اس سے متاثر ہوتی تھیں کی گئی تھی۔ مسودۂ قانون بہت مشکل سے منظور ہو سکا۔ اس نہر کو سر ای۔ لیڈر ولیمس نے بنایا۔ اس نے طویل جوار بھاٹے کے کٹاؤ کی جگہ خاموش پانی کو ترجیح دی۔ اس لئے بند ضروری سمجھے گئے۔ اس کی ابتدا دریائے مرسی کے دہانے سے کی گئی اور چیشائر کی جانب ڈن کورن مقام تک اس کو لے جایا گیا۔ اس مقام سے ایک مسطح نہر (جوار بھاٹے والی) وارنگ ٹن کے قریب پہلے بند تک لے جائی گئی۔ اس کے آگے مانچسٹر تک دریا کا تازہ پانی استعمال کیا گیا۔ چنانچہ بڑے جہازوں کے لئے صرف ایک رکاوٹ بند کی تھی اور اس کی زحمت جوار بھاٹے والے دریا کے مقابلے میں کم تھی۔ اس نہر کو راستے میں برنڈلے کی نہر کو عبور کرنا پڑا اور اس کام کو انگلستان کے پہلے جھولا پل[ل] نا کے

ل Swing Aqveduct

کے ذریعے کیا گیا۔ جب لانبے بادبانی جہاز گذرنا چاہتے تھے تو اسی پل کو ایک طرف ہٹا دیا جاتا تھا۔ اس نہر نے مانچسٹر کو قریب قریب ایک سمندری بندرگاہ بنا دیا ہے۔ اس کی تجارت بے انتہا بڑھ گئی ہے اور اس کا اثر لورپول پر بڑا ہے۔

جہاز کی نہریں اپنی لاگت اس لئے نکال سکتی ہیں کہ ان کے چلانے کا خرچ آمد و رفت کے اضافے سے بہت کم بڑھتا ہے۔ ان کو زیادہ تر خارجی تجارت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے مثلاً مانچسٹر اپنے کچے مال کی ضرورت کو مغرب سے پورا کرتا ہے۔

۳- نہروں کی تاریخ :- وینس کی آبی راہوں کی طرح، اندرون ملک کی نہروں کو بھی ایسی ترقی یافتہ سڑکیں سمجھنا چاہیئے جو داخلی رسل و رسائل کے لئے موزوں ہیں۔ پہلا آبی راہ کا قانون ۱۴۲۳ء میں منظور ہوا تھا جب ٹیمس کو گہرا کیا گیا تھا۔ اس وقت سے اب تک برابر اس دریا کی طرف توجہ کی جاتی رہی ہے اگرچہ اس کی بالائی منزل کی اہمیت اب بہت کم رہ گئی ہے۔ ۱۷۸۳ء میں کوٹس والڈز کی دریائی وادی میں ٹیمس تا سیورن نہر بنا کر ترقی کو مغرب کی طرف جاری رکھا گیا۔ ۱۸۴۲ء میں سیورن کا کمیشن مقرر کیا گیا جس نے اس دریا کو گہرا کر دیا اور اس کے درمیانی راستے کے تیز تر حصوں میں نہر بنوا دی۔ برنڈلے کا سب سے بڑا کارنامہ ٹرنٹ اور مرسی کے درمیان کی بڑی نہر ہے جس کو ابھی تک اہمیت حاصل ہے۔ لورپول، ہل، برسٹل اور لندن سب کو ملا دیا گیا تھا اور چیلٹرن پہاڑ کی وادیوں کے ذریعے لندن کو مڈلینڈز سے ملا دیا گیا تھا۔

برنڈلے کی مثال کی پیروی کرنا، جس کی پالیسی نہر بنانے میں وہی تھی جو رومیوں کی سڑکوں کے بنانے میں تھی، بہت مہنگا کام تھا۔ انگلستان کی نہریں عام طور پر پُرپیچ ہوتی ہیں۔ وادی کے ہر موڑ کے ساتھ مڑ جاتی ہیں اور چھوٹی سی چھوٹی پہاڑی سے کترا کر نکلنے کی کوشش کرتی ہیں۔ نہریں ہموار علاقے کے لئے موزوں ہوتی ہیں اور یہ علاقہ جتنا زیادہ آباد ہو اتنا ہی بہتر ہے تاہم ہمیں اس حیرت انگیز واقعے پر غور کرنا چاہیئے کہ سب سے زیادہ مفید نہریں، انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے کی اور موجودہ زمانے کی وہی ہیں جو مشرق سے مغرب تک انگلستان کے آر پار جاتی ہیں اور جو پنائین کے غیر آباد پہاڑی علاقے میں سے ہو کر گزرتی ہیں۔ یہاں مختلف نہریں ایک سادہ نظام میں منسلک نظر آتی ہیں۔

۱۶۹۸ء میں ایر اور کالڈر کی جہاز رانی کا قانون منظور ہوا۔ نہر جب بنائی گئی تو گول سے لیڈز تک جاتی تھی اور یہاں لیڈز اور لورپول کی نہر سے مل جاتی تھی اس کی دوسری شاخ ویک فیلڈ تک جاتی تھی اور وہاں سے راچ ڈیل اور مانچسٹر تک چلتی رہتی تھی۔

بند بہت عام ہیں خصوصاً مرکزی حصوں میں۔ دس بیس میل ایسے ہیں جن میں کوئی شہر نہیں پڑتا۔ پہاڑیوں کی اونچائیوں پر ضروری پانی کو دونوں جانب مہیا کرنے کے لئے پُر مصارف ذخائر آب بنانا ضروری تھے اور دو شاخوں میں سرنگوں کے بنانے کی بھی ضرورت پیش آئی جن میں سے ایک اسٹین ایج کی سرنگ ہڈرز فیلڈ اور اولڈھم کے درمیان تین میل لانبی تھی۔ سرنگوں میں آگے بڑھنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ کشتی میں بیٹھا ہوا شخص، دیوار کا سہارا لے کر کشتی کو آگے ڈھکیلتا جاتا ہے تعمیر کی مشکلات کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ اگر دریائی وادیاں (ایر، کالڈر اور کولن) موجود نہ ہوتیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے تو یہ نہر بلند نہ بن سکتیں۔ موجودہ حالات میں بھی ایک نہر ایسی ہے جو تقریباً ایک ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچتی ہے

۵۔ بنائین کی نہر کا نظام :۔ اس نظام کو اپنی متعلقہ سڑکوں اور ریلوں کے ساتھ، گذشتہ صدی میں جو بے انتہا اہمیت حاصل رہی ہے اس کے پیش نظر ضروری ہے کہ اس کے بارے میں کچھ اور باتیں بھی بیان کی جائیں۔ مثلاً جہاز کوپن ہیگن سے خلیج بالٹک کے سامان کو، گول پہنچایا کرتے تھے۔ کشتیوں کا "قافلہ" جن میں سے بہت سی ایسی ہوتی تھیں جنھیں بھاپ کے وزن کش انجنوں سے کھینچا جاتا تھا کیل فورڈ میں مال لاتے تھے۔ کچھ کشتیاں دریائے ایر کے ساتھ ساتھ لیڈز تک جاتی تھیں جہاں بیشتر مال روک لیا جاتا تھا اور کچھ کشتیاں جو لیڈز کا مال بھی لے جاتی تھیں، دوسری نہر سے بلیک برن اور لورپول چلی جاتی تھیں۔ دوسری کشتیاں جنھیں عام طور پر گھوڑے یا آدمی کھینچا کرتے تھے ہیلی فیکس کے قریب دریائے کالڈر سے گذرتی تھیں اور کالڈر کی وادی کو عبور کر کے مانچسٹر پہنچ جاتی تھیں۔ دوسری طرف ایک شاخ نہر جو استعمال میں کم آتی تھی دریائے کولن کی وادی میں سے گذرتی تھی اور ہڈرز فیلڈ کو چیشائر اور لنکا شائر کے صنعتی اضلاع سے ملاتی تھی۔

صنعتی انقلاب کے زمانے میں ان نہروں کی جو ضرورت تھی وہ ظاہر ہے۔

پہاڑی کے اوپر کی سڑکیں (جنوب میں) اونچی اور غیر محفوظ تھیں اور زیادہ آمد و رفت کے لئے ناموزوں تھیں لیکن پھر بھی سوا ان دنوں کے جب برف کی وجہ سے بند ہوتی تھیں برابر استعمال کی جاتی تھیں۔ لنکا شائر میں سوتی کپڑا تیار کیا جاتا تھا اور اس کی بندرگاہ لورپول تھی۔ یارک شائر میں اونی کپڑا تیار ہوتا تھا اور اس کی بندرگاہ ہل تھی۔ ان میں سے ہر ضلع کے لئے جن کی آبادی بڑھ رہی تھی۔ درآمد اور برآمد کے لئے دو بندرگاہوں کی ضرورت تھی اور ان دونوں ضلعوں کے مابین تجارت ضروری تھی لیکن جنوبی ڈربی شائر تک کوئی نیچا درہ موجود نہیں تھا۔

یارک شائر کی آبادی نے لنکا شائر کے سوتی کپڑے کو خریدنا شروع کر دیا اور اس کی قیمت کو بڑھا کر سوتی صنعت کی حالت کو بہتر کر دیا۔ دوسری طرف یارک شائر کو بھی لنکا شائر کی قربت سے اسی قسم کا فائدہ پہنچا۔ چنانچہ جب آبادی تیزی کے ساتھ جنوب مغربی یارک شائر جنوبی لنکا شائر میں کوئلے کے علاقوں میں جمع ہونے لگی تو ان اضلاع کے درمیان رسل و رسائل ضروری ہو گیا۔ سڑک کے ذریعے نقل و حمل مشکل تھی اس لئے نہروں کا بنانا لازمی ہو گیا چاہے اس کی لاگت کتنی بھی ہو۔ موجودہ زمانے میں جب نہروں کی کساد بازاری ہے، ان آبی راہوں کو ایک حد تک استعمال کیا جاتا ہے۔

۵۔ آئرلینڈ اور اسکاٹ لینڈ ۔ سلسلہ رسل و رسائل کو مکمل کرنے کے لئے، مال و مسافر کی آمد و رفت' لورپول تک اور وہاں سے سمندر کو پار کر کے ڈبلن تک ہو سکتی ہے۔ یہاں سے جزائر برطانیہ کی آبی راہوں کا سب سے بڑا متحد سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ بڑی نہر کی تعمیر کو ۱۷۵۳ء میں شروع کیا گیا تھا۔ یہ مغرب کی طرف شنان ہوتی ہوئی بیلی ناسلو تک جاتی ہے۔ دوسری طرف ایک اور شاخ، دریائے بیرو کے ساتھ ساتھ، جنوب کی طرف جنوبی ساحل تک جاتی ہے۔ ریل سے اگرچہ اس کا مقابلہ ہوتا ہے لیکن پھر بھی اس کی حالت اچھی ہے اور خاصا نفع کما لیتی ہے۔

شاہی نہر، مڈلینڈ کی مغربی ریلوے کے ساتھ ساتھ، مولنگر کے پاس سے شنان تک جاتی ہے۔ لیکن اس کا استعمال بہت کم کیا جاتا ہے۔

آئرلینڈ نہریں بنانے کے لئے بہت موزوں جگہ ہے۔ اس کی زمین مسطح ہے اور پانی کی اتنی افراط ہے کہ بعض وقت محض دلدلوں کو کام میں لانے کے لئے نہروں کو تعمیر کرنا پڑا۔

اسکاٹ لینڈ میں، میدانوں کا ایک تنگ حلقہ دو یا تین میل چوڑا جس کا سلسلہ سمندر سے سمندر تک ہے، ٹھیک اس جگہ پر ہے جہاں ملک سب سے زیادہ تنگ اور سب سے زیادہ آباد ہے۔ جہاز رانی کے لایق نہر اگر یہاں ہوتی تو بے انتہا فایدہ مند ہوتی لیکن دریائے فورتھ اور کلایڈ کی نہر محض کشتیاں چلانے کے لئے موزوں ہے ۱۸۰۲ء میں بھاپ سے چلنے والی پہلی کشتیاں یہاں استعمال کی گئیں اور ان کا رواج دوسری جگہ بھی ہوگیا۔ لیکن چھوٹے بوجھوں کے لئے اور ان جگہوں میں جہاں بند بہت سے ہوں ان کا چلانا نفع بخش نہیں ہے۔

۶۔ فوایداور کمزوریاں:۔ انگلستان کو جو فائدے اپنے نہر کے نظام کو ترقی دینے سے حاصل ہوئے وہ ظاہر ہیں۔ نہروں نے نقل و حمل کی لاگت کو ایک چوتھائی کر دیا۔ کوئلے کو ملک کے اندر تقسیم کرنا معاشی اعتبار سے ممکن بنا دیا اور ان کی وجہ سے کارخانے اور جھکر بھٹیاں سہولت کی جگہوں پر شروع کی جاسکیں۔ عمارت کا وزنی سامان پہلی مرتبہ آسانی سے منتقل کیا گیا جس سے نئے شہروں کو ترقی کرنے کا موقع ملا۔ ان کی وجہ سے جنوبی لنکا شائر اور شمالی اسٹیفورڈ شائر کو لورپول سے اور برمنگھم اور مڈلینڈز کو ٹیمس کی وادی سے آسانی کے ساتھ سلسلۂ آمد و رفت میں منسلک کیا جاسکا۔ پروفیسر نولس کے بیان کے مطابق جب اسٹیفورڈ شائر نے کار نوال کے ساتھ آبی سلسلۂ آمد و رفت شروع کیا تو مٹی کے برتن بنانے والے علاقوں کی آبادی پچیس سال تین سو فی صد بڑھ گئی۔ اور جب سڑکوں سے باربردار گھوڑوں کو نکال دیا گیا تو گشت کرنے والے تاجروں کا عہد شروع ہوا۔

گو نہروں نے انگلستان کے اندر خوش حالی پیدا کرنے میں صاف اور واضح حصہ لیا ہے لیکن انھیں بناتے وقت آیندہ کی ترقی پذیر ضرورتوں کے بارے میں بہت کم یا بالکل پیش بینی سے کام نہیں لیا گیا انھیں چونکہ سینکڑوں مختلف نجی کمپنیوں نے تعمیر کیا تھا اس لئے ان میں یکسانیت نہ تو چوڑائی کے اعتبار سے پائی جاتی تھی نہ گہرائی کے۔ بندوں کی لمبائی اور چوڑائی بھی بے انتہا مختلف ہوتی تھی۔ یہی حال سرنگوں کے سایز اور پلوں کی اونچائی کا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ صرف بہت چھوٹی کشتیاں ایک نظام سے دوسرے نظام میں سہولت کے ساتھ پہنچ سکتی تھیں۔ دوسری اہم خامی یہ تھی کہ موجودہ صدی تک مسلسل سفر کے لئے کرایہ کی کوئی ایک شرح مقرر نہیں تھی۔ ۱۸۴۵ء تک نہر بنانے والی کمپنیاں مال لانے لے جانے کا کام خود نہیں کرتی تھیں بلکہ

ہر اس شخص کو جو نہر کا محصول ادا کردے پانی کے راستے کو استعمال کرنے کی اجازت تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ افراد کی تلون مزاجی کے مطابق کرایوں میں تبدیلیاں ہوتی رہتی تھی۔ جتنی تیزی سے نہری نہیں تصریباً اتنی ہی تیزی سے، دریا کی وادیوں اور ان پگ ڈنڈیوں کے گرد جن پر سے گھوڑے کشتیوں کو کھینچ کر، صنعتی شہروں کے درمیان سے لے جایا کرتے تھے، فیکٹریاں بننا شروع ہوگئیں۔ اس لئے اس نظام کو اس طرح وسیع کرنا کہ اس کے اندر بھاپ سے چلنے والی کشتیاں رواج پاسکیں کم سے کم معاشی لحاظ سے ناممکن تھا۔

۷۔ بعد کی مشکلات :۔ ریلوں کے ایجاد ہونے کے بعد اس نظام کو یکبارگی اور سخت نقصان پہنچا اور ۱۸۴۵ء کے قریب انتقال ملکیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ کبھی تو اس وجہ سے کہ ریل کے مالکوں نے دل لبھانے والی قیمتیں لگائیں اور کبھی خوف وہراس کی وجہ سے جو قیمت بھی ملی اس پر نہروں کے مالک انھیں فروخت کرنے کے لئے مجبور ہوگئے۔ ریل کے مالکوں کے لئے خریداری کی محرک یہ امید تھی کہ اس طرح انھیں اجارہ حاصل ہوجائے گا چنانچہ جب نہریں حاصل کرلی گئیں تو انھیں بے کار پڑا رہنے دیا گیا۔ آئرلینڈ کی آزاد شاہی نہر کا (جس کی مالک ایک ریلوے تھی) جب بڑی نہر سے جو نجی ملکیت میں تھی مقابلہ کیا جاتا ہے تو صورتِ حال واضح ہوجاتی ہے۔

بہر حال، ریلوں نے، نہروں سے ویسا پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جیسا کہ ایک نجی کمپنی اٹھاتی۔ ان میں آہستہ آہستہ گھاس پات کو اُگنے دیا گیا اور ان کی صفائی ناکافی طور پر کی جانے لگی۔ آمد ورفت میں جب اضافہ ہوا تو کشتیوں کے سائز کو نہیں بڑھایا جاسکا کیونکہ بہت سے آبی راستوں اور بندوں کو وسیع کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔

ریلوں کی طرح، جن میں چھوٹی لائنوں کو بڑی لائنیں خرید رہی تھیں آمد ورفت کو مسلسل رکھنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ جہاں یہ صورت ممکن تھی وہاں سلسلے کی کڑیوں پر ریلوں کا قبضہ تھا اور وہ اس قسم کی کوئی سہولت دینے کے لئے تیار نہیں تھیں۔ یہ حکمت عملی تنگ نظری پر مبنی تھی کیونکہ نہروں کو باجگزار راستوں کے طور پر استعمال کیا جاسکتا تھا۔ لیکن تجارت کرنے والی پبلک بھی ریلوں کی شان وشوکت کی گرویدہ ہوگئی تھی۔ غرض نہروں کی اہمیت کم ہوگئی اور یہ اثر اب تک چل رہا ہے گو اب پبلک کی توجہ اس معاملے کی طرف مبذول کرائی جارہی ہے۔ آئرلینڈ کو خاص طور پر بہت نقصان پہنچا۔

۴۔ **ریلیں**:۔ صنعتی انقلاب کو ممکن بنانے کا کام نہریں انجام دے چکی تھیں بشرطیکہ بشکل مکمل ہوئی تھیں اب ان دونوں کی جگہ بڑی حد تک ریلوں نے لے لی۔ ان کی برتری نہروں کے مقابلے میں یہ ہے کہ یہ تیز رفتار ہوتی ہیں اور سڑک کے مقابلے میں یہ کہ نقل وحمل کا کام (طویل فاصلوں پر) ان کے ذریعے سستی لاگت پر کیا جا سکتا ہے۔ جب ایک دفعہ ریل کی لائن بن جاتی ہے تو آمد ورفت میں بڑا اضافہ، لاگت کے کم تر نسبتی اضافے کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ ثانوی مصارف خود تیز رفتاری کی وجہ سے گھٹ جاتے ہیں۔ سڑک کی آمد ورفت کی لاگت کا ایک بڑا حصہ راستے کے ضروری اخراجات پر مشتمل ہوتا ہے۔ نہروں کی طرف سے غفلت برتی گئی اور انھیں خرید لیا گیا۔ سڑکوں کی اہمیت کم ہو گئی۔ یہ تبدیلی جہاں تک مال کے نقل وحمل کا تعلق ہے بہت نمایاں تھی۔ مسافروں کی آمد ورفت ہمیشہ سے محض اشتہار کا کام انجام دیتی رہی ہے۔ اس تبدیلی کے پیچھے جو محرک کام کر رہا تھا وہ یہ تھا کہ گھوڑے کی طاقت کے خرچ سے نجات حاصل کی جائے اور اس کی جگہ ایک قابل اعتماد قدرتی عامل کو استعمال کیا جائے۔

جب تک بھاپ کا انجن ایجاد نہیں ہوا، بہت کم ترقی ہو سکی اور اس کے بعد بھی ریلوں کے چلانے کے لئے اس کے استعمال کرنے میں جو دقتیں تھیں ان کو دور کرنا ضروری تھا۔ ریلوں کو آہستہ آہستہ اور تجربے کے طور پر جاری کیا گیا۔ ابتدا میں ان مقامات میں جہاں وزنی مال (خصوصاً کوئلہ) کو منتقل کرنا ضروری تھا اور جہاں تعمیر کا کام آسان تھا۔ پُر مصارف لائنیں آہستہ آہستہ ہی بن سکیں۔ نہروں کی طرح لائنوں کی سب سے زیادہ ضرورت شمال میں تھی جہاں آمد ورفت قدرتی وجوہ سے مشکل ہے۔ انگلستان کی ابتدائی ریلیں وہ تھیں جنھوں نے پینائنیس کے دونو جانب صنعتی اضلاع کے کاروبار کو وسعت دی۔ اس کے بعد ان پہاڑیوں میں سرنگیں بنائی گئیں اور لورپول اور ہل کے درمیان، سمندر سے سمندر تک سلسلۂ آمد ورفت کو آسان کر دیا گیا۔ جس قسم کے صنعتی حالات موجودہ زمانے میں پائے جاتے ہیں انھیں ریلوں ہی نے قایم کیا ہے۔ ان کی وجہ سے لنکاشائر اور مغربی رائیڈنگ کو کاروبار کا ایسا اچھا موقع مل گیا جس سے وہ ابھی تک فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ریلوں کے نظام کو پہلے نہر کے نظام کی توسیع سمجھا جاتا تھا۔ راہ پٹی، نہروں کے طریق پر ہی وصول کی جاتی تھی۔ ابتدائی خیال یہ تھا کہ کرایہ ادا کرنے کے بعد ہر شخص ریل کا استعمال کر سکتا ہے۔ مسافر اس بات پر اڑ جاتے تھے کہ ان کو لے جایا جائے اور ریل والوں کو ان کے لئے

انتظام کرنا پڑتا تھا۔ لیکن ایک عرصے تک ان کے ساتھ کسی قدر حقارت آمیز سلوک کیا جاتا رہا۔ گھوڑا گاڑی (کوچ) کے مقابلے میں ان کے اندر صرف اتنی دلکشی تھی کہ یہ رفتار میں تیز (اور اگرچہ سستی) ہوتی تھیں۔

(۱) ریلوں کی ترقی:۔ ریلیں کوئی نئی چیز نہیں ہیں۔ پہیہ دار گاڑیوں کے ذریعے آمد و رفت کے طریقے میں جو برتری ہے اس کا علم لوگوں کو ایک طویل زمانے سے تھا۔ اگرچہ رکاوٹوں کے باوجود رومیوں نے جس طرح اپنی سڑکوں کو سیدھا رکھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں اس کی اہمیت کم سمجھی جاتی تھی۔ سولھویں صدی کے وسط میں "ویگن کی ایک پٹری" موجود تھی جس پر نیوکیسل سے ٹائن تک کوئلہ لے جایا جاتا تھا۔ ۱۷۶۷ء میں کول بروک ڈیل میں لکڑی کی پٹریوں کی جگہ لوہے کی پٹریوں کا استعمال کیا جانے لگا اور کانوں اور کھانوں کے نزدیک ویگن کی پٹریوں کا استعمال بہت عام ہوگیا۔ ان کے چلانے کے لئے گھوڑوں کو قوت محرکہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ بھاپ کا پہلا ریل چلانے والا انجن ۱۸۰۲ء میں ٹری وتھک نے مرتھر ٹڈ فل میں استعمال کیا۔ اس کو کوئی عملی کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ یہ بہت بیش قیمت تھا لیکن اس سے انجن کا آغاز ہوگیا۔ ۱۸۱۱ء میں بلنکن ساپ نے لیڈز کے قریب ونڈا نے وار ہیول کا استعمال کیا۔ ۱۸۱۳ء میں ہاڈلے نے مشہور "پفنگ بلی" کو نیوکیسل کے قریب وائلم کی کانوں میں استعمال کیا اور یہ ایک طویل عرصے تک چلتا رہا۔ ۱۸۱۴ء میں اسٹیفن سن نے اپنا پہلا انجن (بلوچر) بنایا۔

اسٹاک ٹن اور ڈارلنگ ٹن کی ریل کو ۱۸۲۱ء میں بڑی مخالفت کے بعد تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی۔ اسے ۱۸۲۵ء میں شروع کیا گیا اور اسٹیفن سن نے انجینیر کی حیثیت سے کام کیا۔ اس کے مکمل ہوجانے کے بعد ڈارلنگ ٹن میں کوئلے کی قیمت ۱۸ شلنگ سے گر کر صرف ۸ شلنگ فی ٹن رہ گئی ریلوں کے معاشی اثر کا جو اندازہ صفحوں کے بیان سے ہوسکتا ہے اس سے کہیں زیادہ محض اس ایک واقعے سے ہوسکتا ہے۔ جب لورپول اور مانچسٹر ریلوے کے بنانے کی اجازت دی گئی تو قائم انجنوں کو استعمال کرنے کی (جیسے آج بھی بہت سی کوبلے کی کانوں میں ہوتے ہیں) تجویز پیش کی گئی۔ لیکن اسٹیفن سن نے اس کی مخالفت کی اور اس تجویز کو مسترد کرا دیا۔ جس کا نتیجہ متحرک انجنوں کے لئے مشہور انعامی مقابلہ ہوا

ان ابتدائی پٹریوں میں جب کامیابی ہوئی تو ان کی تعمیر کے کام کو وسعت دی گئی۔ ابتدا میں فائدہ مند ریلیں بنائی گئیں اور بعد میں اندھا دھند تخمین اور بحرانی ترقی شروع ہوئی

جس کا انجام ۱۸۴۰ء تا ۱۸۵۰ء کے ریلوں کے خبط کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ۱۸۴۷ء کا مالی بحران زیادہ تر اسی کا نتیجہ تھا۔ اس کے بعد سے ترقی کی رفتار نسبتہً سست رہی ۱۸۵۰ء میں چھ ہزار چھ سو میل لانبی لائن تھی۔ ۱۸۶۰ء میں دس ہزار میل اور ۱۸۷۰ء میں ۱۵ ہزار میل۔ اس کے بعد تعمیر کا کام بہت سست پڑ گیا۔ ۱۸۴۲ء میں قانون تنظیم ریل نے اور اس کے بعد ۱۸۸۹ء میں تجارتی بورڈ کی نگرانی کی توسیع نے تعمیر اور نگرانی کے کام کو پارلیمنٹ کی معرفت پبلک کے ہاتھ میں سپرد کر دیا۔

اسکاٹ لینڈ میں مونک لینڈ کی ریل ۱۸۳۶ء میں بنائی گئی آئرلینڈ میں ریلوں کی تعمیر کو بعد میں ترقی ہوئی۔ ڈبلن اور کنگس ٹن کی ریل ۱۸۳۴ء میں بنی۔ لیکن ایک طویل عرصے تک وہاں صرف یہی ایک ریل تھی

۲۔ جارج اسٹیفن سن:۔ جارج اسٹیفن سن (۱۷۸۱ء تا ۱۸۴۸ء) والم میں پیدا ہوا تھا۔ وہ ابتدا میں کوئلے کی کانیں کھودنے کا کام کیا کرتا تھا اور اس نے ایک سیفٹی لمپ اسی زمانے میں ایجاد کیا تھا جس زمانے میں ڈیوی نے کیا تھا۔ لیکن اس کی ایجاد ڈیوی کے اثر سے بالکل آزاد تھی۔ اس لمپ کو ۱۸۱۵ء میں کامیابی کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ اس نے ۱۸۱۹ء میں سب سے پہلے بھاپ کے جھکڑ کے اصول کو ہیٹن کی کوئلے کی کان میں ریل کے متحرک انجن پر منطبق کیا۔ قایم اور متحرک انجن کے نظاموں کے درمیان جو مقابلہ جاری تھا اس میں اس نے موخر الذکر کو لائق ترجیح سمجھا۔ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ریل کے لئے علیحدہ سڑکوں کے بنانے کی ضرورت ہے اور یہ اس لئے نہیں کہ اُسے آیندہ ہونے والی ترقیوں کا پہلے سے اندازہ ہو گیا تھا بلکہ اس لئے کہ وہ ڈھلان کو کم رکھنا چاہتا تھا اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ڈھلان میں اضافے کی وجہ سے لاگتیں بے انتہا بڑھ جاتی ہیں۔ نیز یہ کہ ابتدائی لاگت اگرچہ بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن اس کی کافی تلافی غالباً اس بچت سے ہو جائے گی جو اس کی وجہ سے پیدا ہوگی۔ اس نے پرانی وضع کی ڈھلواں لوہے کی پٹریوں کو ترک کر دیا اور اس کی جگہ پٹواں لوہے کو استعمال کیا۔ اس کی حقیقی کامیابی یہ تھی کہ اس نے ۱۸۳۰ء میں لورپول اور مانچسٹر ریلوے کو جاری کیا۔ ۱۸۲۹ء میں اس نے اپنے انجن راکٹ کے ذریعے ڈائرکٹروں کے مقرر کئے ہوئے انعام کو حاصل کیا۔ اس کے انجن کا صرف ایک اہم مدمقابل تھا اور وہ راستے میں ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد اسٹیفن سن نے اپنی پیمائش کی واقفیت کا ثبوت

چیپسٹ سوسس کی لائن کو بنا کر دیا اور بعد میں دوسری لائنوں کو جن میں سے زیادہ اہم کی نگرانی وہ خود کیا کرتا تھا۔

اسٹیفن سن نے جو کام شمال کی ریلوں کے لئے کیا وہی کام برونل نے جو گریٹ ویسٹرن ریلوے کا انجینیر تھا جنوب کی ریلوں کے لئے کیا۔ برونل نے مسافر گاڑی کی تیز رفتاری کا لحاظ کرکے اپنی ریلوں کو بڑی پٹری کے اصول پر بنایا۔ ریلوں کی ابتدائی تاریخ میں پٹریوں کی چوڑائی کے کم یا زیادہ ہونے کی جنگ کا شمار بہت اہم واقعات میں کیا جاتا ہے۔ شمال کی ریلوں کی چوڑائی ۴ فٹ $\frac{1}{2}$ ۸ انچ ہوتی تھی۔ چنانچہ جب مڈلینڈ اور گریٹ ویسٹرن ریلوے گلوسٹر پر آکر ملیں تو پارلیمنٹ کو مداخلت کرنا پڑی اور ایک طویل کشمکش کے بعد چھوٹی لائن انگلستان کی معیار بنا دی گئی۔

ابتدائی زمانے کے دوسرے مشہور ریلوے انجینیر حسب ذیل تھے: سر ولیم کب اٹ جس نے لندن سے پیٹر برونک گریٹ ناردرن لائن، اور لندن سے فوکسٹن تک ساؤتھ ایسٹرن ریلوے بنائی۔ اور سر جان ہاک شا جس نے لندن کے چند ابتدائی ریلوے اسٹیشنوں کے نقشے بنائے۔

۳۔ <u>ہلکی ریلیں</u>:۔ اکثر صورتوں میں بڑی سڑکوں کو بھاپ کے متحرک انجنوں کے لئے استعمال کرنے کی بہت تحریص ہوتی تھی۔ بعد میں لومبارڈی میں اس طرح کی سڑک کی ریلوں کا ایک بڑا نظام بن گیا تھا جو اب تک باقی ہے۔ برطانیہ کے مسطح اور زیادہ آباد حصوں میں ایک حد تک اس قسم کی ریلیں پائی جاتی تھیں۔ ڈبلن اور دوسرے مقامات میں یہ اب بھی ملتی ہیں۔ بعد میں ان کی ترقی ٹریم کے راستوں کی صورت میں ہوئی یا موخر الذکر کو اس وقت علیحدہ بنایا گیا جب بہت سے اضلاع نے اس زراعتی پیداوار کو بازار میں لانا چاہا جو ریل کی معمولی لائن کا خرچ برداشت نہ کر سکتی تھی۔ ۱۸۹۶ء میں ہلکی ریلوں کا قانون منظور ہوا۔ اس وقت سے اس طرح کی بہت سی ریلیں جو کوئلے کی کانوں کی پٹری سے مشابہ ہیں ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی ہیں۔

ریلوں نے نہ صرف موجودہ ترقی میں مدد دی جیسا انھوں نے شمال میں کیا تھا بلکہ جداگانہ طور پر ان کا قومی ترقی پر بھی بہت کچھ اثر پڑا۔ ریلوں کے بڑے مرکزی شہروں نے مثلاً کریو اور سونڈن نے ایسی ترقی پائی جیسی دنیا کی تاریخ میں اس سے پہلے نہیں ملتی۔ بہت سے غیر اہم مقامات دفعتہً ترقی کر گئے۔ دوسری طرف ایسے شہر جو ریلوں کی بڑی پٹری سے متصل

نہیں تھے اس کی وجہ چاہے ان کے با اثر باشندوں کی خود غرضانہ مخالفت رہی ہو یا ان کا حماقت آمیز تعصب یا جغرافیائی سہولتوں کی کمی، ان کی اہمیت زایل ہوگئی۔ بڑی پٹریوں کے داخلے کو نامنظور کرنے کے سلسلے میں جو غلطی ویک فیلڈ نے کی تھی اس پر وہ برابر پچھتا تا رہا۔ اسٹیم فورڈ اب شمال کے بڑے راستے پر نہ رہا۔ اس کی جگہ پیٹر برو نے لے لی ہے۔ کارل آئل اب بھی اسکاٹ لینڈ کی آمد و رفت کا مرکز بنا ہوا ہے۔ دوسری طرف برمنگھم کو اس وجہ سے بے انتہا ترقی ہوگئی ہے کہ انگلستان کے تمام حصوں کے لئے اسے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ جن اسباب نے اسٹرلنگ کو فوجی نقطۂ نگاہ سے ایک اہم مقام بنایا تھا انھیں نے اسے ریل کا ایک مرکز بھی بنا دیا ہے۔ جب سے ریلیں ان کے لئے ایک موثر باجگزار بن گئی ہیں، ڈوور جیسے ڈاک کے جہاز کے اسٹیشنوں کو ایک نئی اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔

۴۔ معاشی اثرات:۔ ریلوں کے جاری ہونے کے معاشی اثرات اتنے ہی اہم تھے جتنے کہ کارخانوں میں قوتِ محرکہ سے چلنے والی مشینوں کے اثرات تھے۔ نقل و حمل کی لاگت کم ہوگئی اور چیزیں سستی ہوگئیں۔ کاروبار میں تیز رفتاری پیدا ہوئی نہر کے ذریعے نقل و حمل کا کام سڑک کے مقابلے میں بلاشبہ سستا اور آسان تھا لیکن ریل کے مقابلے میں اس کی رفتار نسبتہً سست تھی۔ پھر ریلوں کو ان جگہوں پر لے جایا جاسکتا تھا جہاں نہروں کا پہنچنا مشکل تھا۔ اس لئے اس کے اثرات بہت زیادہ بنیادی حیثیت رکھتے تھے اور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ریلوں نے مال اور اشخاص کی نقل پذیری میں ایسا اضافہ کرکے جس کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا مقابلے کی قوتوں کو شدید کر دیا تھا۔ صناعوں کو بڑی سخت آزمایشوں سے گزرنا پڑتا تھا اور نا اہل آجروں کو تیزی کے ساتھ چھانٹ کر خس و خاشاک کی طرح نکال باہر کیا جاتا تھا۔ دوسری طرف ان لوگوں کی حیثیت جو پہلے سے مضبوط تھے مضبوط تر ہوگئی تھی چیزوں کی نسبتی اہمیت میں بھی تبدیل ہوگئی تھی۔ سمندر پار ریلوں کی ترقی سے انگلستان کو موقع ملا کہ ان علاقوں سے اپنی غذا کی رسد کو منگائے جو پہلے اس کی پہنچ سے باہر تھے۔ اور دخانی جہاز کے اشتراک عمل سے گرم مسالوں اور دوسری چیزوں کی جگہ جنھیں پہلے خارجی تجارت کی بنیادی چیزیں سمجھا جاتا تھا وزنی مال مثلاً مشین اور کوئلے کو بھیجنے کا موقع ملا۔

حتیٰ کہ کوئلے اور لوہے کی صنعتوں پر بھی ریلوں کے فوری اثرات بھی بے انتہا تھے۔ ریلوں نے مندرجہ ذیل سامان کی بے انتہا طلب پیدا کر دی:۔ کوئلہ اور لوہا، بعد میں فولاد کی

پٹریاں، انجنوں کے لئے پلیٹیں ڈھلے ہوئے اور بھٹی میں تیار کئے ہوئے سامان اور ریل کی گاڑیاں۔

سستی، تیز رفتار اور یقینی نقل و حمل کا صنعت پر متعدد طریقوں سے اثر پڑا۔ پہلے زمانوں کی طرح اب یہ ضروری نہیں رہا کہ مستقبل کے تجدید رسد کے غیر یقینی حالات کا خیال کر کے، تاجر اپنے پاس مال کے بڑے بڑے ذخیروں کو جمع رکھیں۔ پھر اس سے تاجروں کو اس بات کا بھی موقع ملا کہ روپے کو کاروبار میں لگا کر اپنا کام چلا لیں جو کفایت کی ایک نہایت اہم صورت تھی۔

ریلوں نے اس بازار کی جگہ جو محض مقامی تھی قومی بازار کو پیدا کیا اور اس کے نتیجے کے طور پر کاروبار کی اکائی کو زیادہ بڑا کر دیا۔ سستے اور تیز رفتار نقل و حمل کے انتظامات کی وجہ سے پرانے زمانے کے میلوں کی دوکانوں کی جگہ خردہ فروشی کی جدید دوکانوں کو پیدا کر دیا اور کارخانے کے پیمانے پر جو قدرتی پابندی کچے مال اور ایندھن کی فراہمی کی مشکل کی وجہ سے لگی ہوئی تھی، اُسے دور کر دیا۔

ایک حد تک ریلوں نے کاروبار کی نوعیت کو بھی بدل ڈالا۔ شدید تر مقابلے کی جگہ جو اس کے ابتدائی اثر کی صورت میں ظاہر ہوا تھا، آہستہ آہستہ، تاجروں کے درمیان معاہدے اور اتحاد ہونے لگے جن کا مقصد پیدائش کو محدود اور قیمتوں پر نگرانی کرنا ہوا کرتا تھا۔ ۱۸۴۰ء کے بعد خود ریلوں نے یہ ضروری سمجھا کہ بڑی اکائیوں میں ضم ہو جائیں اور یہ ایسی مثال تھی جس کی پیروی صنعت نے عام طور پر کی۔

معاشری اعتبار سے بھی ریلوں کے اثرات بہت بڑے تھے، نقل و حمل کے کام کرنے والے لوگوں کا ایک نیا طبقہ پیدا ہو گیا جس کے اندر یگانگت کا بہت زیادہ احساس پایا جاتا تھا اور جس نے بعد میں مزدور سبھائی تحریک میں جنگجویانہ عنصر کے اثر کو نمایاں کر دیا۔ ریلوں نے انگلستان کی زندگی کو شہری بنانے میں اتنی ہی مدد دی جتنی کہ فیکٹری اور قوت محرکہ سے چلنے والی مشین نے دی تھی۔ ۱۸۷۰ء کے بعد جب غلّے کی کاشت سوا چند اضلاع کے باقی کہیں اور نفع بخش نہیں رہی تھی ریلوں کی وجہ سے شیر سازی[1] کی صنعت اور

---

[1] Dairy Farming

تجارتی باغبانی۱ کو فروغ حاصل ہوا۔ مضافات میں بڑے صنعتی شہروں کی توسیع، ریلوں کے بغیر ناممکن ہوتی اور انھوں نے ان حالات کو بھی پیدا کیا جو موجودہ زمانے کے گوداموں اور مختلف اشیا بیچنے والی دوکانوں کے لئے نیز تندرستی بحال کرنے کے ان مقامات کے لئے ضروری تھے جو آج ہمارے ساحلی کنارے پر پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

۵۔ بعد کی ترقی:۔ بعد کی ترقی بحیثیت مجموعی، محض نشو و نما دینے تک مشتمل ہی ہے۔ ۱۸۸۹ء میں خود بخود لگنے والے بریک اور ایک دوسرے میں پھنسی ہوئی متحرک گاڑی دم پٹریوں۲ کے ساتھ جس سے ریل پٹری بدلتی ہے، بلاک کے نظام۳ کے مطابق کام کو شروع کیا گیا۔ حفاظت کو یقینی بنانے کے لئے کوششیں کی گئی ہیں۔ لیکن حادثات جو زیادہ تر انسانی عنصر کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں، اب بھی بہت عام ہیں۔ بہترین سواری گاڑیوں میں مشکل سے ترقی کی گنجائش ہے اور مال کی بڑی گاڑیاں بھی بھروسے کے لائق اور کارگذار ہیں۔

۶۔ انگلستان کی ریلوں کی خصوصیات:۔ برطانیہ کے ریلوں کے نظام میں کئی خصوصیتیں قابل لحاظ ہیں جو اسے امریکہ اور یورپ کی ریلوں کے نظام سے ممتاز کرتی ہیں۔ انگلستان کی ریلوں کی تعمیر میں بھی نظام کی ویسی ہی کمی پائی جاتی ہے جیسی یہاں سڑکوں اور نہروں کے کاٹنے میں پائی جاتی تھی اور ان کے تعمیر کے سلسلے میں جو مخالفت کی گئی نیز اس واقعہ کی وجہ سے کہ یہاں خانگی اقدام کو حکومت کا کوئی سہارا نہیں ملا۔ ان سب باتوں کا نتیجہ اس لاگت فی میل کی شکل میں ظاہر ہوا جس کا عکس ابھی تک مال اور مسافر کے کرایوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اور جس کی وجہ سے ۱۹۰۰ء سے برابر بے شمار مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ دوسری کمزوری جو غیر ملکی نظاموں کے مقابلے میں انگلستان کی ریلوں میں قدرتی طور پر پائی جاتی ہے یہ ہے کہ یہاں سفر کے فاصلے بہت مختصر ہیں اور جب فاصلے مختصر ہوتے ہیں تو لاگت فی میل زیادہ ہوتی ہے۔ انگلستان کے ریلوں کے نظام کی دوسری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ نہروں کی طرح ان کو بھی ابتداءً آمد و رفت کے بڑے راستوں کے طور پر تعمیر کیا گیا تھا یعنی ایک نئی قسم کے شاہ عام کے طور پر۔ یہ صحیح ہے کہ حالات نے کمپنیوں کو راہ پٹی وصول کرنے والوں کی

۱؎ Market Gardening   ۲؎ Interlockinv Points

۳؎ جس کی رو سے کوئی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی جب تک اگلی گاڑی نہ نکل چکی ہو۔

حیثیت کے ساتھ ساتھ، مال لے جانے والوں کی بھی حیثیت دے دی لیکن آج بھی تقریباً نصف ویگنوں کی ملکیت خانگی لوگوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ان خالی ویگنوں کو ایک پٹری سے دوسری پٹری پر پہنچانے، چھانٹنے اور انھیں ان کے مستقر تک واپس پہنچانے کے سلسلے میں بے انتہا وقت اور روپے ضائع ہوتا ہے۔

۷۔ انضمام اور حکومت کی نگرانی

سنہ ۱۸۴۰ء تک ریلیں، تجربی دور سے گذرتی رہیں۔ سنہ ۱۸۴۴ء تک ان کی کامیابی یقینی ہوگئی۔ اس کے بعد استحکام و انضمام کی تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک کو سب سے پہلے جارج ہڈسن "ریلوں کے بادشاہ" نے شروع کیا لیکن سنہ ۱۸۴۲ء میں ریلوں کا جو حساب گھر[ف] قطعہ وار لائنوں کی ادائیوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے قائم کیا گیا اس کا اثر اس سلسلے میں بہت زبردست پڑا۔ دوسرا اور کم اہم سبب، سہولت اور کفایت کے عملی مسائل تھے۔ لائنوں کے ان قطعوں میں جن کی نگرانی علیحدہ علیحدہ کی جاتی تھی مال اور مسافروں کے منتقل کرنے کی وجہ سے جو عدم تیقن اور تاخیر ہوتی تھی، اس سے پبلک کو بہت تکلیف پہنچتی تھی۔ دوسری طرف، ریل کی کمپنیوں کو بھی، متحدہ نگرانی کے فوائد کا پورا پورا احساس تھا۔ ان تمام قوتوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ سنہ ۱۸۴۴ء اور سنہ ۱۸۴۷ء کے درمیان انگلستان کی ریلوں نے بہت سی چھوٹی چھوٹی غیر مربوط لائنوں کی جگہ چند بڑی لائنوں کی صورت اختیار کر لی جنھیں موجودہ نظام کا ڈھانچہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہڈسن نے دو بڑے انضماموں کو عملی شکل دی یعنی شمال مشرقی ریلوے کا نظام اور مڈلینڈ ریلوے کا نظام۔ سنہ ۱۸۴۶ء میں لنڈن اور شمال مغربی ریلوے کا نظام بنایا گیا اور اس کے بعد سنہ ۱۸۴۷ء میں لنکاشائر اور یارک شائر، سنہ ۱۸۵۰ء میں بڑی شمالی ریلوے (لنڈن سے لنکاشائر تک) اور سنہ ۱۸۶۲ء میں بڑی مشرقی ریلوں کے نظام بن گئے۔ سنہ ۱۸۴۴ء میں برطانیہ میں دو سو چھوٹی چھوٹی ریلوں کی کمپنیاں تھیں۔ سنہ ۱۸۸۵ء میں یہ متحد ہو کر بائیس بڑی اور چند چھوٹی لائنیں رہ گئی تھیں۔ سنہ ۱۸۸۶ء تک ریلوے کا نظام تقریباً مکمل ہو گیا۔ لنڈن، گلاسگو اور ڈنبرا کے درمیان ایک مقام سے دوسرے مقام تک سیدھی جانے والی ریلوے لائن بنا دی گئی تھیں اور شمال مغربی اور بڑی مغربی ریلوں نے ویلز اور جنوب مغربی علاقوں کو دارالسلطنت

ف۔ Clearing House

سے منسلک کر دیا تھا۔
انگلستان کی ریلوں کے نظام کو اس وقت قائم کیا گیا جب عدم مداخلت کی تحریک کو عروج حاصل تھا۔ لیکن اس کے باوجود پارلیمنٹ نے ایک حد تک نگرانی کرنا ضروری سمجھا۔ ۱۸۴۲ء جیسے شروع کے زمانے میں بھی یہ قانون بنا دیا گیا تھا کہ تجارتی بورڈ کی منظوری کے بغیر کوئی نئی لائن تعمیر نہ کی جائے اور ۱۸۴۴ء کے قانون کے ذریعہ (گلیڈاسٹن کا قانون) پارلیمنٹ نے تمام مستقبل کی ریلوں کو اپنے اختیار تمیزی سے خرید لینے اور جہاں کوئی لائن دس فی صد سے زیادہ منافع کما رہی ہو وہاں مال اور مسافر کے کرایے پر نظر ثانی کرنے کے حق کو محفوظ رکھا۔ عدم مداخلت کا اصول اس زمانے میں اس درجے مضبوط تھا کہ اس قانون کی وجہ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا۔ لیکن پارلیمنٹ کی ایک ریل گاڑی قائم کر دی گئی یعنی ایک ایسی ریل گاڑی جو ہر روز چلتی تھی، ہر اسٹیشن پر ٹھیرتی تھی اور تیسرے درجے کے مسافروں کو ایک پنس فی میل کی شرح کرایہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی تھی۔
ریل کے مسئلے سے عوام اور پارلیمنٹ کو جو دلچسپی تھی وہ اس واقعے سے ظاہر ہے کہ ۱۸۴۴ء اور ۱۸۷۲ء کے درمیان ریلوے کمیشن کے اجلاس تقریباً مسلسل ہوتے رہے اور ۱۸۷۲ء میں یہ یادگار اعلان کیا گیا کہ تجربے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مقابلہ ریلوں کے لئے وہ کام نہیں کر سکتا جو اس نے صنعت کے لئے عام طور پر کیا ہے۔ اس سے عدم مداخلت کے اصول کو ترک کرنے کی ابتدا ہوتی ہے۔
۱۸۷۳ء اور ۱۸۹۳ء کے درمیان ریلوں پر سرکاری نگرانی کا اصول مستحکم بنیاد پر قائم ہو گیا۔ امریکہ اور یورپ کے روز افزوں مقابلے نے جس کا انگلستان ۱۸۷۰ء کے بعد شکار ہوتا جا رہا تھا، عدم مداخلت کے اصول پر نظر ثانی کرنا جائز قرار دے دیا چنانچہ ۱۸۷۳ء میں ریلوے اور نہر کا کمیشن مقرر کیا گیا جسے نگرانی کے محدود لیکن حقیقی اختیارات حاصل تھے۔ اس کا خاص کام یہ تھا کہ حریف کمپنیوں میں جب جھگڑا ہو تو ثالثی فیصلہ دے کر اس بات کا فیصلہ کرے کہ کرایے معقول ہیں یا نہیں اور انضمام و اتحاد کی آئندہ تجاویز کو جانچے اور ان کی نگرانی کرے۔
۱۸۸۸ء اور ۱۸۹۳ء کے ریلوے اور نہری آمد ورفت کے قانون کے تحت

حکومت انتہائی کرایوں کو مقرر کر دیتی تھی۔ ہر ریلوے کمپنی قانونی طور پر اس بات کی پابند تھی کہ ہر قسم کے مال کے زیادہ سے زیادہ کرایوں کا ایک جدول تجارتی بورڈ کے پاس روانہ کرے۔ ان کرایوں پر اعتراضات متعلقہ صنعت و تجارت کی طرف سے داخل کئے جا سکتے تھے اور اگر کوئی سمجھوتہ ناممکن ہوتا تھا تو پارلیمنٹ مداخلت کرتی تھی۔ ریلوں کے تمام کرایوں کو پبلک معلوم کر سکتی تھی اور مستقبل کی تبدیلیوں کی اطلاع پبلک کو بذریعہ اشتہار دینا لازمی تھی۔

مابعد جنگ کے خیالات کی روشنی میں، ان قوانین میں کوئی عجیب بات نظر نہیں آتی لیکن اس زمانے میں یہ چیز بلاشبہہ نئی تھی اور ان اصولوں کے بالکل منافی تھی جن کے ماتحت انگلستان نے صنعتی اور تجارتی اقتدار حاصل کیا تھا۔ لیکن مفاد عامہ کے کاموں میں جزوی اجارے کی ترقی کی وجہ سے سرکاری مداخلت ناگزیر ہو گئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے کے بعد سے کرایے کے بارے میں، کمپنیوں میں مقابلہ تقریباً ختم ہو گیا۔ آیندہ مقابلہ صرف اس بات تک محدود رہا کہ کسی طرح ایسی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں جن سے مال و مسافر کی آمد و رفت اپنی طرف زیادہ حاصل ہو۔ ۱۸۸۸ء اور ۱۸۹۳ء کے قوانین آمد و رفت کے منظور ہونے اور یورپ کی جنگ شروع ہونے کے درمیانی زمانے میں، ریلوں کے مسائل، ایک تو ملازموں کے کام کے حالات کو بہتر کرنے اور دوسرے ریلوں کو قومی ملکیت بنانے کی طرف متوجہ نظر آتے ہیں۔ یہ دونوں سوال ایک دوسرے سے بالکل جدا نہیں ہیں کیونکہ یہ بات سب پر روشن تھی کہ ریل کے ملازم بہت زیادہ گھنٹے کام کرتے تھے اور انھیں بہت کم اجرت دی جاتی تھی اور لوگوں کا یہ عام عقیدہ تھا کہ کمپنیوں کے مقابلے میں حکومت پر زور ڈال کر مزدوروں کے لئے رعایتوں کو آسانی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ۱۸۹۳ء میں، تجارتی بورڈ کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ریل کے اوقات کار کو جہاں وہ غیر معقول حد تک طویل معلوم ہوں، مقرر کرے اور ۱۸۹۳ء میں مزدور سبھاؤں کی طرف سے آٹھ گھنٹے کے دن کے لئے ایک عام مطالبہ کیا گیا لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ جنگجویانہ روح جسے ٹیف ویل کے مقدمے کے فیصلے نے عارضی طور پر ٹھنڈا کر دیا تھا، ۱۹۰۶ء کے صنعتی فساد کے قانون کے منظور ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئی اور اس کے دوسرے سال میں، کمپنیاں جو ایک طرف مزدور سبھاؤں کے وجود کو تسلیم نہیں کرتی تھیں، اس بات کے لئے

مجبور ہوئیں کہ ریلوے کے مصالحتی بورڈ قایم کریں۔ ملازموں کے اندر اس نئے انتظام کے ناکافی ہونے کے خلاف جو عدم اطمینان تھا اس نے ان برطرفیوں اور کفایت شعاریوں کے ساتھ ملکر جو کمپنیوں کے باہمی نئے اور عارضی معاہدوں کی وجہ سے عمل میں آئی تھیں، ۱۹۱۱ء کی ہڑتال کی صورت اختیار کرلی۔ ملازموں کی سبھاؤں کے وجود کو تسلیم کرلیا گیا اور مصالحتی بورڈوں پر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کہ رائے عامہ اجرت اور حالات ملازمت پر اثر ڈال سکے، نظر ثانی کی گئی۔

ان سالوں میں کانوں کی طرح، ریلوں کو قومی ملکیت میں لانے کا سوال بھی بہت مختلف فیہ رہا۔ قومی ملکیت کے حامیوں کی طرف سے بزور طریقے پر یہ بات کہی جاتی تھی کہ حکومت ریلوں کو زیادہ کفایت، زیادہ کارگذاری کے ساتھ چلا سکتی ہے اور بحیثیت مجموعی معاشرے کو زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اگر کفایتیں اتنی نہ بھی کی جا سکتی جتنی کہ پیشگی توقع کی جاتی ہے، تو بھی دلیل یہ پیش کی جاتی تھی کہ جو مالی نقصان ہوگا اس کی ضرورت سے زیادہ تلافی صنعت کی سہولتوں کے اضافے کی صورت میں ہو جائے گی۔ اس کی مخالفت میں دلیل پیش کی جاتی تھی کہ ضروری سرمایے کو قرض لینے کی مشکلات اس کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے (یہ بات جنگی قرضوں سے پہلے کی ہے)۔ نیز یہ کہ ریل کی موجودہ آمدنی پھر محصول کی دسترس سے باہر ہو جائے گی، ریلوے کے ملازموں اور سفر اور تجارت کرنے والی پبلک کے متصادم مطالبوں کی وجہ سے خانہ جنگی پیدا ہو جائے گی اور یہ کہ رشوت ستانی آہستہ آہستہ رونما ہو جائے گی وغیرہ۔ اس مسئلہ کو ابھی تک حل نہیں کیا جا سکا ہے۔ یورپ کی ریلوں سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ کرایے زیادہ ہیں اور اس سوال کا حل محض ملکیت کا لحاظ کر کے نہیں کیا جا سکتا۔ بنیادی خرابی یہ ہے کہ ضروری زمین کو خریدنے کے لئے ابتدا میں بے انتہا سرمایہ لگانا پڑا تھا اور یہ خرچ اس وقت سے ابتک ایک رکاوٹ بنا ہوا ہے چونکہ اس وقت ریلوں کو سرکاری ملکیت میں لانے کا کوئی خیال نہیں تھا اس لئے زمینوں کو سستے داموں پر نہیں خریدا گیا۔ اس ملک میں جس نظام کی پیروی کی گئی ہے وہ خانگی تعمیر کا نظام ہے اگرچہ اس بات کا فیصلہ پارلیمنٹ ہی کرتی ہے کہ کوئی لائن بنائی جائے یا نہ بنائی جائے۔

۵۔ دخانی جہاز جس طرح سڑکوں سے پہلے بحری آمد و رفت شروع ہو گئی تھی،

اسی طرح ریلوں سے پہلے دخانی جہازوں کا بھی استعمال شروع کر دیا گیا تھا۔ یہاں بھی ایک ایسی قوت محرکہ کی ضرورت محسوس کی گئی جو اپنے قابو کی ہو، ثانوی فوائد مثلاً رفتار کی تیزی کو بعد میں حاصل کیا گیا۔ ۱۷۸۶ء میں سمنگٹن نے ایک بحری انجن کا حق ایجاد حاصل کیا۔ اور ۱۸۰۳ء میں اس نے پہلی دخانی کشتی چارلٹ ڈنڈاس کو فراتھ اور کلائیڈ کی نہر میں چلایا۔ یہ کامیاب رہی لیکن نہر کا کنارہ اس کی وجہ سے کٹنے لگا۔ ۱۸۱۲ء میں ہنری بل نے کامٹ کو فراتھ اور کلائیڈ کی نہر میں اور سمندری ساحل کے کنارے کنارے لائیٹ تک چلایا۔ اس اقدام نے دریا اور رودبار کے آرپار کی آمد و رفت کے لئے رستہ صاف کر دیا اور ۱۸۱۸ء تک دخانی جہازوں کی آمد و رفت گلاسگو اور لورپول، بحر آئرلینڈ کے آرپار اور ڈوور اور کیلے کے درمیان جاری کر دیا۔

جس زمانے میں بحری انجن تجربے کے دور سے گذر رہا تھا، اس زمانے میں ابتدائی اقدام کرنے والے لوگ، لوہے کے جہاز بھی بنا رہے تھے۔ اس منصوبے کو ہنری کورٹ کے اس طریقے نے ممکن العمل بنایا جس میں بٹواں لوہے کو بیلن سے دبا کر پلیٹیں اور گرڈر بنائے جاتے ہیں۔ پہلی لوہے کی دخانی کشتی ٹپٹن کے مینلی نے بنائی اور اسے ۱۸۲۲ء میں بہ طور آزمائش، ٹیمس میں چلایا گیا۔ اس کے تین سال بعد برکن ہیڈ کے جان لیرڈ نے آئرلینڈ کی نہروں میں لوہے کی کشتیوں کو چلایا اور ۱۸۳۰ء میں مانچسٹر کے فیر بیرن نے فورتھ اور کلائیڈ کی نہر میں دنبالہ جہاز میں لگے ہوئے ایک چپو سے چلنے والی لوہے کی کشتی پر تجربہ کیا۔ ۱۸۳۰ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان فیر بیرن نے ٹیمس پر لوہے کا جہاز سازی کا کارخانہ کھولا اور نیپیر نے دریائے کلائیڈ پر اپنا کاروبار شروع کیا۔

۱۸۱۹ء میں بحری اٹلانٹک کو بادبانی اور دخانی انجن دونوں کے ساتھ سوانا نامی ایک امریکن کشتی نے عبور کیا۔ لیکن دراصل بھاپ کے ذریعے پورا سفر، رائل ولیم نے ۱۸۳۳ء میں بیس دن میں انجام تک پہنچایا۔ بحر اٹلانٹک کے آرپار، باقاعدہ سفر کا سلسلہ ۱۸۳۸ء تک جب لندن، برسٹل اور لورپول میں علحدہ علحدہ کمپنیاں قائم کی گئیں شروع نہیں ہو سکا۔ گریٹ ویسٹرن اسٹیم شپ کمپنی (برسٹل) نے اپنی لائن کا پہلا بڑا مسافری جہاز

Liner

گریٹ ویسٹرن" نامی تعمیر کیا۔ لیکن اسی زمانے میں لندن کمپنی نے "سیرس" نامی جہاز خرید لیا تھا۔ اس نے لندن سے کارک تک کا اور وہاں سے نیویارک تک کا سفر کیا اور اس بحری سفر میں سترہ دن لگے۔ "گریٹ ویسٹرن" جہاز نے اپنا سفر بہت بعد میں شروع کیا اور "سیرس" سے کئی دن بعد امریکا پہنچا۔

گرچہ یہ تینوں کمپنیاں تقسیم ہوگئیں لیکن ان کا اثر بہت زبردست ثابت ہوا۔ ۱۸۳۹ء میں کونارڈ کو حکومت کی طرف سے ایک بڑی رقم کی امداد اس شرط پر ملی کہ وہ اٹلانٹک کی ڈاک کو مقررہ اوقات پر لے جایا کرے۔ اس نے چار لائن[1] کے مسافری جہاز بنائے جو ہر لحاظ سے ایک دوسرے سے مشابہ تھے اور اس روپے کی امداد کے ذریعے جو اُسے ملی تھی اپنے تمام حریفوں کو ختم کر دیا۔

۱۸۳۹ء اور ۱۸۶۷ء کے درمیان دخانی جہازوں کی اکثر بڑی لائنوں کی بنیاد رکھی جا چکی تھی۔

۱۸۳۶ء میں جان ایرک سن نے پیچ کے ذریعے کشتی کے ٹھیلنے[2] کے امکانات کو ثابت کیا اور ۱۸۶۷ء میں ارشمیدیس نام کے جہاز میں ایک ٹھیلن[3] (پراپلر) لگا دیا۔ محکمہ بحر نے ۱۸۴۳ء میں پہلی بار پیچ کا استعمال کیا۔ لیکن در اصل ۱۸۶۰ء کے بعد لوہے پینیچ سے ٹھیلے جانیوالے جنگی جہازوں کو عام طور پر استعمال کرنا شروع کیا گیا۔ پیچ نے چپو کی جگہ آہستہ ہی آہستہ لی۔ ۱۸۶۰ء میں "گریٹ الیسٹرن" نے جس کا ڈزائن برونل نے بنایا تھا دونوں کو استعمال کیا۔ لیکن اس ڈزاین میں بہت زیادہ اولالعزمی پائی جاتی تھی اور اس زمانے میں اس قدر قوت محرکہ موجود نہیں تھی کہ اس جہاز کو کامیابی کے ساتھ چلا سکتی۔ لیکن اسے آنے والے جہازوں کا پیش خیمہ کہا جا سکتا ہے۔ ۱۸۶۱ء میں اسکاشیا نامی جہاز نے لورپول سے نیویارک تک نو دن میں سفر کو پورا کیا۔

۱۸۵۵ء اور ۱۸۶۰ء کے درمیان خاص ترقی یہ ہوئی کہ لکڑی کے چپو سے چلنے والے دخانی جہازوں کی جگہ لوہے اور پینیچ سے چلنے والے جہازوں نے لے لی۔ دوسرے عشرے میں مرکب انجن کا استعمال شروع ہوگیا جسے گوون کی فیرفیلڈ انجینیرنگ کمپنی

[1] Liner

[2] serew

[3] Propelsion

کے جان الڈر نے ایجاد کیا تھا۔ اس تدبیر سے ایندھن کی جو بچت ہوئی اس کی وجہ سے دخانی جہازوں کے ذریعے لانبے فاصلوں تک سامان کو لانا لے جانا نفع بخش ہو گیا۔ اس سے پیشتر ان کا استعمال زیادہ تر مسافر اور ڈاک کے تیز رفتار' باقاعدہ اور قابل اعتماد جہازوں میں کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ خوبصورت بادبانی جہازوں کی اہمیت زائل ہونے لگی حتٰی کہ اب "آوارہ گرد" جہاز بھی جن کے سفر کا کوئی مستقل راستہ نہیں ہوتا' اب دخانی قوت ہی سے چلائے جانے لگے ہیں۔ تگنے اور چوگنے پھیلاؤ کے انجن اس کے بعد میں استعمال میں لائے گئے۔ ۱۸۹۴ء میں پارسنز نے تربین (ٹربائن) کو ایجاد کیا اور گردشی انجن نے جو آبی انجن کی جگہ لینا شروع کر دی اور آج داخلی احتراق کا انجن' دخانی جہاز کو بہت تیزی کے ساتھ موٹر جہاز میں تبدیل کر رہا ہے۔

۱۸۸۰ء کے بعد بسے میر اور سیمنس کی ایجادوں نے جہاز کے لوہے کے ڈھانچے کو لایق استعمال بنا دیا ہے۔ تعمیر کے ساز و سامان اور انجنوں کے علاوہ گزشتہ پچاس سال میں ترقی کا خاص رخ جہاز کی قسموں کی تخصیص اور جہازوں کے سایز کے اضافے کی طرف رہا ہے۔ لوسی ٹانیا اور ماری ٹانیا جہاز' جو دونوں ۱۹۰۷ء میں بدنصیب ٹائی ٹینک جہاز کے ساتھ بنائے گئے تھے' عہد جدید کے کارناموں کی مثال کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں۔ پہلے دو کے لئے ستر ہزار گھوڑوں کی طاقت کی ضرورت ہوتی تھی جب وہ پچیس ناٹ فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے تھے۔

۱۹۱۰ء سے کونارڈ اور وائٹ اسٹار (جہازوں کی کمپنیاں) اور انگلستان' فرانس اور جرمنی کے درمیان شمالی بحر اطلانتک کی بحری آمد و رفت کے لئے مقابلے نے بڑے جہازوں کی ترقی کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس سمت میں جو ترقی جاری ہے اس میں رکاوٹ غالباً ڈزائن کی مشکلات کی وجہ سے اتنی پیدا نہیں ہو گی جتنی کہ گودیوں میں گنجائش کی کمی کی وجہ سے۔

انیسویں صدی میں گودیوں کی تعمیر میں ترقی کے ساتھ ساتھ دخانی جہاز رانی کی ترقی بھی ہوتی رہی۔ لندن میں گودی کی جدید ترقی کی ابتدا ۱۸۰۲ء میں ویسٹ انڈین گودی کی تکمیل سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد ۱۸۰۵ء میں ایسٹ انڈیا گودی کو بنایا گیا۔ دریا کے

۱؎ Expansion　۲؎ Tramp　Triple and Quadruple

جنوبی جانب کا نظام ۱۸۱۰ء میں سرے کمرشل ڈاک کمپنی نے شروع کیا پہلی گودی جس میں جدید آمدورفت کا انتظام ممکن ہے یعنی وکٹوریا گودی کو ۱۸۵۵ء میں برآسی نے تعمیر کیا تھا۔ اس کے بعد ۱۸۷۵ء میں رائل البرٹ اور ۱۸۸۲ء میں ٹل بری گودی کو بنایا گیا۔ ۱۹۰۸ء میں ٹیمس کا نظام پورٹ آف لندن اتھارٹی کی متحدہ نگرانی میں آگیا۔

لورپول کی گودیوں کا سلسلہ اٹھارویں صدی کے ابتدائی زمانے سے شروع ہوتا ہے لیکن جدید ترقیاں ۱۸۵۷ء سے شروع ہوتی ہیں جب مرسی کی گودیوں اور بندرگاہوں کا بورڈ بنا۔ ۱۸۵۸ء سے سات میل سے زیادہ لانبی گودیاں لورپول کی شمال جانب گہرے پانی کی سمت میں تعمیر کی جا چکی ہیں۔ جدید ترین گودی یعنی گلیڈ اسٹن (۵۵ ایکڑ) کا افتتاح ۱۹۲۷ء میں ہوا۔

جدید بحری آمدورفت کے لئے ساؤتھ ایمپٹن کو ۱۸۹۵ء میں جب پرنس آف ویلز کی گودی بنائی گئی از سر نو تعمیر کیا گیا۔ اس کے بعد سے ترقی غیر معمولی تیزی کے ساتھ ہو رہی ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ساؤتھ ایمپٹن کو گہرے پانی کی سہولتیں، لندن، لورپول، گلاسگو اور ہل کے مقابلے میں بہت زیادہ حاصل ہیں۔ موخرالذکر بندرگاہوں میں موجودہ زمانے کے اعلیٰ ترین جہاز صرف جوار بھاٹے کے چڑھاؤ کے وقت اندر داخل ہو سکتے اور باہر نکل سکتے ہیں اور رودبار کو صاف رکھنے کا خرچ بہت خاصا کرنا پڑتا ہے۔ ساؤتھ ایمپٹن میں بڑے سے بڑا جہاز ہر وقت، جوار بھاٹے کی چاہے جو بھی حالت ہو داخل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مسافروں کی آمدورفت، مرسی اور ٹیمس کو چھوڑ کر جنوبی ساحل کا رخ کر رہی ہے موجودہ صدی کے دوران میں، ٹرافلگر گریوینگ گودی، اوشن گودی اور فلوٹنگ گودی جو مجسٹک جیسے دنیا کے بڑے سے بڑے لائن کے جہاز کو ٹھیرا سکتی ہیں ساؤتھ ایمپٹن میں تعمیر کی گئی ہیں۔

۶۔ لندن پر اثر

لندن کو بے انتہا قدرتی سہولتیں حاصل تھیں اور وہ نئے آمدورفت کے ذرائع سے پورا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ جن پہاڑیوں سے وہ گھرا ہوا ہے ان میں ایسی وادیاں موجود ہیں جو پہاڑیوں کے سلسلے کے رخ سے بالکل عمودی رخ پر ہیں جس کی وجہ سے ریلوں کی تعمیر آسان ہو گئی ہے اور جہاز رانی کے ابتدائی زمانے میں اسے دوسرے شہروں کے مقابلے میں بے انتہا سہولتیں حاصل تھیں۔ لیکن آج یہاں سے

جہاز سازی کی صنعت بالکل غائب ہوگئی ہے گو تجارت عروج پر ہے۔ بحر اٹلانٹک کی تجارت کے لئے ساؤتھ ایمپٹن لورپول کا حریف بنتا جا رہا ہے۔ ہل کا حریف امنگھم ہے جو سمندر سے اس سے زیادہ نزدیک ہے۔ پلائی متھ اپنی پہلی جگہ پر قائم ہے البتہ فال متھ کی عظیم الشان بندرگاہ کو اس لئے چھوڑا جا رہا ہے کہ وہاں کی ریلوے لائن بہت دشوار گذار علاقے سے ہو کر گذرتی ہے۔ تمام مغربی بندرگاہوں کو اب گالوے یا اس کے قرب وجوار کی کسی بندرگاہ کی طرف سے اندیشہ ہے کیونکہ یہ امریکا سے تین دن کے فاصلے پر ہے۔ رود بار کی سرنگ اور اس کے ساتھ ساتھ اسٹرانریر سے لے کر لارن تک کی سرنگ شمالی مغربی یورپ کی جہاز رانی میں انقلاب پیدا کردے گی۔

۷۔ ٹرام

اب ہمیں قوت محرکہ کے ذریعے سفر کے جو اور نئے طریقے نکلے ہیں ان پر غور کرنا چاہئے ٹراموں کا مقابلہ ہلکی ریلوں سے کیا جاسکتا ہے اور ان کی اہمیت مخصوص طور پر مقامی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادارۂ عامہ کی ان پر نگرانی ہوا کرتی ہے۔ یہ لفظ غالباً سویڈن کی زبان کے لفظ سے ماخوذ ہے جس کے معنی لکڑی کے لٹھ کے ہیں۔ یہ لکڑی کے لٹھ ابتدائی ریل گاڑیوں کے لئے پٹریاں بنانے کے واسطے استعمال کئے جاتے تھے۔ اس لفظ کا انجینیر آؤٹ رم سے جس نے ٹرام کو بنایا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ٹرام کی جدید مثالیں ۱۸۳۲ء سے شروع ہوتی ہیں جب ایک ٹرام نیویارک میں بنائی گئی اور دوسری کچھ عرصے بعد فلاڈیلفیا میں۔ یہاں کمپنی کو آرام دہ لیکن خطرناک قدمچہ دار پٹری کو ترک کرکے نالی دار پٹری کو استعمال کرنا پڑا۔

انگلستان میں ٹرام کو ۱۸۶۰ء میں ٹرین نامی ایک شخص نے جاری کیا۔ انھیں گھوڑوں سے چلایا جاتا تھا۔ یہ طریقہ اب تقریباً بالکل فنا ہوگیا ہے۔ ۱۸۸۰ء کے قریب گھوڑوں کی جگہ بھاپ کی قوت کو استعمال کیا جانے لگا اور اس کے لئے ٹھوس پٹریاں ضروری ہوگئیں۔ ۱۸۸۴ء میں کیبل سے چلنے والی ٹرین میں جاری ہوئیں ان میں خرابی یہ تھی کہ ان کی تعمیر میں بہت صرفہ ہوتا تھا اور ان کی رفتار سست ہوتی تھی۔ لیکن ان کے چلانے کا خرچ بہت کم ہوتا تھا اور ان ٹراموں کو کھڑے ڈھلانوں پر بھی استعمال کیا جاسکتا تھا۔ یہ نظام ہیٹ لاک اور دوسری جگہوں میں بہت کم اب تک موجود ہے۔

بھاپ کی گاڑیوں کی جگہ بجلی کی گاڑیوں نے لی۔ یہاں یہ نظام تقریباً ۱۸۹۰ء میں شروع ہوا۔ یہ گاڑیاں تیز رفتار اور قابل اعتماد ہوتی ہیں اور ان کے چلانے کا خرچ بھی

کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ اس کے دو نظام پائے جاتے ہیں۔ ایک نظام میں بجلی کے تار سے ملانے والی پھرکی کو اوپر لگایا جاتا ہے اور دوسرے میں زمین کے نیچے۔ جن شہروں میں گرجاگھر ہیں مثلاً لنکن وہ پہلے طریقے کی بدنمائی پر بجا طور پر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن تعمیر اور مرمت کی سہولت اور خرچ کی کمی کو اس طریقے کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے اوپر کی پھرکی کا رواج تقریباً ہر جگہ عام ہے۔

بجلی کی ٹرام کے بعد ترقی کی دوسری منزل شہری ریلیں ہیں۔ ان کی تعمیر بہت پُرمصارف ہوتی ہے لیکن لندن اور گلاسگو جیسے بڑے مرکزوں میں ان پر مسافروں کی آمد و رفت بہت رہتی ہے۔ اس کے لئے دو نظام استعمال کئے جاتے ہیں۔ لندن کی سرنگ کی ریلیں بہت گہرائی میں ہیں اور ان کا سطح کے حالات سے بہت کم تعلق ہے۔ ان تک پہنچنے کے لئے لفٹ استعمال کئے جاتے ہیں جس میں بہت وقت صرف ہوتا ہے اور بڑی زحمت اٹھانا پڑتی ہے۔ کم گہری سرنگوں کے نظام میں سڑکوں کی بنیادوں اور پانی کے نکاس کے انتظاموں کی وجہ سے بہت بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دار السلطنت کی اہم ریل کا نظام درمیانی درجے کا ہے۔ شروع میں بھاپ سے چلنے والی ریلیں (مثلاً شہر اور جنوبی لندن کی) زیر زمین راستوں کی ہوا کو زہر آلود کر دیا کرتی تھیں۔ اس لئے اب لندن کی شہری ریلوں کو برقا دیا گیا ہے اور بجلی کی ریلوں کی لائنیں دیہات میں دور تک چلی جاتی ہیں۔ لورپول کی اوپر کی ریل کا بھی یہی حال ہے۔

ٹراموں اور شہری ریلوں کا ایک بہت بڑا معاشری فائدہ ہے۔ ان کی وجہ سے شہر میں کام کرنے والے لوگوں کو دیہات میں رہنے کا موقع مل جاتا ہے۔ جب شہر پیچھے رہ جاتا ہے تو وہ امکانی علاقہ جس میں عمارتیں تعمیر کی جا سکتی ہیں بڑھ جاتا ہے۔ شہر سے جو جگہ دو میل کے فاصلے پر ہے اس کے مقابلے میں ایسی جگہ میں جو دس میل کے فاصلے پر ہے زمین زیادہ موجود ہوتی ہے اس کی وجہ سے متوسط اور اونچے طبقے کے لوگ بھی شہر کا رہنا ترک کر دیتے ہیں اور ان کے بڑے بڑے مکانات چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اس طرح شہر کی گنجان آبادی میں دو طرح سے آرام رساں کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمارے اس بیان سے اس طرف توجہ ضرور مبذول ہوئی ہوگی کہ پرانے ریل کے ٹھیلوں کے نظام کے مقابلے میں جنھیں صرف وزنی چیزوں کو منتقل کرنے کے لئے

استعمال کیا جاتا ہم نے اب کتنی ترقی کر لی ہے۔ ٹرام کا نظام ایسی شارع عاموں کے لئے جن پر آمد و رفت زیادہ رہتی ہو خرابیوں سے پاک نہیں ہے اور اس کی جگہ آیندہ موٹر بس کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ موٹر کار ٹریویتھک کی دخانی گاڑی کے بعد ۱۸۰۲ء میں ایک ترقی ایسی کی گئی جس کے نتائج بہت امید افزا معلوم ہوتے تھے۔ ۱۸۲۴ء میں موٹر کوچ کا نظام جاری کیا گیا لیکن اس کی بہت مخالفت کی گئی۔ ۱۸۶۵ء میں اسے ایک ایسے قانون کے ذریعہ ختم کر دیا گیا جس کی رو سے یہ ضروری ہو گیا کہ گاڑی کے چلانے کے لئے تین آدمیوں کو ملازم رکھا جائے زیادہ سے زیادہ رفتار چار میل فی گھنٹہ ہو اور ایک آدمی سرخ جھنڈی لئے آگے آگے چلتا رہے۔ ۱۸۸۵ء میں بٹلر نے ایک تین پہیوں کی موٹر سائکل ایجاد کی جو داخلی احتراق کے انجن سے چلتی تھی اور ڈیملر نے اپنی موٹر بائیسکل میں پٹرول کا استعمال کیا۔ موٹر کاروں نے رفتہ رفتہ مکمل شکل اختیار کر لی۔ ۱۸۹۵ء میں ۱۸۶۵ء کا قانون منسوخ کیا گیا جب کہ پٹرول سے چلنے والی گاڑیوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ایک انقلاب کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ وزنی تجارتی گاڑیاں ہمارے لئے زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں۔ بھاپ کا استعمال، سڑک دبانے والے انجنوں اور وزنی چیزوں کے کھینچنے کے لئے ایک طویل زمانے سے کیا جا رہا ہے لیکن اب پٹرول کے انجنوں کا استعمال کیا جانے لگا ہے۔ اسی اصول پر موٹر کشتیوں میں بھی عمل درآمد ہو رہا ہے اور ان خود بخود چلنے والی بیٹری گاڑیوں میں بھی (جن کے لئے انجن علیحدہ نہیں لگایا جاتا) اور جو ان لائنوں پر چلتی ہیں جہاں مسافروں کی آمد و رفت کم ہوتی ہے۔

موٹر کار کی صنعت نے بے انتہا ترقی کی ہے اور اس کی ترقی ابھی جاری ہے۔ ۱۹۱۱ء کی ریلوں کی بڑی ہڑتال کی وجہ سے سڑک کے نقل و حمل کے کام کو ترقی کرنے کا خوب موقع ملا۔ اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شائد بڑی سڑکوں کو پرانی اہمیت دوبارہ حاصل ہو جائیگی پنائین کے آر پار اور ایک طرف ہڈرس فیلڈ اور اولڈہم کے درمیان اور دوسری طرف ہیلی فیکس اور راشڈیل کے درمیان باقاعدہ طور پر بہت زیادہ آمد و رفت رہتی ہے۔ یہاں آمد و رفت میں جو مشکلات ہیں ان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ریلیں اور نہریں موجود ہیں لیکن پھر بھی سڑکوں کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ لندن میں کرایے کی بس، سب سواریوں پر

غالب ہے اور تقریباً تمام صوبوں کے شہر بھی باہم اسی طرح منسلک ہو گئے ہیں۔ اگر ترقی کا سلسلہ جاری رہا (اور موٹر کی صنعت ابھی نوخیزی کے دور ہی سے گذر رہی ہے) تو نتیجہ ایسا ہی حیرت انگیز ثابت ہوگا جیسا کہ ریلوں کے جاری ہونے سے برآمد ہوا تھا۔ بیسویں صدی میں، سائکل اور موٹر کی صنعت ہی کی وجہ سے 'کوونٹری کی ترقی' انگلستان کے تمام دوسرے شہروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ تیزی کے ساتھ ہوئی۔

۹۔ ہوائی پرواز ۱۹۱۴ء میں یورپ کی جنگ کے شروع ہونے سے پہلے 'ہوائی جہاز تجربی دور سے گذر رہے تھے۔ جنگ کے زمانے میں البتہ ان کی ترقی تیزی سے شروع ہو گئی۔ ۱۸۹۰ء کے قریب میکسیم نے بھاپ سے چلنے والے ایک ہوائی جہاز کا نمونہ بنایا تھا۔ اس سلسلے میں لی لنتھل (جرمنی)، پلچر (انگلستان) اور چین یوٹ (امریکا) کا شمار حقیقی اقدام کرنے والوں میں کیا جا سکتا ہے۔ رائٹ برادران (امریکا) نے ۱۹۰۵ء میں پٹرول سے چلنے والے موٹر کے ذریعے ایک منٹ تک پرواز کر کے دکھائی اور دو سال بعد انھوں نے بائیس میل تک پرواز کی۔ ۱۹۰۸ء میں ولبر رائٹ ہوا میں دو گھنٹے سے زیادہ ٹھیرا رہا اور اس کے دوسرے سال پیشتر کے دو پنکھی ہوائی جہاز کے مقابلے میں ایک پنکھی جہاز رونما ہوئے جو ان سے زیادہ سبک، تیز اور نقل پذیر تھے۔ بلیریو نے رودبار انگلستان کو عبور کیا اور پالہن، لندن سے مانچسٹر تک چوبیس گھنٹے میں پرواز کی۔ ۱۹۱۰ء میں کوہ آلپس عبور کیا گیا اور اس کے دوسرے سال برطانیہ عظمیٰ کے گرد مکمل چکر لگایا گیا۔ ۱۹۱۸ء تک، فوجی ضرورت نے اعلیٰ درجے کی کارگذاری پیدا کرنے کی طرف مائل کیا اور جنگ کے بعد نقل و حمل کے اس نئے طریقے کے تجارتی استعمال کے لئے ہر لحاظ سے چاہے تیز رفتاری کے معیار کو سامنے رکھا جائے چاہے بار برداری اور قوت برداشت کے معیار کو یکساں طور پر راستہ صاف ہو گیا۔ بحر اٹلانٹک کو بھی عبور کر لیا گیا ہے اور ڈاک، مسافر اور مال کی آمد و رفت کا باقاعدہ سلسلہ برطانیہ کے اندر اور یورپ کے ساتھ قائم ہو گیا ہے۔ ۱۹۲۴ء میں کوئی اٹھائیس ہزار تین سو پچاس تجارتی پروازیں کی گئی تھیں جس میں دس لاکھ میل سے زیادہ کا سفر کیا گیا تھا اور ستاون ہزار دو سو بائیس مسافر اور پانسو اکتالیس ٹن مال لے جایا گیا تھا اور اس پورے کام کے انجام دینے میں صرف دو حادثے ہوئے تھے۔ تین سو میل فی گھنٹہ کی رفتار حال ہی میں حاصل کر لی گئی ہے۔ لیکن تجارتی حیثیت

سے زیادہ اہم چیز چاہے اس کے موجودہ اہمیت کتنی ہی کم کیوں نہ نظر آئے یہ ہے کہ بحرِ اٹلانٹک کو دوبارہ اور بحرِ الکاہل کو پہلی بار عبور کر لیا گیا ہے۔ ہوائی پرواز میں جتنی تیزی سے ترقی ہو رہی ہے اس کی وضاحت اس واقعہ کے پیش کرنے سے ہو جائے گی کہ برطانیہ کی تنہا ایک کمپنی کے جہازوں نے گذشتہ تین سالوں میں بیس لاکھ میل سے زیادہ کا سفر کیا ہے اور تقریباً پچاس ہزار مسافروں کو سفر کرایا ہے۔[1]

---

[1] سنہ ۱۹۲۸ء کے بعد سے ہوائی پرواز نے اتنی ترقی کی ہے کہ اس کو اس جگہ تفصیل سے بیان کرنا ناممکن ہے۔

ضمیمۂ باب چہارم: تار برقی کے اشتہار کی ایک عکسی تصویر کا ترجمہ

عجوبۂ روزگار ایجاد !!

فوری و آنی سلسلۂ مراسلت

زیر سرپرستی خاص علیاحضرت و اعلحضرت شاہ البرٹ گلوانی اور برقی مقناطیسی

تار برقی

گریٹ ویسٹرن ریلوے پر

اسے اتوار کے سوا، ہر روز مستقل طور پر کام کرتا ہوا نو بجے صبح سے آٹھ بجے شام تک دیکھا جاسکتا ہے

مقام ٹیلیگراف آفس، لندن ٹرمی نس، پیڈنگٹن

اور ٹیلیگراف آفس، سلف اسٹیشن

یہ نمایش ایسی ہے جس کے بارے میں بے شمار تماشائیوں نے اعتراف کیا ہے کہ اس دارالسلطنت کی تمام نمایشوں سے زیادہ دلچسپ اور دلکش ہے۔ تماشائیوں کی فہرست میں یورپ کے کئی تاجدار حکمرانوں اور انگلستان کے تقریباً تمام طبقۂ امرا کے لوگوں کے نام موجود ہیں۔

"یہ نمایش جس نے پبلک کی توجہ کو آج کل بے انتہا مائل کر رکھا ہے اس بات کی مستحق ہے کہ اس کا ایک بار وہ سب لوگ تماشا دیکھیں جنھیں سائنس کے عجائبات دیکھنے کا شوق ہے" مارننگ پوسٹ

تار برقی اپنے پیغاموں کی نوعیت اور وسعت کے لحاظ سے غیر محدود ہے۔ اس غیر معمولی ذریعے سے لندن کا ایک شخص نیویارک یا کسی اور مقام سے چاہے وہ کتنا ہی دور کیوں نہ ہو اتنی ہی آسانی اور اتنی ہی تیزی سے گفتگو کر سکتا ہے جیسے کہ گویا دونوں فریق ایک ہی کمرے میں بیٹھے گفتگو کر رہے ہوں۔ تماشائیوں کے مجوزہ سوالات اس آلے کے ذریعے کئے جائیں گے جن کے جواب فوراً بیس میل کے فاصلے سے ایک دوسرا شخص دیتا رہے گا اور یہ شخص ان کی درخواست پر نا قابل یقین مختصر مدت میں جب اُسے اس کام کا اشارہ کیا جائے گا گھنٹی بجائے گا یا ایک توپ کو داغے گا۔

بجلی کا مایع دو لاکھ اسی ہزار میل فی سکنڈ کی رفتار سے سفر کرتا ہے۔

اس کی طاقتور وساطت سے قاتلوں کو گرفتار کیا گیا ہے (جیسا کہ حال ہی میں ٹاول نام کے ایک قاتل کو گرفتار کیا گیا) چوروں کا سراغ لگایا جاتا ہے آخر میں (اور اس بات کو آپ کم اہم نہ سمجھیے) طبی امداد کو وقت پر ان بیماریوں میں بہم کیا جاسکتا ہے جو بغیر اس کے مہلک ثابت ہو سکتی ہیں۔

اس حیرت انگیز ایجاد کی قومی اہمیت اس قدر ظاہر و روشن ہے کہ اس کی خوبیوں کو مزید بیان کرنا تحصیل حاصل ہے۔

(نوٹ) پیغام ادھر ادھر نہایت راز داری کے ساتھ روانہ کئے جاتے ہیں پیغام پہنچانے والے ہر وقت کام کرتے رہتے ہیں۔ اسی لئے جو پیغام تار کے ذریعے آتے ہیں وہ اگر ضرورت ہو تو لندن، ونڈسر، اٹین وغیرہ کے ہر حصے میں پہنچائے جاسکتے ہیں۔

داخلہ ایک شلنگ

ٹی۔ ہوم لائسنس دار

طابع نرٹن، ۴۸ چرچ اسٹریٹ۔ پورٹ مین مارکٹ

اوپر تار برقی کا ایک ابتدائی اشتہار درج کیا گیا ہے۔

ویٹ اسٹون نے جدید تار برقی کی بنیاد ۱۸۳۷ء میں رکھی اور بل نے ۱۸۷۶ء میں ٹیلیفون کی۔

باب ۵

زرعی انقلاب

۱۔ پرانا نظام قوم کے مختلف معاشی مشاغل کے درمیان، اگرچہ ہم نے تفریق پیدا کردی ہے لیکن ان میں باہم جو تعلق ہے اس کو برابر پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ سنہ ۱۷۶۰ء کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ صنعت کی تبدیلیوں کے علاوہ، دوسری چیزوں میں بھی تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں۔ ابتدا میں، ہماری طبیعت اس بات کو محض اتفاقی تطابق پر محمول کرنے کی طرف مائل نظر آتی ہے۔ لیکن اس نظریہ کو ہم قبول نہیں کرسکتے۔

جب شہروں کی آبادی کچھ تو قدرتی اسباب اور کچھ دیہات سے نقل سکونت کی وجہ سے بڑھنا شروع ہوئی تو ظاہر ہے، غذا کی ضرورت زیادہ ہوگئی۔ شہر کے باشندوں کی بڑھتی ہوئی دولت نے، اُس سیاسی جذبے کی نشو و نما کے ساتھ مل کر، جو آبادی کے اضافے کے موافق اس اثر کو اور بھی زیادہ شدید کردیا۔ اچھے کاشتکار زمین چھوڑ کر جا چکے تھے۔ جو رہ گئے تھے وہ قدیم رہنا چاہتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ زراعتی پیداوار کے لئے خرچ میں نہ صرف غلہ شامل تھا بلکہ صنعتی کام کے لئے اُون اور کتان بھی شامل تھا۔ طلب متواتر بڑھ رہی تھی اور اس طلب کو پورا کرنا ممکن نہیں تھا۔ سنہ ۱۷۷۰ء میں انگلستان نے

غلے کو برآمد کرنا بند کر دیا۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ "بے احاطہ کھیتی"[1] کے نظام میں لازمی طور پر ایک پائداری پائی جاتی تھی۔ گو یہ مکمل نہیں تھا لیکن ایک حد تک تبدیلی کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ البتہ اس حد کے گذر جانے کے بعد یہ نظام تیزی کے ساتھ ٹوٹ سکتا تھا۔ عہد وسطیٰ میں صنعت کے اندر جرگے[2] کا جو نظام پایا جاتا تھا، زراعت کے اندر یہ نظام اسی کا ایک جواب یا مثنیٰ تھا۔ اگر یہ حالات آج ہوتے تو غیر ملکوں سے زائد رسد منگالی جاتی۔ لیکن اس وقت آسٹریلیا، گیاہستان[3] اور ارجنٹائن کے علاقوں سے تجارت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ دوسری طرف یورپ کی مختصر پیداوار کو 'تجارت[4] کے نظام کی پابندی کی وجہ سے محاصل درآمد کے ذریعے ملک کے اندر داخل نہ ہونے دیا جاتا تھا۔

غرض اس طرح پرانے طریقوں اور نظاموں کے خاتمے کا زمانہ آپہنچا تھا اور یہ تبدیلی اتنی تیزی سے واقع ہوئی کہ اسے بجا طور پر "زراعتی انقلاب" سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ تخمیناً اس کے زمانے کو ۱۷۶۰ء تا ۱۸۳۰ء کے سالوں پر مشتمل کہا جا سکتا ہے۔ پرانے ناقص نظامات اور طریقے اس لئے چلتے رہے کہ پیداوار کی طلب آہستہ آہستہ بڑھی اور موجودہ اداروں کو بغیر گڑبڑ پیدا کئے ہوئے ضروری تبدیلیاں کر کے نئے حالات کے مطابق بنایا جا سکا۔ ۱۷۶۰ء میں احاطہ بندی تقریباً ختم ہو گئی تھی۔ معافی دار[5] کسانوں کا طبقہ ابھی تک غائب نہیں ہوا تھا اور تجربوں کو بہت سے لوگ ناقابل عمل سمجھتے تھے۔

(۲) انقلاب کا سبب اور نتیجہ

یوں تو زراعت پیشہ آبادی کے اندر بھی کچھ مفید طاقتیں کام کر رہی تھیں لیکن حقیقی محرک قوت باہر ہی سے آئی۔ ہمیشہ کی طرح یہاں بھی، سبب اور نتیجے کی تحقیقات کرنے میں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا رہتا ہے۔ لیکن غالباً یہ کہنے میں ہم حق بجانب ہیں کہ زراعتی انقلاب، صنعتی انقلاب کے مقابلے میں ثانوی درجہ رکھتا تھا اور اول الذکر موخر الذکر کا براہ راست نتیجہ تھا گو اس کے لئے زمین پہلے سے تیار ہو چکی تھی۔ زراعتی انقلاب نے صنعتی ترقی کی مکمل نشو و نما کو ممکن بنایا لیکن اس کی نوعیت اتنی چونکا دینے والی اور اپنے اثرات کے اعتبار سے دور رس نہیں تھی کہ

۱ۓ Open-Field Systen   ۲ۓ Gild System

۳ۓ Prairies.   ۴ۓ Msrcantile Syste

وہ اس ترقی کی تیزی کا براہِ راست ایک ذریعہ بن سکتی۔ زراعتی انقلاب ضرور آتا اور اس کی پیشین گوئی اس وقت کر دی گئی تھی جب صنعتی ترقیوں کا کسی نے خواب بھی نہیں دیکھا تھا لیکن صنعتی انقلاب نے اس کی آمد کا وقت معین کر دیا۔

بہر حال بحیثیت مجموعی انسانوں کی معقول رائے غالباً یہی ہوگی کہ صنعتی انقلاب فائدہ رساں ثابت ہوا اگرچہ فوری طور پر اس کی وجہ سے سخت خرابیاں پیدا ہوئیں۔ زراعت کے بارے میں بھی، لوگ اسی نتیجے پر پہنچیں گے۔ لیکن یہاں خراب اثرات اتنے نمایاں نہیں تھے کیونکہ یہ انقلاب اتنے فوری اور موثر طریقے پر نہیں ہوئے جتنا کہ اس کے ساتھ کا انقلاب ہوا تھا۔ اور ان خراب اثرات کی یہاں نسبتہً ضرورت بھی کم تھی۔ کیونکہ یہاں ترقی تدریجی طور پر کی جا سکتی تھی بلکہ اس کو اس وقت سے بہت پہلے شروع ہو جانا چاہئے تھا۔ البتہ بعض نقصان دہ تبدیلیاں دائمی ہوگئی تھیں۔

اس کے بعد، یہ تبدیلی ذرائع نقل و حمل کی تبدیلی کے ساتھ بھی وابستہ نظر آتی ہے۔ لیکن یہاں ہمیں یہ بات کہہ دینا چاہیے کہ زراعت کی ترقیوں کا اثر، نقل و حمل پر، صنعت کے مقابلے میں زیادہ راست طریقے پر پڑا۔ خصوصاً دیہی علاقوں میں سڑکیں، بڑی حد تک زراعتی پیداوار ہی کے لئے استعمال کی جاتی تھیں اور جہاں شہری علاقہ تھا وہاں بھی جب نقل و حمل کو ترقی ہوئی تو زراعتی رسد کو زیادہ دور سے منگایا جا سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پیداوار کی ترقی کی وجہ سے سڑکوں کو بہتر بنانے کے کام میں تیزی پیدا ہوئی۔ پھر بعد میں، اس کا اثر بھی، زراعتی پیداوار پر پڑا اور زراعت کا کام ان علاقوں میں جہاں پہلے رسائی ممکن نہیں تھی، شروع کیا جا سکا۔ نہروں اور ریلوں کی ترقی بھی اسی طریقے پر ہوئی۔ ابتدائی ریلوں کی وجہ سے پیداوار میں جتنی سستی ہوگئی تھی اس کا ذکر کیا جا چکا ہے اور اُس مثال کو نمونے کی مثال سمجھا جا سکتا ہے۔

زائد پیداوار ظاہر ہے دو طریقے پر ہی حاصل کی جا سکتی تھی یا تو جو زمین لوگوں کو میسر آسکتی تھی اس کی مقدار کو بڑھایا جاتا یا پھر جو زمین لوگوں کے استعمال میں تھی اس سے زیادہ نفع بخش طریقے پر کام لیا جاتا۔

۲۔ زمینوں کی آباد کاری[1]	کسی نئے زرخیز ملک کی مثال کو سامنے رکھکر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا

[1] Settlement

کہ اس میں بہترین زمینیں سب سے پہلے آباد کی جاتی ہیں۔ یقیناً کچھ زمینیں ایسی ہوتی ہیں جن میں دلدل ہوتی ہے یا جنگل ہوتے ہیں اور انھیں صاف کرنے کے بعد بہت زرخیز بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن وقتی طور پر ان کا شمار غیر زرخیز زمینوں ہی میں کیا جاتا ہے۔ نو واردوں کو انتخاب کا موقع زیادہ ہوگا اور وہ ایسی زمینیں آباد کرنا شروع کریں گے جو زرخیزی اور رسائی کے لحاظ سے دوسرے درجے پر ہوں گی۔ اب اگر زمین سستی یا مفت مل رہی ہو تو کاشتکاروں کا فائدہ اس میں ہوگا کہ بڑے رقبے پر پھیلا کر ہلکی کاشت کریں کوئی زحمت نہ اٹھائیں اور فصل کو اپنی نگرانی خود کرنے دیں۔ اس کو "وسیع" کاشت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جب آبادی بڑھ جائے گی تو زمین کے دعوے دار زیادہ ہو جائیں گے اور لگان (قانون طلب اور رسد کے مطابق) بڑھ جائے گا۔ اس لئے اب زیادہ سرمایہ اور محنت کو، اس زمین پر لگانا جو اپنے قبضے میں ہے نفع بخش نظر آئے گا۔ جہاں زمین مفت مل رہی ہو وہاں بھی ایک حد ایسی آسکتی ہے جب کاشت کو وسیع کرنے کے مقابلے میں، موجودہ زمین کو کاشت کرنا ہی زیادہ نفع بخش ثابت ہوتا جب زمین کے ایک چھوٹے سے قطعے پر بہت سا سرمایہ اور محنت لگائی جاتی ہے تو یہ "عمیق" کاشت کہلاتی ہے۔

۴۔ لگان

فرض کیجئے، تمام زیادہ زرخیز زمین آباد ہو گئی ہے۔ ایسی صورت میں نئی زمین کا ادنٰے درجے کا ہونا لازمی ہو جاتا ہے اور اس کی پیداوار بھی لازمی طور پر پہلی زمین کے مقابلے میں کم ہوگی۔ چنانچہ کاشت کو جتنا پھیلایا جاتا ہے پیداوار میں اتنی ہی کمی ہوتی جاتی ہے۔ اگر زمین کے کسی نئے قطعے کے جوتنے سے بس واجبی نفع مل رہا ہے تو ابتدائی زمینوں کے جوتنے سے بہت زیادہ نفع ملنا لازمی ہے۔ اس لئے جو زمینیں سب سے زیادہ زرخیز ہیں ان سے زیادہ لگان حاصل ہوگا۔ اگر کوئی ایسا زمیندار ہے جو اپنے فائدے پر نظر رکھتا اور موقع کو سمجھتا ہے تو زمین کے کسی ایک قطعہ کا لگان، قدر کے اس پورے فرق کے مساوی ہوگا جو اس کے اور کم ترین نفع رساں زمین کے درمیان پایا جائے۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ اتنا لگان وصول بھی کیا جائیگا یا نہیں۔ کبھی کبھی اس "معاشی لگان" سے زیادہ وصول کیا جاتا ہے "کمر توڑ لگان"[ا] کی

ا۔ Rack-Rent

وہ صورت پیدا ہو جاتی ہے جس سے آئرلینڈ کے کسان واقف ہیں۔

آخر میں ایک وقت ایسا آئے گا جب ابتدائی زمین پر عمیق کاشت کی جائے گی لیکن زمین پر چاہے جتنا کام کیا جائے کچھ عناصر ایسے ہیں مثلاً سورج اور ہوا جو آدمی کے قابو سے باہر ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ جب وہ اپنی محنت اور سرمائے کو دوگنا کر کے لگاتا ہے تو اس کی پیداوار میں (اگر دوسری چیزوں میں کوئی تبدیلی نہ ہو) دوگنے سے کم کا اضافہ ہوتا ہے۔

غرض، یہاں بھی ایک انتہائی حد آجاتی ہے اور وسیع کاشت اور عمیق کاشت میں توازن رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ قاعدہ تقریباً ہر جگہ کام کرتا نظر آتا ہے اور اسے "قانون تقلیل حاصل" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

آخری سرمایہ وغیرہ ناموافق حالات میں لگایا جاتا ہے۔ جب وہ بھی نفع بخش ہو تو پہلے لگائے ہوئے سرمائے کو تو نسبتہً بہت زیادہ نفع بخش ہونا چاہئے۔

چنانچہ کسان ایسی محنت اور سرمائے پر جو موافق ترین حالات میں لگایا گیا ہوگا، لگان ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہے کیونکہ ان سے اسے زیادہ بچت ہوتی ہے اور ایک نفع اندوز زمیندار اس لگان کو کبھی نہیں چھوڑتا۔

ایک کسان کو اس طرح خوش تدبیری کے ساتھ کام کا انتظام کرنا چاہئے کہ چاہے وہ کاشت کے وسیع کرنے میں روپے زیادہ لگائے چاہے اپنی پرانی زمین میں، ہر صورت میں اس کا منافع دوسری صورت کے مقابلے میں کم یا زیادہ نہ ہونے پائے۔ اس اصول پر بالکل ٹھیک ٹھیک عملدرآمد تو کبھی بھی نہیں ہو پاتا۔ یہ ایک نصب العین ہے اور سب کسانوں کو ان کی مخصوص حالت کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ نفع یا تو نئی زمین کے خریدنے یا پرانی زمین پر زیادہ احتیاط سے کام کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

غرض، جس طرف بھی کسان رخ کرتا ہے اس کو رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جہاں کہیں زراعتی پیداوار کے اضافے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اس زاید پیداوار کو، زیادہ لاگت پر ہی فراہم کیا جا سکتا ہے۔ زاید پیداوار کو کسان اس وقت تک نہیں بوئے گا جب تک اس کا بونا نفع بخش نہیں ہوگا اور وہ اپنی پوری پیداوار کی ایک ہی قیمت وصول کرے گا۔ چنانچہ قیمت کا تعین، بیشتر مصارف کی پیداوار کرے گی

اور طلب کے اضافے کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہو جائے گا۔
قیمتوں کا اضافہ زراعت کے کام کو نفع بخش بنا دے گا اور زراعت پیشہ آبادی اپنی پیداوار کو بڑھانے کی کوشش کرے گی۔ عام طور پر مشکلوں کا سامنا کرنے کے بعد ہی پیداوار کو بڑھایا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے قیمت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح قانون تقلیل حاصل پر قابو پایا جائے۔

۵۔ احاطہ بندی

اس عقدے کا حل "اگر دوسری چیزوں میں کوئی تبدیلی نہ ہو" کی شرط میں (ملاحظہ ہو گزشتہ فصل) مضمر ہے۔ اگر پیدائش کے اضافے کا محرک ایسا زبردست ہو کہ وہ کسان کو جھنجھوڑ کر اپنے قدیم طریقوں کو چھوڑنے اور ان رکاوٹوں کو صاف کرنے پر مجبور کر دے جنھیں بہت پہلے صاف ہو جانا چاہیے تھا تو زائد پیداوار کو بغیر نقصان برداشت کئے حاصل کیا جا سکتا ہے اور یہ اضافہ نئے طریقوں اور عملوں کے اختیار کرنے کے لئے براہ راست محرک ثابت ہوگا۔
یہ صورت ۱۷۶۰ء کے بعد واقعی رونما ہوئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ نئی زمین کو حاصل کرنے کی تحریص بھی موجود تھی۔ اس کام کو بڑے زمیندار دو طرح کر سکتے تھے یا تو شاملات دہ کی زمینوں پر اپنا اجارہ قایم کر کے یا بنجر زمینوں کو اپنی کاشت میں لا کر۔ اس کام میں اور زمین کے بہتر طور پر استعمال کرنے میں ایک باہمی ربط پایا جاتا ہے۔ نئے طریقوں کو بے احاطہ[1] زمینوں میں جاری نہیں کیا جا سکتا۔ اچھی کاشت کے لئے یہ ضروری تھا کہ پہلے زمین کی از سر نو تقسیم کی جائے۔
چنانچہ سب سے پہلے احاطہ بندی کی تحریک نمایاں ہوئی۔ اس میں اور ٹیوڈر (شاہی خاندان) کے زمانے کی احاطہ بندی میں مشابہت کا پہلو تو یہ تھا کہ یہ بھی بڑے زمینداروں کے لئے کی گئی تھی۔ لیکن بنیادی فرق یہ تھا کہ اس کے سامنے پیداوار کو بڑھانے کا مقصد تھا۔ اس احاطہ بندی کو چراگاہ کے لئے نہیں بلکہ کاشت کے لئے کیا گیا تھا۔ اکثر صورتوں میں اس زمانے میں بھی شاملات دہ کے حقوق کی طرف سے ویسی ہی لاپروائی برتی گئی۔ بے احاطہ کھیتوں کے پٹہ داروں کو چاہے وہ راضی ہوئے

---

[1] Open Field

یا نہ ہوئے بے دخل کر دیا گیا۔ احاطہ بندی کے مصارف بہت تھے کیونکہ ایک نجی قانون کو پارلیمنٹ میں منظور کرانا پڑتا تھا اور ہمیں ان قوانین کی تعداد ہی سے دراصل اس تحریک کے سراغ لگانے کا موقع مل سکا ہے۔

سنہ ۱۷۶۰ء سے پہلے بھی قابل زراعت زمین کو بڑھانے کی کوشش کی گئی تھی بلکہ احاطہ بندی سترھویں صدی کے پورے زمانے میں مسلسل طور پر جاری رہی تھی لیکن سنہ ۱۷۶۰ء کے بعد اس تحریک کی وسعت بہت بڑھ گئی اور سنہ ۱۸۰۰ء کے ٹھیک بعد اپنی انتہائی حد تک پہنچ گئی۔

جنگ کا زمانہ، احاطہ بندی کے لئے بہت ترقی کا تھا۔ سنہ ۱۷۹۸ء تا سنہ ۱۸۱۰ء تک پارلیمنٹ نے نو سو چھپن مسودوں کی منظوری دی اور سنہ ۱۸۱۱ء سے سنہ ۱۸۲۰ء تک سات سو اکھتر کی۔

زمین کی احاطہ بندی کا عام طریقہ یہ تھا کہ پارلیمنٹ میں ایک درخواست، مقامی حقوق رکھنے والے لوگوں کی طرف سے پیش کی جاتی تھی۔ اس درخواست پر ایک مسودہ قانون بنا کر پارلیمنٹ میں پیش کیا جاتا تھا جسے دوسری خواندگی کے وقت، غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا جاتا تھا اور یہ کمیٹی عام طور پر منتخب شدہ ارکین کی ہوتی تھی۔ اگر اس کمیٹی کی رپورٹ موافق ہوتی تھی تو یہ مسودہ بعد میں منظور کر لیا جاتا تھا اور متعلقہ کلیسا کے حلقے[1] میں کمشنروں کو متنازع فیہ حقوق کا تصفیہ اور فیصلہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا جاتا تھا۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ اس طریقے سے ناجائز فائدہ کس حد تک اٹھایا جاتا تھا۔ اس معاملے میں تاریخی شہادتوں میں عام ہم آہنگی نہیں پائی جاتی۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ احاطہ بندی کرتے وقت، کمزور فریقوں کے حقوق کا کوئی احترام نہیں کیا جاتا تھا۔ اکثر صورتوں میں، ایک ضلع کے بڑے زمیندار خفیہ جلسے کر کے نجی درخواستوں کو تیار کرتے تھے اور ضلع کے باشندوں کو جب تک قانون منظور نہ ہو جاتا تھا اس بات کا بہت کم یا بالکل علم نہ ہوتا تھا۔

بہر حال قانونی چارہ جوئی کے گراں مصارف کی وجہ سے موثر مخالفت کرنا مشکل تھی۔

---

۱ Parish

پارلیمنٹ کے عملے کو خارجی بڑی فیسیں ادا کرنا پڑتی تھیں۔ گواہوں کو بھیجنا اور تحقیقات کے زمانے میں ان کے کھانے پینے کا انتظام لندن میں کرنا پڑتا تھا اور قانونی امداد کو بھی حاصل کرنا پڑتا تھا۔ ظاہر ہے یہ سب باتیں ایک محدود وسائل کے شخص کے بل بوتے سے باہر تھیں۔ لہٰذا اس کارروائی سے مجموعی طور پر قطعی فایدہ بڑے زمیندار ہی اٹھا سکتے تھے۔

۶۔ پارلیمنٹ کا اقدام ابتدا میں پارلیمنٹ کے سامنے بجز اس کے کوئی اور مقررہ پالیسی نہیں تھی کہ احاطہ بندی کے نجی مسودات قانون کے عملدرآمد میں رفتہ رفتہ مفاد عامہ کے تحفظ کی دفعات کو داخل کرایا جائے۔ بعد میں جب زمینداروں کا اثر بڑھ گیا تو پارلیمنٹ نے احاطہ بندی کو امداد پہنچانا شروع کر دیا۔ ۱۸۰۱ء میں ایک قانون منظور کیا گیا جس سے احاطہ بندی کا کام کم خرچ کے ساتھ انجام پانے لگا۔ ۱۸۳۶ء میں شاملات دیہہ کی اراضیات کی احاطہ بندی میں بہت سہولت پیدا کر دی گئی۔ ایک قانون منظور کیا گیا جس کی رو سے کلیسائی حلقے کے بے احاطہ کھیتوں پر حقوق رکھنے والے لوگوں کی دو تہائی تعداد کمشنروں کو نامزد کر سکتی تھی اور پورے ضلع کی احاطہ بندی کرا سکتی تھی یا اس تعداد کا ⅞ حصہ کمشنروں کی امداد کے بغیر احاطہ بندی کرا سکتا تھا۔ اس قانون کے ذریعے کچھ غریب پٹہ داروں کو بھی اپنے اثر کو محسوس کرانے کا موقع مل گیا ورنہ اس سے پہلے سارا اقتدار امیر زمینداروں ہی کو حاصل تھا۔

۱۸۴۵ء میں اس نظام کی توسیع بنجر زمینوں پر بھی کر دی گئی۔ شاملات دیہہ کی ایسی بہت زمینوں کو جو پہلے بے کار پڑی تھیں اب امیر لوگ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے اور ان میں سے بہت کی احاطہ بندی کی گئی جو زیادہ تر غیر قانونی تھی۔ مقدمے لڑے گئے لیکن یہ تحریک جاری رہی ایپنگ جنگل جیسی بنجر زمینیں بچائی گئیں اور اب ان کی بڑی چوکسی کے ساتھ حفاظت کی جاتی ہے۔ ایسے بڑے شہروں کے باشندوں کی تندرستی و طاقت جیسا کہ لندن ہے کھلی ہوئی جگہوں کے قائم رکھنے ہی پر منحصر ہے۔ چنانچہ ان کی احاطہ بندی کو روکنا پڑا۔ ۱۸۵۲ء میں یہ قانون بنا دیا گیا کہ تمام نئی احاطہ بندیوں کے لئے پارلیمنٹ کی منظوری ضروری ہوگی اور ۱۸۹۳ء میں احاطہ بندی کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ بورڈ آف اگریکلچر پر چھوڑ دیا گیا۔ آج کسی بنجر زمین کی احاطہ بندی کی منظوری اس وقت تک نہیں دی جاتی جب تک یہ نہ ثابت کر دیا جائے کہ یہ مفاد عامہ کے لئے ضروری ہے۔

پارلیمنٹ کے اِن قوانین کو اُن نجی قوانین سے جو احاطہ بندی کے لیے ضروری سمجھے جاتے تھے ممیز کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر زمین کا کوئی مالک، کسی زمین کی احاطہ بندی کرانا چاہتا تھا تو اُسے اس کے مسودۂ قانون کو پارلیمنٹ سے منظور کرانا پڑتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ احاطہ بند کھیت انھی لوگوں کے قبضے میں پہنچتے جا رہے تھے جو سب سے زیادہ دولتمند تھے۔ اٹھارویں صدی کے نصف اول میں، ان نجی قوانین کی تعداد بتدریج بڑھتی رہی اور ۱۷۶۰ء کے بعد بہت اہم ہوگئی۔ ۱۷۸۰ء کے بعد ان میں کمی ہونے لگی لیکن جلد ہی دوبارہ ۱۸۱۰ء تک اضافے کی طرف مائل رہی۔ اس کے بعد اس نے بتدریج گھٹنا شروع کر دیا۔

۷۔ احاطہ بندی کے معاشی اثرات

احاطہ بندی کے خالص معاشی اثرات بلاشبہہ مفید ثابت ہوئے گو بعض معاشیین کا یہ خیال ہے کہ ان کے فایدے کو مبالغے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نظری طور پر مفکروں نے ایک طویل زمانے سے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ بے احاطہ کھیتوں کے نظام کا ختم ہو جانا لازمی ہے اور آرتھر ینگ نے اپنے پورے اثر سے کام لے کر اس کی مخالفت کی تھی۔ پرانے نظام کی خرابیاں بالکل صاف ہیں۔ مشترکہ کھیتی کے نظام میں، ایک کاشتکار، اس وقت تک کسی اصلاح یافتہ طریقے کو اختیار نہیں کر سکتا تھا جب تک وہ اس کام کے لئے اپنے تمام پڑوسیوں کو بھی راضی نہ کر لے۔ کھیت کے لابنے ٹکڑوں میں پہلی جتائی کو کاٹتی ہوئی جوتائی کرنا ناممکن تھا اور کونڑ کے خاتمے پر ہل کو اس طرح گھمانا مشکل تھا کہ دوسرے کے کھیت میں مداخلت بے جا نہ ہو۔ کھیتوں کی ڈولوں پر، اگر ہل نہیں چلایا جاتا تھا تو ان پر گھاس پات اُگ آتی تھی۔ دوسری طرف اگر ان پر ہل چلا دیا جاتا تھا تو قبضے کے حدود کے جھگڑے شروع ہو جاتے تھے۔ پھر منتشر کھیتوں میں، ایک جگہ سے دوسری جگہ، آدمیوں اور گھوڑوں کو لانے لے جانے میں بہت سا وقت اور محنت ضایع ہو جاتے تھے۔ شاملات دیہہ کی چراگاہوں میں، مویشی ضرورت سے زیادہ تعداد میں جمع رہتے تھے اور جب سب بھیڑوں کو ایک ہی گلّے کی صورت میں چرایا جاتا تھا تو ان میں بیماریوں کے پھیلنے کو روکنا بہت مشکل ہوتا تھا۔

احاطہ بندی کے حامیوں نے، اٹھارویں صدی کے آخر میں، ممکن ہے، ان میں سے بعض خرابیوں کو مبالغے کے ساتھ بیان کیا ہو لیکن ان میں بلاشبہہ حقیقت پائی جاتی تھی۔

زمین کی احاطہ بندی ہو جانے کے بعد اس کا مالک کاشت کے نئے طریقوں سے فائدہ اٹھا سکتا تھا اور زمین کا استعمال نہایت نفع بخش طریقے پر کر سکتا تھا۔ اس چیز کی اہمیت بہت زیادہ تھی کیونکہ بے احاطہ کھیتوں کے نظام میں بہت سی ایسی زمینوں کو جو قدرتی طور پر صرف گھاس پیدا کرنے کے لئے موزوں تھیں کاشت میں لے لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ بیج کی فصل کو بھی بویا جا سکتا تھا۔ یہ بات اس وقت تک ناممکن تھی جب تک زمینوں کی ملکیت مشترک تھی۔ کیونکہ خریف کی کٹائی کے بعد سے فروری تک، قابل کاشت زمینوں میں مویشی اور بھیڑیں چرائی جاتی تھیں۔

پانی کے نکاس کا مناسب انتظام بھی اس وقت تک قابل عمل ثابت نہ ہو سکا جب تک زمین کی احاطہ بندی نہیں کی گئی۔ کیونکہ اگر کوئی آدمی اس کی کوشش کرتا بھی تھا کہ اس کے کھیت کی ٹکڑوں سے پانی کے نکاس کا انتظام ہو جائے تو پڑوسیوں کی غفلت کی وجہ سے اس کا کام بے سود ہو جاتا تھا۔

غرض، احاطہ بندی نے مختلف طریقوں سے کاشت کے طریقوں کو بلند کیا۔ پرانے نظام کے ماتحت، سب سے خراب کاشتکار معیار کا تعین کیا کرتا تھا۔ صرف وہی زمین جو بہترین اور طاقتور ترین ہوتی تھی، اپنی طاقت کو سلب کئے بغیر، استعمال میں رکھی جا سکتی تھی۔ لیکن احاطہ بندی نے زمین کے زیادہ گوناگوں استعمال کا امکان پیدا کر کے زمین کی سلب شدہ قوت کو بحال کرنے کا ایک ذریعہ پیدا کر دیا۔ ادنیٰ درجے کی بہت سی زمینوں کی صرف اس لئے احاطہ بندی کی گئی کہ ان کی پیداوار گھٹ رہی تھی۔ البتہ جب تک غلے کی قیمت کم رہی اس وقت تک زمین کو گھاس اگانے کے لئے خالی چھوڑنا زیادہ نفع بخش رہتا تھا۔

۱۷۹۰ء تک انفرادی ملکیت کی معاشی برتری اس درجے مسلم الثبوت ہو گئی تھی کہ احاطہ بندی کے مخالف، اب معاشرتی اثرات کو مخالفت کی دلیل کے طور پر پیش کرنے لگے تھے۔

۸۔ احاطہ بندی کے معاشرتی اثرات

فوری طور پر معاشرتی اثر خراب ہوا اور ایک حد تک اس کے نقصانات ابھی تک جاری ہیں۔ زمین کے مالک کو عام طور پر فائدہ ہوا کیونکہ اس کے لگان خاصے بڑھ گئے لیکن غریب کسانوں کو نقصان پہنچا کیونکہ احاطہ بند کھیتوں کے لئے زیادہ سرمائے کی ضرورت ہوتی تھی۔ غریبوں کے نقصان کے

بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں پایا جاتا۔ ۱۸۰۱ئہ میں ینگ نے لکھا تھا "احاطہ بندی کے بیس قوانین میں سے انیس غریبوں کو نقصان پہنچاتے ہیں اور بعض صورتوں میں یہ نقصان نہایت شدید ہوتا ہے۔" یہ صحیح ہے کہ بعد کے قوانین میں ان کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کی گئی۔ کبھی انھیں روپے کی صورت میں معاوضہ دیا گیا اور کبھی شاملات دیہہ کے حقوق کے نقصان کے معاوضے میں انھیں زمین کے قطعات دیے گئے۔ لیکن چھوٹے قطعات کی احاطہ بندی کے مصارف نسبتہً بہت زیادہ ہوتے تھے اور انھیں مجبوراً فروخت کر دینا پڑتا تھا۔ اس کے معاوضے میں جو روپیہ ملتا تھا وہ عموماً فضول خرچی کے نذر ہو جاتا تھا۔ کسان کو سب سے زیادہ سخت نقصان یہ ہوا کہ اس کی گائیں اس کے پاس نہیں رہیں۔

ایڈن نے اس احاطہ بندی کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ شاملات وہ اور بنجر زمینوں سے جو فوائد چھپر نشین کسان[ل] کو پہنچتے تھے وہ حقیقی نہیں بلکہ نمائشی تھے کیونکہ بجائے باقاعدہ محنت کرنے کے وہ اپنا وقت، سوکھی لکڑی چننے یا کسی ویران بنجر زمین میں گھاس کھودنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ ان کے ایک دو فاقہ زدہ سواروں اور ان کی آوارہ گرد ہنس کی وجہ سے ایک تو ہمسایوں سے روز کا جھگڑا رہتا تھا دوسرے یہ اس لئے بھی مہنگے پڑتے تھے کہ ان کے لئے وقت، توجہ اور خریدی ہوئی غذا صرف کرنا ضروری تھی۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ بہت سی صورتوں میں شاملات دیہہ کی زمینوں پر مویشی کے چرانے کا جو معاوضہ لیا جاتا تھا وہ بہت کم تھا اور جیسا کہ ۱۷۹۵ئہ میں بنجر زمینوں کی کمیٹی کے سامنے عذرداری کی گئی تھی احاطہ بند کھیتوں میں چرانے کے سلسلے میں کسان کو جو لگان پٹہ دار[ک] کو ادا کرنا پڑتا تھا اس کی کافی سے زیادہ تلافی اس وقت ہو جاتی تھی جب وہ زاید دودھ کی پیداوار یا جانور کے زیادہ وزن کو بازار میں فروخت کرنے کے لئے لے جاتا تھا۔

لیکن اس سلسلے میں جو امکانی مبالغے کئے گئے ہیں ان سے قطع نظر کرنے کے بعد جب اس مسئلے پر غور کیا جاتا ہے تو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس احاطہ بندی سے غریب ترین دیہاتیوں کو اخلاقی اور مادی دونوں طرح کا نقصان پہنچا۔ شاملات

ل Cottager   ک Farmer

دیہہ کی زمینوں کی احاطہ بندی کی وجہ سے کسان اپنی آمدنی میں ضمنی اضافہ کرنے کے ذرایع سے محروم ہوگیا۔ جن لوگوں کو شاملات دیہہ میں حقوق ملے ہوئے تھے انھیں زمین کے ساتھ ایک وابستگی تھی، ان کے اندر خود مختاری کا ایک جذبہ پایا جاتا تھا اور کفایت شعاری کا ایک محرک ان کے اندر موجود تھا۔ چراگاہ کے حقوق سے انھیں مویشی پالنے کا موقع حاصل تھا اور جنگلوں سے وہ ایندھن مفت لا سکتے تھے۔

زرعی انقلاب سے پہلے ملک کے بہت سے حصوں کے مزدور پٹہ داروں کی زمین پر دن کے وقت کام کرنے کو ایک ضمنی کام سمجھتے تھے جس سے ان کی ان آمدنیوں میں جو دوسری صنعتوں سے حاصل ہوتی تھیں اضافہ ہوتا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے شاملات دیہہ کی احاطہ بندی عین اس وقت ہوئی جب کتائی اور بنائی کی صنعتیں گھروں کو چھوڑ کر کارخانوں میں پہنچ رہی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے مزدور "غربا کے قانون" کا سہارا لینے کے لئے مجبور ہوئے اور اس کا انجام بہت تباہ کن ثابت ہوا۔

زرعی انقلاب اور تنظیم

۱۷۹۰ء تا ۱۸۵۰ء کے دوران میں چھوٹے پٹہ دار غائب ہو گئے اور بڑے پیمانے پر سرمایہ دارانہ کاشت کے موجودہ نظام کی ترقی ہونے لگی۔ اس کے مختلف اسباب تھے۔ بڑا پٹہ دار کسان کے مقابلے میں زیادہ کفایت کے ساتھ پیدا کر سکتا تھا اس کے اندر بہتر اوزار اور بہتر مویشی رکھنے کی بھی سکت ہوتی تھی اور ان سے زیادہ فائدہ بھی اٹھا سکتا تھا۔ کسان کے پاس اس سرمائے کی کمی تھی جو احاطہ بندی کی تحریک سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری تھا اور اس کے اندر خراب فصلوں کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نسبتہً کم تھی۔ پٹہ دار کسان کے لئے ۱۷۹۳ء تا ۱۸۴۳ء کا زمانہ خاص طور پر ناسازگار تھا۔ فرانسیسی جنگوں کے زمانے میں رائے عامہ بڑے پٹہ داروں کے ذریعے کھیتی کرانے کی طرفدار رہی کیونکہ جو قوم جنگ میں مصروف ہو اس کے لئے فراہمی غذا کے لئے اسی طرح کی کھیتی بے حد ضروری ہے۔ زمین کا مالک بھی اسے ترجیح دیتا تھا کیونکہ سرمایہ دار پٹہ دار زیادہ لگان ادا کر سکتا تھا اور اس کی ادائی کے سلسلے میں پابندی وقت کو زیادہ ملحوظ رکھ سکتا تھا اور اس کی طرف سے مرمت کے مطالبے بھی کم ہوتے تھے۔ ۱۸۱۵ء کی صلح کے بعد جو زرعی کساد بازاری اور خراب فصلوں کا سلسلہ شروع ہوا اس نے چھوٹے رقبے پر

قبضہ رکھنے والے[1] کسانوں کی بربادی کو مکمل کر دیا اور انھیں زمین سے تقریباً بالکل خارج کر دیا۔

اوپر جو حالات بیان کئے گئے ہیں ان سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح مختلف قسم کے پٹہ دار[2] بلکہ چھوٹے معافی دار بھی معدوم ہو گئے۔ بڑے مزرعوں[3] کے ساتھ ہی طویل مدت کے پٹوں کا نظام بھی شروع ہوا۔ جب تک ایک پٹہ دار کو حقیت اراضی اور لگان کے اضافے کی طرف سے مطمئن نہیں کیا جائے اس وقت تک وہ زمین کو بہتر بنانے کے لئے اپنا سرمایہ خطرے میں ڈالنے کے لئے آمادہ نہ ہو گا چنانچہ پٹہ داروں نے طویل مدت کے پٹوں کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کیا اور انہی کا عام طور پر رواج ہو گیا۔

چھوٹے زمینداروں یعنی مالکان سیر اور خود کاشت کا جو اپنی مختصر زمینوں پر خود ہی کاشت کیا کرتے تھے نائب ہو جانا ایک ایسا موضوع ہے جو خاص طور پر دلچسپ ہے یہ انگلستان کے زرعی انقلاب کا ایک نہایت اندوہناک سانحہ ہے۔ سترھویں صدی کے خاتمے پر گریگری کنگ نے چھوٹے معافی دار خاندانوں کی تعداد کا اندازہ کل آبادی کا ⅙ لگایا تھا اور چیمبرلین نے اسی زمانے کے متعلق لکھتے ہوئے بیان کیا تھا کہ یورپ کے جتنے ملک انگلستان کے برابر ہیں ان سب کے مقابلے میں اس ملک کے اندر سب سے زیادہ معافی دار موجود ہیں۔ لیکن نپولین کی جنگوں کے خاتمے تک یہ طبقہ تقریباً بالکل غائب ہو چکا تھا، اگرچہ ہسباخ کی تحقیقات کی رو سے جتنی تعداد آرتھر ینگ نے بیان کی تھی اس سے زیادہ تعداد میں معافی دار موجود تھے۔

یہ طبقہ جو اپنی تعداد کے لحاظ سے ایک زمانے میں اتنا مضبوط تھا، اٹھارویں صدی کے خاتمے تک تعداد میں اتنا کیسے گھٹ گیا۔ اس کے اسباب معاشری بھی ہیں اور معاشی اور سیاسی بھی ۱۶۸۸ء کے انقلاب نے زمین پر ملکیت رکھنے والے امرا کو با اقتدار بنا دیا تھا۔ جب قومی اور مقامی حکومت کے انتظامات ان کے ہاتھ میں

---

[1] Small Holder
[2] Copy Holder and Lease Holder
[3] Large Farm

پہنچ گئے تو کاروباری لوگوں نے بھی جنھوں نے تجارت کے ذریعے روپیہ جمع کیا تھا' زمین کو جو معاشری اور سیاسی اثر ورسوخ کا ذریعہ تھی حاصل کرنا چاہا اور اس طبقے نے چھوٹے زمینداروں کی حقیت کو خرید لیا۔ اس کے علاوہ خاندانی جانشینی کے[1] سخت نظام کی وجہ سے انتقال اراضی کا کام چونکہ مشکل اور مہنگا تھا اس لئے چھوٹے زمینداروں کی جائداد کی خریداری کی وجہ سے ان کی تعداد میں جو کمی ہو رہی تھی اس کی تلافی بڑی زمینداریوں کے ٹوٹنے سے نہیں ہو سکی۔

احاطہ بندی کی تحریک نے کس حد تک چھوٹے زمینداروں کے طبقے کے برباد کرنے میں مدد دی اس کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ بہت سی صورتوں میں شاملات دیہہ کی احاطہ بندی سے زمین کے چھوٹے مالکوں کو بہت سخت نقصان پہنچا۔ لیکن ان کے باہمی تعلق کو ٹھیک ٹھیک متعین کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ اتنے قریبی زمانے تک جیساکہ سنہ ۱۷۹۰ء کا ہے ملک کے بعض حصوں میں ان کی تعداد میں کوئی نمایاں کمی نہیں ہوئی تھی۔ اغلب یہ ہے کہ سنہ ۱۸۰۰ء کے بعد سرمایہ دار پٹہ دار سے جب روزافزوں مقابلہ شروع ہوا اور اسپین ہم لینڈ کی پالیسی کے تحت محصول کی شرح کو جب بڑھایا گیا تو چھوٹے زمیندار کی بربادی یقینی ہوگئی۔ اس کو زیادہ محصول اس لئے ادا کرنا پڑتا تھا تاکہ مزدوروں کو ناکافی[2] اجرت پر ملازم رکھا جا سکے لیکن خود اس کے لئے جب وہ محض ایک جھونپڑے ہی کا مالک ہوتا تھا کام کا ملنا مشکل تھا کیونکہ کلیسائی حلقے سے کسی ایسے شخص کو امداد نہیں دی جاتی تھی جو جائداد کا مالک ہو اور جب تک کسی نہ کسی قسم کی امداد شامل نہ ہو محض اجرت ایک خاندان کے گذارے کے لئے ناکافی رہتی تھی۔

سنہ ۱۷۹۰ء اور سنہ ۱۸۳۰ء کے درمیان زراعتی مزدوروں کی حالت بہت ابتر رہی۔ جیساکہ دیکھا جا چکا ہے بنجر زمینوں کی احاطہ بندی کی وجہ سے مزدوروں کی حقیقی آمدنی میں بہت کمی ہوگئی تھی اور ملک کے اکثر حصوں میں جھونپڑے سے ملحق باغ کی زمین کے کم ہو جانے کی وجہ سے ان کی حالت اور بھی زیادہ خراب ہوگئی تھی۔ صحیح صحیح تصویر کھینچنا آسان نہیں ہے کیونکہ حالات ہر ضلع کے مختلف تھے لیکن کابٹ کا یہ بیان غالباً

[1] System of Strict Family Settlement [2] Non-Economic

صحیح ہے کہ غلہ پیدا کرنے والے اضلاع کی حالت سب سے زیادہ سقیم تھی۔

آرتھر ینگ نے سفارش کی تھی کہ جہاں وسیع بنجر زمینوں کی احاطہ بندی کا معاملہ درپیش ہو وہاں احاطہ بندی کے موقع پر ہر جھونپڑے کے ساتھ اتنی زمین کو ضرور چھوڑا جائے جو ایک گائے کے پالنے کے لئے کافی ہو اور یہ زمین جھونپڑے کے بغیر ناقابلِ انتقال سمجھی جائے اور اس کی ملکیت کلیسا کے حلقے کے سپرد کر دی جائے۔ لارڈ ونچل سی نے اس بات پر زور دیا تھا کہ ہر جھونپڑے کے ساتھ ایک باغ بھی ضرور رکھا جائے۔ اگر ینگ یا ونچل سی جیسی کسی تجویز پر ہمہ گیر طریقے سے عمل کیا جاتا تو انگلستان کی سرزمین پر ایک تندرست دیہی آبادی کی نشو و نما کا سلسلہ مستحکم بنیاد پر قائم ہو جاتا۔

بڑے پیمانے کی سرمایہ دارانہ کاشت نے پٹہ دار اور مزدور کے تعلقات میں ویسی ہی تبدیلی پیدا کر دی جیسے کہ خانگی نظام سے فیکٹری نظام میں منتقل ہونے نے صنعتی تعلقات میں پیدا کی تھی۔ جہاں پٹہ دار اپنے مزدوروں کے ساتھ کام کرتا اور رہتا تھا وہاں بھی مزدور عام طور پر پٹہ دار کے یہاں کھانا نہیں کھاتے تھے۔ باہمی مفاد کے پرانے رشتے ٹوٹ گئے تھے اور مزدور جیسا موقع دیکھتا تھا اس کے مطابق کبھی ایک آجر کے یہاں کام کرتا تھا کبھی دوسرے کے یہاں۔

دوسری طرف معاشری معیار کے لحاظ سے پٹہ دار کا درجہ بلند ہو گیا۔ نجی اقدام پر سے جب پابندیاں ہٹالی گئیں تو زیادہ کارگذار لوگ آگے بڑھنے لگے اور معاشرے میں ایک نیا درمیانی طبقہ پیدا ہو گیا۔

۱۰۔ ایک تندرست زرعی آبادی کی اہمیت

۱۷۶۰ء سے زراعت پر اچھے اور برے زمانے باری باری سے آتے رہے۔ ہمیں ملک کی بحیثیت مجموعی خوشحالی اور اس کے ایک جز کی خوشحالی کے بنیادی فرق کو، زراعت کے معاملے میں دوسرے اور تمام معاملوں سے زیادہ پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے حالات میں اگر کوئی تبدیلی نہ ہو تو قوم کے کسی ایک جز کی خوشحالی کا اثر بقیہ ملک پر بھی اچھا ہی پڑتا ہے۔ متاثر ہونے والے جز کی خوشحالی کی وجہ سے اس کے خرچ کرنے کی اہلیت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کا اثر ان لوگوں پر بھی جو اس کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اچھا ہی پڑتا ہے۔ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک جز کی ترقی ہوتی ہے تو دوسری تبدیلیاں بھی

واقع ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ نتیجہ ملک کے مجموعی نقصان کی صورت میں ظاہر ہو اور ایسا ہی اس کی برعکس صورت کو بھی سمجھنا چاہئے۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ملک کی بحیثیت مجموعی ترقی، ایک چھوٹی سے اقلیت کو نقصان پہنچا کر حاصل کی جائے اور ایسا ہی اس کی برعکس صورت کو سمجھنا چاہئے۔ چنانچہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ زراعت کے لئے زمانہ خراب ہے تو اس کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ ملک کو بحیثیت مجموعی غذا سستی قیمت پر مل رہی ہو۔

معاشی لحاظ سے یہ بات ممکن ہے صحیح ہو لیکن معاشری لحاظ سے اس کے نتائج بہت افسوس ناک ہوتے ہیں۔ ایک مکمل حکومت کے لئے یہ ایک لازمی شرط ہے کہ اس کے اندر ایک ایسی صحیح زرعی آبادی موجود ہو جو تندرست ہو اور جسے کھانے کے لئے خوب غذا ملتی ہو۔ دیہات کی آبادی شہر کے لوگوں کے تیز اور زیادہ ترقی یافتہ دماغ کے لئے جس کی ترقی کو جسمانی ترقی کی قیمت ادا کر کے خریدا جاتا ہے وہی کام انجام دیتی ہے جو ایک زنگار آئینے کے لئے انجام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ تبدیلی کو محض تبدیلی کی خاطر پسند کرنے کا جو شدید جذبہ زیادہ مہذب جماعتوں میں پایا جاتا ہے اس کے لئے بھی دیہاتی آبادی ایک روک کا کام انجام دیتی ہے۔ آخر میں یہ ایک ایسے ذخیرے کا کام انجام دیتی ہے جہاں سے شہر کی آبادی اپنے بہترین عناصر کو حاصل کرتی رہتی ہے۔ اس لئے زراعتی آبادی کی حالت کی بہتری ملک کے مجموعی مفاد کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھتی ہے اور ایسے موقع فرض کیے جا سکتے ہیں جن میں کسانوں کے مفاد کو اگر تباہی کا خطرہ لاحق ہو تو معاشی مفاد کی قربانی کو بالکل جائز سمجھا جائے۔

۱۱۔ ۱۸۱۵ء اور ۱۸۵۰ء کے درمیان تغیرات

۱۸۱۵ء کی صلح نے زرعی کساد بازاری کو شروع کر دیا۔ اس بظاہر متضاد بیان کی توجیہ اس طرح کی جا سکتی ہے کہ جنگ کے زمانے میں قیمتیں مصنوعی طور پر بڑھا دی گئی تھیں جن کے لالچ میں آ کر پٹہ دار کاشت کی توسیع کی طرف مائل ہو گئے تھے اور انھوں نے زمین کے لگان بڑھا دیئے تھے۔ جب یہ محرک باقی نہیں رہا تو ایک ردعمل شروع ہوا۔ لگان بہت زیادہ تھے اور مال کی فروخت کے لئے بازار نہیں ملتے تھے۔ غلے کے قوانین سے بھی جن کے ذریعے جنگ کے زمانے کے تحفظ کو جاری رکھنے کی کوشش کی جا رہی تھی، کسانوں کو اتنی

مدد نہیں ملتی تھی جتنا کہ عام لوگوں کو ان کی وجہ سے نقصان پہنچ رہا تھا۔ خراب فصلیں مسلسل واقع ہوئیں اور ۱۸۱۹ء میں زر رائج کی حالت کو بہتر کیا گیا، غیر نقد پذیر نوٹ منسوخ کر دیے گئے۔ یہ نوٹ جتنی قدر ان پر درج تھی اس سے کم پر چل رہے تھے جس کی وجہ سے ان کسانوں کو جنھوں نے ۱۸۱۹ء سے پہلے روپیہ ادھار لیا تھا اپنا قرض سونے کی صورت میں ادا کرنا پڑا اور اس کی وجہ سے بہت سخت نقصان اٹھانا پڑا اس کے علاوہ مرطوب موسموں نے مویشی کے اندر جگر کی بیماری بھیڑوں میں خارش اور غلے میں بیماری پیدا کر دی اور یہ صورتِ حال انیسویں صدی کے چوتھے عشرے تک چلتی رہی جب کہ لوگوں پر ریلوں کا خبط سوار ہوا۔ اس کی وجہ سے گو سرمایہ بہت ضایع ہوا لیکن کسانوں کو اپنی پیداوار کے فروخت کرنے کے بہتر ذرایع میسر آگئے۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ ریل کے حصے خریدنے والوں نے زراعت کو ایک غیر ارادی امداد پہنچائی۔ پرانی قیمتوں پر، طلب رسد سے آگے بڑھ گئی جس کی وجہ سے ان قیمتوں میں اضافہ کیا گیا۔ ۱۸۴۷ء کے بحران کے بعد ایک عارضی کساد بازاری پانچ یا چھ سال تک چلتی رہی۔ اس کے بعد مسلسل ترقی شروع ہوئی اور یہ سلسلہ چند خراب فصلوں یا یورپ کی مویشی کی بیماری یعنی بیل روگ (انڈرپیسٹ) کی وجہ سے صرف کبھی کبھی ٹوٹتا رہا۔

۱۲- زرعی ترقیاں

صنعتی انقلاب کے مقابلے میں جو عام طور پر عملی اور زیادہ تر غیر تعلیم یافتہ لوگوں کا کارنامہ تھا، زرعی انقلاب کا انحصار نظری علم یا کم سے کم تحریری تجربے پر زیادہ رہا۔ زراعت کے مختلف کاموں کی اصلاح و ترقی میں زرعی ادب نے جس میں تیرھویں صدی کے ہنلی مقام کے رہنے والے والٹر کی تصانیف سے لیکر صنعتی انقلاب کے زمانے کے آرتھر ینگ کی تصانیف تک سب ہی شامل ہیں بہت بڑا حصہ لیا۔ اٹھارویں صدی کے نصف اول کے زمانے میں ٹل اور ٹاؤن شنڈ نے ابتدائی مصنفوں یعنی فٹزہربرٹ (۱۵۲۳ء)، ٹاؤسر (۱۵۶۳ء)، اسکاٹ (۱۵۷۴ء) اور سترھویں صدی کے موجدوں یعنی فاسٹر، بارٹ لب، وکیسٹن اور بلیتھ کے خیالات کو عملی جامہ پہنایا، ان سے لوگوں کو واقف کرایا اور انھیں آگے بڑھایا۔

زراعت کسی دوسرے شخص کی اتنی ممنون احسان نہیں ہے جتنی کہ جیتھرو ٹل کی ہے کیونکہ جو اصول اس کی کتاب "گھوڑے کے ذریعے زراعت کرنے کا طریقہ کاشت"

(۱۷۳۱ء) میں درج ہیں انھی کی قسمت میں برطانیہ کی زراعت میں انقلاب پیدا کرنا لکھا جاچکا تھا اگرچہ یہ انقلاب ٹل کی زندگی میں نہ ہوسکا۔ دوسرے مصلحین کی طرح اس کی بھی شدید مخالفت کی گئی۔ اس نظام کی قدر و قیمت کو سب سے پہلے اسکاٹ لینڈ نے سمجھا اور آہستہ آہستہ یہ جنوب کی طرف پھیلتا ہوا انگلستان پہنچا۔ لیکن اٹھارویں صدی کے خاتمے پر بھی آرتھر ینگ نے اس کی مخالفت کی۔

اس کے خاص اصول : ۔ صاف جتائی، بیج کا کم استعمال اور قطار میں بوائی تھے۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ زمین کو پڑتی چھوڑنا اور کھاد ڈالنا غیر ضروری ہیں اور اسے زمین کے ایک ہی ٹکڑے پر بغیر کھاد ڈالے ہوئے گیہوں کی مسلسل فصلیں بونے میں فی الواقعی کامیابی بھی حاصل ہوئی اور اس نے اپنے پڑوسیوں کے مقابلے میں جو کھیتی کے معمولی طریقوں کے مطابق کاشت کرتے تھے زیادہ پیداوار فی ایکڑ بھی حاصل کی ج لیکن اس کے طریقے کا اثر فوری طور پر بہت کم ہوا۔ بے احاطہ کھیتوں کو جوتنے والے کسان برابر بیج کو بکھیر کر، گنجان اور مختلف گہرائیوں ہی میں بوتے رہے اور انھوں نے شلجم اور سین فوئن (گھاس) کی قدر و قیمت اور جڑ کی صورت میں پیدا ہونے والی فصلوں اور گیہوں کو قطار کے اندر بونے پر جس کی وہ تبلیغ کیا کرتا تھا کوئی دھیان نہیں دیا۔

ترقی کی طرف پہلا قدم اس وقت اٹھایا گیا جب ٹل کے اصولوں کو نارفوک میں رائن ہم مقام کے رہنے والے لارڈ ٹاون شنڈ جیسے لوگوں نے عملی جامہ پہنایا۔ ٹاؤن شنڈ کی جائداد کے اندر زیادہ تر دلدلی اور ریتیلی بنجر زمینیں شامل تھیں لیکن چند ہی سالوں میں ان کی کایا پلٹ ہوگئی اور یہ زرخیز اور اچھی کاشت کی زمینیں بن گئیں اس نے نارفوک کے قدیم طریقے کو یعنی مارل (کھٹیلی مٹی) کے استعمال کو دوبارہ رائج کیا اور شلجم اور کلوور (تپتیا گھاس) کو کھیتوں میں بونا شروع کیا۔ ٹل کی پیروی میں ٹاون شنڈ نے اپنے شلجموں کو بکھیر کر بونے کی جگہ قطار میں بویا اور ان کی ترائی گھوڑے کے ذریعے سے کی۔ اس نے چار چندی یا نورفولک کے طریق پر بھی کاشت کو رائج کیا جس میں اناج، مصنوعی گھاس اور جڑ دار فصلیں یکے بعد دیگرے اگائی جاتی تھیں۔

۱۳۳۔ ہولک ہم کا ٹامس کوک

لیکن جب تک اس صدی کے آخری زمانے میں ہولک ہم کے ٹامس کوک نے اسی نارفوک کے علاقے میں بڑے پیمانے کے

فارموں اور بڑے سرمایے کی پُرزور حمایت نہیں کی اسی وقت تک نئے طریقوں کو عام طور پر استعمال کرنا شروع نہیں کیا گیا۔ جب اس نے ۱۷۷۶ء میں اپنا عظیم الشان زراعتی کام شروع کیا تو اس کی جائداد کی حالت ایک ایسے جنگل سے کچھ زیادہ بہتر نہیں تھی جس میں خرگوشوں کے بھٹ بہ کثرت پائے جاتے ہوں اور ہولک سے لے کر لن تک مشکل ہی سے کہیں ایک آدھ ایکڑ گیہوں کی کاشت کی جاتی ہو گی۔ کوک نے گیہوں بونے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور نو سال تک مارل (مٹی) چکنی مٹی ڈالنے کا تجربہ کرنے کے بعد اسے گیہوں کی اچھی فصلیں بونے میں کامیابی ہوئی۔

وہ گیہوں کو اگیتا اور قطار کے اندر گنجان بونے اور جب بال اور ٹہنی ابھی ہری ہی ہوں اسی وقت کاٹ لینے کا بڑا حامی تھا اور اس کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ جئی اور مٹر کو بھی اگیتا ہی کاٹ لینا چاہیئے۔ اس کے علاوہ انگریزوں میں غالباً وہ پہلا شخص تھا جس نے بڑے پیمانے پر سویڈن کے شلجموں کو بویا۔

کوک نے مویشی کی اصلاح میں بھی خصوصاً گھاس کی قسم کو بہتر بنانے کا اہتمام کر کے بہت قابل قدر حصہ لیا۔ وہ پہلا زراعت کا ماہر تھا جس نے باقاعدگی کے ساتھ ایسے بیج کا مطالعہ کیا جس سے نہایت مقوی گھاس اور نہایت اچھی غذائیت رکھنے والا چارہ پیدا کرنا ممکن ہو گیا۔ لیکن اپنی غیر فانی شہرت کے لئے وہ سب سے زیادہ اس وجہ سے مستحق ہے کہ وہ "ہولک ہم کے سالانہ اجتماعات" میں کسانوں کو زراعتی معاملات میں مشورہ کرنے کے لئے اکھٹا کیا کرتا تھا۔ ان اجتماعات میں جو ۱۷۷۸ء میں شروع ہوئے تھے اور ۱۸۲۱ء تک جاری رہے سب قوموں اور سب حیثیتوں کے لوگ شریک ہوتے تھے اور ۱۸۲۱ء کے آخری اجتماع میں سات ہزار آدمی شریک ہوئے تھے۔ ان جلسوں کو جو اہمیت زراعتی واقفیت کی اشاعت کرنے کے سلسلے میں حاصل ہے اس کا اندازہ کرنا ناممکن ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ ان کے زیر اثر انگلستان میں بیس لاکھ ایکڑ بنجر زمین کاشت میں لائی گئی۔

اس طریقے پر اور اپنی ذاتی مثال کے ذریعے کوک نے انگلستان کی زراعت میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور ملک کو اس لائق بنایا کہ وہ نپولین کی جنگوں کے زمانے میں اپنے گذارے کے لئے کافی غذا مہیا کر سکے۔

۱۴۱- رابٹ بیک ول رابٹ بیک ول (۱۷۲۵ء تا ۱۷۹۵ء) ڈشلے میں لوبارو کے قریب پیدا ہوا اور اس نے زیادہ تر نسل کشی کے کام میں اصلاحیں کیں گو اس نے اس بات کا بھی مشاہدہ کیا کہ جس فارم میں بہت سے جانور ہوتے ہیں وہاں کھاد کا مسئلہ زیادہ اہم نہیں رہتا۔ اس کو خاص کامیابی بھیڑوں کے پالنے میں ہوئی۔ اس زمانے تک انگلستان کو اُون کا علاقہ سمجھا جاتا تھا اور بھیڑ کے گوشت کا شمار ضمنی پیداوار میں کیا جاتا تھا۔ اب چونکہ آبادی تیزی سے بڑھنے لگی تھی اس لئے لوگوں کو کافی غذا مہیا کرنے کا مسئلہ بھی اہم ہوتا جا رہا تھا۔ بیک ول نے دیکھا کہ اس کام کے لئے پرانی بھیڑیں بہت کم مفید ہیں کیونکہ ان کے بقیہ جسم کے مقابلہ میں ان کا جسم بہت مختصر ہوتا تھا۔

اس کی خواہش تھی کہ شراب کے پیپے کی شکل کا جسم تیار کرے اور اس نے اپنے جانوروں کا انتخاب اسی مقصد کے تحت کرنا شروع کیا۔ اس وقت جو ایک خام خیال یہ رائج تھا کہ مختلف نسلوں کی آمیزش سے خون میں برابر تبدیلی پیدا کرتے رہنا چاہیئے اُسے اُس نے قبول نہیں کیا اور بڑی ہڈی کی جگہ چھوٹی ہڈی کو اپنا مطمح نظر بنایا۔ آخر کار جس جانور کی اُسے خواہش تھی وہ اُسے مل گیا اور نتیجہ لیسٹر کی مشہور بھیڑ کی صورت میں جو دنیا کی بہترین بھیڑ ہے برآمد ہوا۔ بیک ول سے پہلے جانوروں کا انتخاب بہت کم کیا جاتا تھا۔ جو کچھ انتخاب ہوا تھا وہ اس بات تک محدود تھا کہ بہترین نمونوں کو ذبح کر کے اور ان میں نمک لگا کر جاڑے کے لئے رکھ لیا جائے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ نسل صرف ادنیٰ تر جانوروں کی پھیلا کرتی تھی۔ لیسٹر کی بھیڑ، امریکا اور یورپ میں پھیل گئی اور پچاس سال کے اندر اندر بھیڑ کے گوشت کا وزن دُگنا ہو گیا۔ گائے بیل کے سلسلے میں بیک ول کو بھیڑ کے برابر کامیابی نہیں ہوئی لیکن اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ جن جانوروں پر اس نے کام کیا وہ ادنیٰ درجے کے تھے۔ گوشت کی پیداوار کے لحاظ سے اس کی ڈشلے نسل کی گائے، ایک اصلاح یافتہ نسل تھی لیکن یہ خوبی دودھ پیدا کرنے کی اہلیت کو قربان کر کے حاصل کی گئی تھی۔ یہ نسل ایک زمانے تک مشہور رہی لیکن بعد میں فنا ہو گئی۔ کھینچنے کے کام کے لئے اس کے سیاہ گھوڑے موزوں ہوتے تھے اور وہ پہلا شخص ہے جس کو اس اعتبار سے یاد رکھنا چاہیئے کہ اس نے جانوروں کے ساتھ

مہر و محبت کا برتاؤ کیا۔ زراعت کے کام میں اس نے غلے کی پیداوار کو چراگاہوں میں پانی بھر کر بے انتہا بڑھا دیا اور وہ رقیق کھاد کو بھی استعمال کیا کرتا تھا۔

مارشل نے جو نارتھ رائڈنگ میں پیدا ہوا تھا "دیہی معیشت کا جائزہ" لکھکر (۱۷۸۷ء) ایک نہایت اہم خدمت انجام دی۔

۱۵- آرتھر ینگ

انگلستان کی زراعت کی تاریخ میں آرتھر ینگ (۱۷۴۱ء تا ۱۸۲۰ء) کا نام سب سے ممتاز[1] ہے۔ وہ سفوک کے خاندان میں لندن میں پیدا ہوا اور اسی ضلع میں اس نے تعلیم پائی۔ وہ زراعت کے بہترین طریقوں کے نظری اصولوں کا ایک بہت بڑا پیش کرنے والا تھا اور اسی نے سب سے پہلے انھیں ایک علم کی صورت میں مدون کیا۔ اس کی قابلیت کا تمام تر زور مشاہدہ اور توجیہ پر صرف ہوتا تھا۔ لیکن جب کبھی اس نے اپنے نظریوں کو عملی شکل دینا چاہا تو ان کے صحیح ہونیکے باوجود اس کو ناکامی ہوئی اور بعض وقت یہ ناکامی سخت مایوس کن ہوتی تھی۔

پہلے اس نے ایک چھوٹے مزرعے کو چلانا چاہا لیکن اس سے دست بردار ہونا پڑا۔ ۱۷۶۸ء میں اس نے اپنا مشہور و معروف "جنوبی اضلاع کا چھ ہفتے کا دورہ" شروع کیا جس کے ذریعے اس نے نارفوک کے طریقہ ہائے کاشت کا مطالعہ کیا اور اس کے نتائج کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کے بعد سے اس نے بڑے مزرعوں، سرمایہ دار پٹہ داروں، احاطہ بندی اور ترقی یافتہ طریقوں کی حمایت شروع کر دی۔ اس کے دو سال بعد اس نے "شمالی انگلستان کا چھ ہفتے کا دورہ" شروع کیا اور اپنے پہلے طریقے کی یہاں بھی پیروی کی۔ ۱۷۷۶ء میں اس نے آئرلینڈ میں سفر کیا لیکن یادداشتوں کے کھو جانے کی وجہ سے اسے بعد میں دوبارہ دورہ کرنا پڑا۔ غرض اس طرح اس نے سات ہزار میل کا دورہ کیا۔ ۱۷۸۷ء میں وہ پہلی بار فرانس گیا اور ۱۷۸۹ء میں تیسری بار۔ موخر الذکر سال میں وہ اٹلی بھی گیا۔ واپسی پر اس نے اپنے نادر و بے مثل تجربے کو قوم کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

اس کے مطالعے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ زمین کا، لگائے ہوئے بیجوں کا اور پختہ

---

[1] کم از کم باستثنائے کوک۔

فصلوں کی نوعیت کا باقاعدہ جائزہ لیتا تھا۔ وہ حقیقت اراضی کے حالات کی بھی تحقیقات کرتا تھا۔ وہ بے انتہا محنت کرتا تھا، اس کی قوت مشاہدہ بھی اتنی ہی زبردست تھی اور دوسری طرف اپنے نتائج کو بہترین طریقے پر ترتیب دینے کا بھی اس کو ملکہ تھا۔ اس کے علاوہ اس کے اندر تخئیل کی قوت بھی تھی۔ اگر ایک طرف اس کی تفصیلات اور جزئیات قابل اعتماد ہوتی تھیں تو دوسری طرف وہ چیزوں کو وسیع نظر سے بھی دیکھ سکتا تھا۔ کسانوں کے طبقے میں تخئیل کی بہت کمی ہوتی ہے۔ چنانچہ انگلستان کے کسان بھی اس کلیے سے مستثنے نہیں تھے اس لئے اگرچہ اُن کی سمجھ میں ینگ کے نصب العین تو نہ آسکے لیکن وہ اس کی معمولی فہم و فراست اور قابلیت سے خوب متاثر ہوئے۔ ینگ احاطہ بندی کی حمایت اس لئے نہیں کرتا تھا کہ اُسے مشترکہ کھیتوں پر بذاتہ کوئی اعتراض تھا بلکہ اس لئے کرتا تھا کہ پرانا نظام اس کے منصوبوں یعنی بڑے مزرعے، بڑے سرمائے لانبی مدت کے پٹوں اور کاشت اور مویشی کشی کے علمی طریقوں کے اختیار کرنے میں حایل تھا۔ سرمایہ دارانہ کاشت اُسے اس لئے پسند تھی کہ وہ اس کے نتائج کو دیکھ چکا تھا۔

اچھی کاشت میں جو موانع حایل تھے یعنی بے احاطہ کھیت، غیر مزروعہ بنجر زمینیں، دقیانوسی آلات اور طریقے۔ ان سب کے خلاف ینگ نے نہایت موزوں موقعے پر اپنا زبردست جہاد شروع کیا۔ اس میں کامیابی اس لئے ہوئی کہ زمین سے زائد پیداوار حاصل کرنے کی ضرورت بہت شدت کے ساتھ پائی جاتی تھی تاکہ تیزی سے بڑھنے والی صنعتی آبادی کے لئے غذا کا انتظام کیا جاسکے۔ لیکن بدقسمتی سے اس زائد پیداوار کا منافع زمینداروں اور پٹہ داروں ہی کو ہوا اور زراعتی و صنعتی محنت کش طبقوں کو، انیسویں صدی کے وسط تک اس سے بہت کم فائدہ پہنچا۔

۱۶۔ زرعی مشینیں

صنعتی انقلاب کی طرح زرعی انقلاب بھی تدریجی طور پر اور نسبتہً آہستہ آہستہ ہی ہوا۔ ۱۸۲۵ء تک ملک کے طول و عرض میں بے احاطہ زمین کی بہت افراط تھی اور مڈلینڈ سے تو مشترکہ کھیت اور پرتی زمین ۱۸۴۷ء تک غائب نہ ہوئی تھی۔ ۱۸۳۰ء سے پہلے، انگلستان میں محنت بچانے والی جن کم و بیش اہم تدابیر کو استعمال کیا جاتا تھا وہ صرف حسب ذیل تھیں :۔ رودرہم کے رہنے والے سمال کا ترقی یافتہ ہل، گاہنے والی مشین جسے ڈنبار کے رہنے والے جیمس مائکل نے (قریب ۱۷۸۴ء میں) ایجاد کیا تھا اور گھوڑے سے

چلنے والا گھس پھیرا[۱] جس سے گھاس کو اچھالا جاتا تھا اور جس کا حق ایجاد ووبرن کے رہنے والے ہنسلمن نے سنہ ۱۸۰۰ء میں حاصل کیا تھا۔ سنہ ۱۷۸۸ء اور سنہ ۱۸۱۶ء کے درمیان مختلف چیزوں کے حق ایجاد حاصل کئے گئے۔ مثلاً قطار میں بونے کی نلکیاں، فصل کاٹنے، تراشنے اور بھوسہ اڑانے کی مشین، چری کاٹنے اور شلجم کے قتلے کاٹنے کی مشینیں لیکن معلوم ہوتا ہے ان کا استعمال بہت کم کیا جاتا تھا۔ لیکن شمال میں لوہے کے دروازوں اور باڑھوں کا استعمال کیا جانے لگا تھا۔ سنہ ۱۸۳۰ء کے قریب مشرقی اسکاٹ لینڈ میں فصل کاٹنے کی مشینوں کے تجربے کئے گئے لیکن ان میں بہت کم کامیابی ہوئی۔ گھوڑے کے ذریعے قطار کے اندر بوائی اور نرائی اگرچہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ عام ہوگئی تھی لیکن سنہ ۱۸۳۰ء تک یہ طریقہ عام طور پر استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ غالباً سب سے زیادہ ہمہ گیر ترقی یہ ہوئی تھی کہ لکڑی کے اوزاروں کی جگہ لوہے کے اوزار استعمال کئے جانے لگے تھے چنانچہ سنہ ۱۸۳۰ء اور سنہ ۱۸۴۰ء کے درمیان ایسے ہل اور دندانے دار ہراون استعمال کئے جانے لگے تھے جو پورے لوہے کے بنے ہوتے تھے۔

فصل کاٹنے کی مشین کو بل نے سنہ ۱۸۲۶ء میں ایجاد کیا۔ لیکن اس کا استعمال اس وقت تک وسیع طور پر نہیں کیا گیا جب تک کہ ہیورلے کے رہنے والے کراس کل نے سنہ ۱۸۵۳ء کے قریب اس میں اصلاح نہیں کی۔ یہ نئی مشین غلّے کو صرف کاٹتی ہی نہیں تھی بلکہ ان کی پولیاں بنا کر بھی رکھتی جاتی تھی۔ سنہ ۱۸۵۰ء اور سنہ ۱۸۷۰ء کے درمیان بھاپ کی قوت کا استعمال پہلے تو گاہنے میں کیا گیا اور پھر بعد میں مختلف فصل کاٹنے کی مشینوں میں فینس کے دور دراز حصوں کے سوا باقی اور سب جگہ ہنسئے اور ہنکھ کی جگہ درانتی کو استعمال کیا جانے لگا۔ قوت محرکہ سے چلنے والی زرعی مشینوں کو بھی، بوٹ اور شوز کی مشینوں کی طرح، پہلے امریکا میں ترقی ہوئی جہاں انگلستان کے مقابلے میں ان کا استعمال بڑے مزرعوں پر جن میں وسیع طریقے پر کاشت ہوتی تھی، زیادہ نفع بخش اور قابل عمل ثابت ہوتا تھا۔ آج بھی انگلستان کے صرف بہت بڑے پٹہ دار ہی قوت محرکہ سے چلنے والے ہل اور ان مختلف مشینوں کو استعمال کرتے ہیں جن کا رواج امریکا اور نوابادیوں کے مزرعوں میں بہت عام ہے۔

غالباً سنہ ۱۸۷۰ء کے بعد سب سے اہم مشین جو ایجاد کی گئی وہ اشٹرنگ بائنڈر[۲]

---

۱ Tadder

۲۔ پولے یا گٹھا باندھنے والی مشین۔

ہے۔ جسے سب سے پہلے ایپل بی نے ۱۸۷۹ء میں ایجاد کیا تھا۔ اب اس مشین کی مختلف قسمیں عام استعمال میں ہیں جنھیں دستی محنت کا بہت کارگذار نعم البدل سمجھا جاتا ہے۔ معدنی تیل سے چلنے والے انجن کو بھی مزرعے کے بہت سے کاموں کے لئے بہت قیمتی مددگار سمجھا جاتا ہے۔ قوت محرکہ سے چلنے والے شکنجے بھی جو گھاس اور بھوسے کو دبانے کے لئے (۱۸۸۰ء میں ایجاد کئے گئے تھے) ذخیرہ کرنے کے کام میں بہت مفید ثابت ہوئے۔

دوسری اہم مشین جو حال ہی میں ایجاد ہوئی ہے وہ بھیڑ کے بال کاٹنے والی مشین ہے اور خار دار تاروں کے استعمال اور نالی دار لوہے کی چادروں کے رواج سے بھی باڑھ بندی اور فارم کی عمارتوں کی لاگت خاصی گھٹ گئی ہے۔

۱۷۔ دوسری ترقیاں ۱۷۶۰ء اور ۱۸۳۰ء کے درمیان پنیالی زمینوں کے پانی کو نکالنے میں بھی بہت تیزی سے ترقی کی گئی۔ ۱۷۶۴ء میں واروک شائر کے یوسف الکنگ ٹن نے ان ڈھلواں زمینوں کے زیریں نکاس کے انتظام کرنے کی کوشش شروع کی جو چشموں کے پھوٹ کر بہہ نکلنے کی وجہ سے پانی سے بھر جایا کرتی تھیں۔ اس کے طریقے میں گہری خندق کا استعمال کرنا ضروری تھا۔ اس نے واروک شائر میں پرنس تھورپ کے مقام پر پانچ فٹ گہری خندق کھود کر کھیتوں سے پانی کے نکاس کا انتظام کیا۔ یہ طریقہ اس پرانے رواج سے متفقہ طور پر بہتر تھا جس میں زمین کے اندر اونچی ٹیکریاں سی کھڑی کر دی جاتی تھیں اور دو مینڈوں کے درمیان اس لئے خلا چھوڑ دیا جاتا تھا کہ پانی سطح کے اوپر سے بہہ کر نکل جائے۔ یہ تدبیر ایسی تھی کہ جس سے زمین کے وہ تمام زرخیز کرنے والے اجزا بھی ضایع ہو جاتے تھے جو بارش کے پانی میں گھلے ہوئے موجود ہوتے تھے۔ تقریباً ۱۸۳۵ء تک جب ڈین سٹن کے رہنے والے اسمتھ نے افقلی نکاس کی نالیوں کا نظام جاری کیا جن کو پتھر بھرنے کے بعد اوپر سے بند کر دیا جاتا تھا، الکنگ ٹن کا طریقہ عام طور پر اختیار کر لیا گیا تھا۔ ۱۸۵۰ء تک نکاس کے نل بھی استعمال کئے جانے لگے۔ چکنی مٹی کے ہاتھ کے بنے ہوئے نل سب سے پہلے کنٹ میں استعمال کئے گئے اور ۱۸۴۰ء میں اسکس میں مشین سے بنے ہوئے نلوں کی آزمائش کی گئی۔ مشین سے بنے ہوئے چکنی مٹی کے نلوں کا عام استعمال پارکس ریڈ اور اسکریگ کی ایجادوں کے بعد ۱۸۴۳-۴۴ء میں ہونے لگا۔

کھاد کو نفع بخش طریقے پر استعمال کرنے کے لئے پہلے یہ ضروری تھا کہ پانی کے نکاس کا بہتر انتظام کر لیا جائے۔ کیونکہ جن زمینوں پر نکاس کا انتظام ہوتا تھا انھی پر کھاد کا بغیر ضائع ہوئے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اٹھارویں صدی کے اختتام تک کھاد کے معاملے میں پٹہ داروں کا انتخاب صرف نباتی کوڑے کرکٹ کی راکھ اور مکولیشی خانے کے گوبر تک محدود تھا اور پودے کی زندگی کے لئے جن غذاؤں کی ضرورت ہے ان کا انھیں بہت کم علم تھا۔ انیسویں صدی کے دوسرے ربع میں جرمنی میں گیسن مقام پر لی بگ نے زرعی کیمیا کو مدون کیا۔ جب ۱۸۴۳ء میں روتھم سٹڈ تجربی اسٹیشن قایم کیا گیا تو انگلستان میں لاز اور گلبرٹ نے اس علم سے لوگوں کو متعارف کر دیا۔

نائٹریٹ آف سوڈا کا استعمال جو بہت اہم کھاد ہے ۱۸۳۵ء میں پہلی مرتبہ جاری ہوا اور ۱۸۴۰ء تک ہڈیوں کے سفوف اور ہڈیوں کے سفوف کی کھاد عام طور پر استعمال کی جانے لگی۔ ۱۸۴۳ء میں لاز نے چونے کے سپر فاسفیٹ کو بنانا شروع کیا۔ دوسری طرف ہنسلو نے یہی کھاد اس بجری کے کوپرالائٹ سے بنایا جو جنوب مشرقی انگلستان میں پائی جاتی تھی۔ جنوبی امریکا سے گوآنو کی[1] درآمد بھی اسی زمانے میں شروع ہوئی اور اس کے بعد امونیا سے بنائے ہوئے کھاد بھی استعمال کئے جانے لگے۔

۱۸۴۰ء میں شاہی زراعتی سوسائٹی کے قائم ہو جانے سے زرعی علم کی خوب اشاعت ہوئی اور علمی صوبوں پر عملی کاشت کی بھی اچھی ہمت افزائی ہوئی۔

گذشتہ چالیس سال میں مندرجہ ذیل خاص ترقیاں ہوئی ہیں:- تہ نشیں کھنگر کے بارے میں یہ دریافت کہ وہ ایک اچھا فاسفیٹ کھاد ہے۔ (یہ چیز لوہے کے بنانے کے سلسلے میں ایک بے کار ضمنی پیداوار کے طور پر حاصل ہوتی تھی) سبز چارے کو محفوظ رکھنے کے ترقی یافتہ طریقے۔ گھاس پات کو فنا کرنے کے لئے تانبے کے نمکوں کے محلول کا استعمال۔ آلات زراعت میں بھی بلاشبہ برابر ترقی ہوتی رہی خصوصاً امریکا میں جہاں سائنس کے مطابق کاشت بہت ترقی یافتہ حالت میں ہے۔ ۱۸۸۹ء میں ایک زراعتی بورڈ دوبارہ بنایا گیا۔ اس کا خاص کام یہ تھا کہ پودوں کے امراض کے

[1] مچھلی کا کھاد یا ایک پرندے کی بیٹ جو کھاد کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

جاری ہونے اور پھیلنے کا تدارک کرے اور زراعت کے تجربی اور علمی مطالعے کی نگرانی کرے۔ ناروے میں ہوا کے اندر بجلی کے شرارے گذار کر مصنوعی نائٹریٹ اس طرح بنائے گئے ہیں کہ اس عمل سے جو نائٹرک ترشہ بنتا تھا اُسے القلی کے ذریعے منجمد کر لیا جاتا تھا۔ ۱۸۷۰ء کے بعد سے دودھ کی پیداوار کے سائنٹیفک انتظام کی طرف خاص توجہ کی جا رہی ہے۔ برطانیہ کی دودھ مکھن کی انسٹی ٹیوٹ، شاہی زراعتی سوسائٹی، زراعتی کالج اور اضلاع کی کونسلیں سبھوں نے دودھ مکھن کے نظری اور عملی علم کو بڑھانے کی بہت کوشش کی ہے۔

دودھ دوہنے کی مشینیں ایجاد کی گئی ہیں گو لارینس کینیڈی اور ڈوپلے کے نمونوں کے رواج سے پہلے نلکیوں کو صاف رکھنے میں بڑی مشکل پیش آتی تھی۔ دودھ سے متعلق تمام کاموں کے انجام دینے کے طریقوں میں علمی اصولوں کی بہت تیزی کے ساتھ ترقی ہوئی ہے۔ سپریٹر[1] کے اصول نے جسے لوال، نے فلڈ اور پٹرسن نے ترقی دی، دودھ مکھن کی صنعت میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے اور انیسویں صدی کے نصف آخر کی بڑی ایجادوں میں اس کا شمار فصل کاٹنے کی مشین اور پولے باندھنے کی مشین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

سپریٹر کے فوراً بعد دوسری اور بہت سی ایجادیں ہوئیں مثلاً ترقی یافتہ متھنیاں، دودھ جانچنے کے آلے، دودھ ٹھنڈا کرنے والے آلے، مکھن کو سکھانے والے آلے، ورکرز، سخت کرنے والے آلے، فولادی استر کے برتن اور دوسری ایجادیں لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ چیزیں عام استعمال میں کس قدر آچکی ہیں۔

۱۸۔ صنعتی اور زرعی انقلابات کے اثرات بہ صورت مجموعی

یہ تو ہم نے دیکھ لیا کہ تقریباً ۱۷۶۰ء کے بعد سے زراعت اور صنعت دونوں میں کس طرح دفعتہً ترقی واقع ہوئی۔ اب یہاں اس انقلاب کے جو اثرات ان دونوں پر پڑے ان کا موازنہ کرنا بھی مناسب ہوگا ہم نے یہ دیکھا تھا کہ جھونپڑے کے دستی کرگھے کی جگہ پانی کی قوت سے چلنے والی گرنی استعمال کی جانے لگی جسے شہر سے دور دراز جگہوں پر

[1] مکھن کو مٹھے سے جدا کرنے والا آلہ۔

نصب کرنا پڑا اور بعد میں بڑے شہروں میں کام کرنے والی فیکٹریاں وجود میں آگئیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم ایک جملے میں صنعتی انقلاب کو (اس کے وسیع مفہوم کے ساتھ) بیان کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ ترقی بڑے پیمانے کے طریقوں کو اختیار کر کے ہی کی گئی اس میں کوئی شک نہیں ابتدا میں انقلاب کا اثر صرف یہ ہوا کہ گھریلو پارچہ بافی کا حلقہ وسیع ہوگیا لیکن جلد یا بدیر فیکٹریاں وجود میں آئیں۔ تقریباً تمام صنعتوں نے ان کا اثر قبول کیا۔ لیکن بعض صنعتوں مثلاً روئی کی صنعت کی ہیئت سب سے پہلے بدلی۔ تمام ایسی صنعتیں جن میں بڑے پیمانے پر مال پیدا کرنے کی صلاحیت تھی مثلاً اون کی صنعت جلد یا بدیر منقلب ہوگئیں اگرچہ اس بات کو بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ آج بھی بہت سی صنعتیں موجود ہیں جو باوجود چھوٹے پیمانے پر کام کرنے کے مقابلہ کرنے میں کامیاب ہیں۔

گو یہ رجحان زراعت اور صنعت دونوں میں پایا جاتا تھا لیکن ان میں فرق بھی تھا اور یہ فرق اس لئے تھا کہ جو مال یہ تیار کرتی تھیں ان کی نوعیت مختلف تھی۔ سوتی اور اونی مال کو عام طور پر سستی لاگت پر تیار کیا جا سکتا ہے کیونکہ جب مال کی زیادہ مقدار تیار کرنے کے لئے مشین کا استعمال کیا جاتا ہے اس کی وجہ سے بہت سی کفایتیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ جس کتاب کو لاکھوں کی تعداد میں فروخت کیا جائے اس کی قیمت اس کتاب کے مقابلے میں جس کے صرف چند نسخے چھاپے جائیں بہت کم ہوتی ہے۔ اگر کسی صناع کی بکری پہلے ہی سے خوب ہو تو اسے اپنے حریفوں پر فوقیت حاصل ہوگی اس کے بعد اس کا کاروبار جتنا بڑھتا جائے گا اتنی ہی آسانی سے وہ اپنے حریفوں کو کچل سکے گا۔ اس لئے ایک خاص نقطے تک کاروبار کا میلان بڑھنے کی طرف رہتا ہے اور چھوٹے کاروبار آہستہ آہستہ غائب ہوتے رہتے ہیں۔

چیزوں کو زیادہ مقدار میں تیار کرنے کی وجہ سے جب ان کی لاگت کی شرح کم ہوتی جاتی ہے تو ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ قانون تکثیر حاصل کی پابندی کر رہی ہیں۔ (زراعتی پیداواروں سے ان کا مقابلہ کر کے دیکھیے[1]) بعض ایسے کاروبار ہیں جن میں زیادہ سرمایے کی ضرورت ہے مثلاً لوہے کو پگھلانے کا کام۔ ان میں صرف

[1] اس کے معنی صنعت و زراعت میں بنیادی فرق کے ہیں جیسا کہ ابتدائی معاشیین کا خیال تھا۔

ایک بڑے فرم کے لئے خوشحال ہونے کا موقع ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ امیر لوگوں ہی کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ دوسری صنعتیں اپنے کاروبار کے پیمانے کے لحاظ سے ان سے مختلف نظر آتی ہیں۔ لیکن یہ بات مسلم ہے کہ جتنی کسی کاروبار کے اندر زیادہ بیش قیمت مشینوں کی ضرورت ہوگی اتنا ہی زیادہ رجحان اُس کاروبار کے اندر وسیع ہونے کا پایا جائے گا۔ اس میں دو بڑی رکاوٹیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ بڑے پیمانے پر کاروبار کرنے کے لئے مخصوص انتظامی قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے جو ممکن ہے فراہم نہ ہو سکتی ہو۔ دوسرے یہ کہ چیزیں چاہے جتنی زیادہ کیوں نہ تیار کرائی جائیں لیکن ہو سکتا ہے کہ ان کے لئے بازار تلاش کرنا ناممکن ہو جس کی وجہ سے مال کی نکاسی کی نئی راہیں نکالنے کے لئے بہت زیادہ قابلیت سے کام لینا ضروری ہو۔

زراعت ایسی چیزوں کو مہیا کرتی ہے جن میں اب تک کی انسانی تاریخ کو دیکھتے ہوئے کبھی بھی مستقل طور پر ضرورت سے زیادہ افراط پیدا نہیں ہوئی ہے خصوصاً آج جب کہ نقل و حمل کو ترقی ہوگئی ہے اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ عام استعمال میں آنے والی غذاؤں مثلاً گیہوں کی پیدائش اُس کی نکاسی سے زیادہ ہو جائے گی یا اس کی وجہ سے منڈی اشیائے تجارت سے پاٹ دی جائے گی۔[1] اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ زراعت پیشہ لوگوں کو زیادہ تر قدرت پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے نہ صرف کچے مال کے لئے (جس میں ان کے ساتھ صنعت پیشہ لوگ بھی شریک ہوتے ہیں) بلکہ نشو و نما کے مختلف کاموں کے لئے بھی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زراعت میں صنعت کے مقابلے میں کم سے کم موجودہ زمانے میں مشین کا استعمال کم ہوتا ہے اور اس میں مشین پذیری بھی کم پائی جاتی ہے۔ پھر زراعتی پیداوار کی طلب میں بھی صنعتی پیداوار کے مقابلے میں کم تبدیلی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زراعت ان لوگوں کے ہاتھ میں نہیں پہنچ سکی جن کے اندر نئے طریقوں کے دریافت کرنے اور فروخت کے بڑھانے کی اہلیت پائی جاتی ہے۔ زراعت میں اتنی زیادہ توجہ مال کی پیداوار بڑھانے کی طرف نہیں کی جاتی جتنی کہ مال کی نوعیت کو بہتر بنانے اور خود زمین کی مالیت کو بڑھانے کے لئے کی جاتی ہے۔ اسی بات کو قانون تقلیل حاصل اگر اُسے عام فہم زبان میں پیش کیا جائے اُس طرح بتاتا ہے کہ پیداوار کو بہت زیادہ

[1] حقیقی معنوں کے لحاظ سے۔

تیزی سے بڑھانا نفع بخش نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ صناع تو اپنی گرنی اور مشین کو اپنے حصول مقصد کا ایک ذریعہ سمجھتا ہے۔ لیکن زراعت پیشہ شخص اپنی زمین کو بجائے خود ایک مقصد سمجھتا ہے۔ بہت سا سرمایہ جو زمین میں لگایا جاتا ہے وہ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ضایع کر دیا گیا کیونکہ اس سے صرف زمین کی مالیت بڑھتی ہے۔

۱۹۔ زراعت پیشہ اور صنعت پیشہ لوگوں کا مقابلہ

اوپر کا یہ بیان ہمیں نئے زراعت پیشہ شخص اور نئے صناع کی سیرتوں کے فرق کو سمجھنے میں مدد دے گا۔ معاشی حالت کے لحاظ سے طبقوں میں جو ترقی رونما ہوئی اس کو ہم دیکھ چکے ہیں اور ہم نے اس اختلاف کو بھی دیکھ لیا ہے جو شہر اور دیہات کے ہم جنس طبقوں میں رونما ہو گیا تھا۔ اب ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امرا کا ایک نیا طبقہ وجود میں آ رہا ہے یعنی ایسا طبقہ جس کی امارت، دولت کی وجہ سے ہے۔ نئے زراعت پیشہ لوگ تو اپنے پیش رُوؤں سے بہت کم مختلف تھے۔ ان میں صرف ذہانت اور وسیع النظری کچھ زیادہ پائی جاتی تھی لیکن صنعت کے کام میں اس زمانے میں اس خاص اہلیت کی ضرورت تھی جس کی ترقی کو اس سے پہلے کے زمانے میں ناپسندیدہ سمجھ کر روکا جاتا تھا۔ نئے زمانے میں صرف وہی لوگ دولت جمع کرنے کی توقع کر سکتے تھے جو مروجہ خیالات سے آزاد ہوتے تھے جو جدت پسند، مستعد اور خود غرض بلکہ ایک حد تک غیر ہمدرد ہوتے تھے۔ پرانا صناع پرانے طریقوں پر قائم تھا۔ وہ اپنے ماتحتوں سے ذاتی طور پر واقف ہوتا تھا اور منافع کی معمولی شرح پر قانع تھا۔ اس کے علاوہ اُسے غالباً یہ فوقیت حاصل تھی کہ وہ اسی کام کو جاری رکھتا تھا جو اس کے آباؤ اجداد کرتے چلے آ رہے تھے۔ اس کے بعد زمانہ ایسے لوگوں کا آیا جنھوں نے اپنے کام کی ابتدا بغیر سرمائے کے کی اور اپنے لئے خود راستہ نکالا۔ یہ وہ لوگ تھے جو روپے ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے اور امارت کا کوئی اخلاقی معیار انھیں پابند نہ کر سکتا تھا چنانچہ نفع ذاتی اور سخت مقابلہ، کاروبار کے بنیادی اصول قرار دیے گئے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جب موجودہ حالات نے ایک خاص قسم کی اہلیت رکھنے والے لوگوں کو یکساں کام کرنے کے لئے منتخب کرنا شروع کیا تو ایک خاص نمونے کے آدمی یعنی صناع آہستہ آہستہ تعداد میں بڑھنا شروع ہوئے۔ ابتدا میں ان کے اندر جاذبیت نہیں تھی۔ ان کے اندر قدیم امارت کی خوبیاں تو تھیں نہیں لیکن برتری کا

احساس ویسا ہی تھا۔ جب وہ اپنے کاروباری اصول کو روپے آنے پائی کے مفہوم کے ساتھ اپنے ماتحتوں نیز اپنے مساوی درجے کے لوگوں کے ساتھ برتتا تھا تو اس کی وہی خصوصیتیں جو اس کو "صنعتی رہنما" بنانے کے لئے اس قدر موزوں ثابت ہوئی تھیں اس کی سیرت کو بہت بدنما روشنی میں پیش کرنے لگتی تھیں۔ زمانہ گذر جانے کی وجہ سے اس کی سیرت کے یہ نقوش ماند ہوگئے ہیں اور آج اس کی امتیازی خصوصیتیں آہستہ آہستہ زایل ہوتی جا رہی ہیں۔

جب ایک صناع دولت مند بن جاتا تھا تو وہ محسوس کرتا تھا کہ امرا کے حلقے میں تجارت کے خلاف ایک جذبہ پایا جاتا ہے۔ لہذا وہ صاحب وقار بننا چاہتا تھا اور اس کا ایک ذریعہ زمین حاصل کرنا تھا۔ اس لئے بہت سے نئے بڑے زمیندار وہ لوگ بن گئے تھے جو پہلے صناع رہ چکے تھے۔ اس کا اثر سوسائٹی پر بھی ظاہر ہوا۔ اس کی وجہ سے پرانی کنارہ کشی اور خواص پسندی ایک حد تک ہٹ گئی۔

۲۰۔ صنعت سے زراعت کی علیحدگی

جب زراعت اور صنعت کا تعلق واضح صورت میں نہ رہا تو ان کے درمیان اختلاف دوبارہ بڑھ گیا۔ بڑے پیمانے پر اگرچہ دونوں نے ترقی کی لیکن خود اس ترقی کی وجہ سے ان کاموں کو ملے جلے طریقے پر کرنے کا سلسلہ رک گیا۔ جب ایک صناع کے کاروبار میں ترقی ہوئی تو اسے اپنی ساری قوت اسی کام میں لگانا پڑی اور یوں زراعت کے کام سے اس کی وابستگی ختم ہوگئی۔ پھر چونکہ زراعتی کام بھی بڑے پیمانے پر کئے جاتے تھے اس لئے جب تک وہ صنعت کے کام سے لگا رہتا تھا، زراعت کے کام اس کی دسترس سے باہر ہو جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معاشی اعتبار سے صناع اور کسان کے درمیان ایک تقسیم عمل پیدا ہوگئی اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے یہ محسوس کیا کہ اس کے اپنے کاروبار میں اس کا ذاتی حصہ برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ ایسی صورت میں بھی کسی صناع کا اپنے پیشے کو ترک کر کے ایک بڑا کاشتکار بن جانا اس عام اصول سے مستثنی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

غرض وابستگی کے رشتے ٹوٹ گئے اور یہ کام بہ جبر کیا گیا تھا۔ اس موضوع پر زیادہ تفصیل کے ساتھ بعد میں بحث کی جائے گی یہاں صرف یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح چھوٹے پٹہ دار یا مزدور بہ جبر یا بہ رضا بے دخل کئے گئے تھے اسی طرح کرگھے پر بننے والوں کو بھی دھکیل کر بڑے پیمانے کے نظام میں پہنچایا گیا اور انھیں مجبور کیا گیا کہ

اپنی پوری قوت کو صنعت ہی کے کام پر صرف کریں۔ پہلے جُلاہے عام طور پر چھوٹے کسان بھی ہوا کرتے تھے لیکن جب یہ دونوں طبقے غائب ہو گئے تو زراعت اور صنعت کے درمیان ایک خلیج حایل ہو گئی۔

یہ بات پہلے بھی واقع ہوئی تھی جب شہروں میں دستکاری کی ترقی کی وجہ سے جرگے کے افراد نے اپنے کام میں تخصیص پیدا کر لی تھی اور اس سے بھی بہت پہلے تاجروں نے اپنی ایک برادری الگ ہی بنالی تھی۔ پس صنعتی انقلاب نے بنیادی تنظیم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ کاروبار میں تجارت پیشہ لوگوں کے حصے کو زیادہ وسیع کر دیا۔ حتےٰ کہ ان انقلابوں نے بھی جو ریلوں اور نقل و عمل کے دوسرے طریقوں میں ہوئے تاجروں اور صناعوں کے معاشری تعلقات میں کوئی بنیادی تبدیلی پیدا نہیں کی۔

زراعت ۱۸۵۰ء سے ۱۸۷۵ء تک

۱۸۵۰ء تا ۱۸۷۵ء کا زمانہ انگلستان کسانوں کے لئے سازگار ثابت ہوا۔ اس صدی کے پہلے نصف میں جو ترقیاں ہوئی تھیں وہ اب اپنا پورا اثر دکھلانے لگی تھیں جب ۱۸۴۶ء میں زمین کی ترقی کے لئے روپیہ قرض ملنے لگا تو روپے کی فراہمی کا مسئلہ بھی زیادہ مشکل نہیں رہا۔

غلے کی درآمد کے امتناعی قوانین کی منسوخی سے ۱۸۷۰ء کے بعد تک، انگلستان کی زراعت پر کوئی خراب اثر نہیں پڑا کیونکہ امریکا سے ابھی تک بڑی مقدار میں غلہ برآمد کرنا شروع نہیں کیا گیا تھا اور یورپ سیاسی مسائل میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ وہ انگلستان کی پیداوار سے کوئی سخت مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ۱۸۵۲ء تا ۱۸۶۲ء کا عشرہ انگلستان کی زراعت کے لئے سب سے زیادہ خوش حالی کا رہا۔ لگان برابر بڑھ رہے تھے۔ کیرڈ کا جس نے انگلستان کے زراعتی علاقے کا ۱۸۵۰ء میں دورہ کیا تھا یہ تخمینہ خیال تھا کہ اس صدی کے خاتمے سے پہلے انگلستان کی زمین کی قیمت دگنی ہو جائیگی یہ خیال اس واقعے کی بنا پر قائم کیا گیا تھا کہ آبادی ایک بہت محدود علاقے میں نہایت تیزی کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔ لیکن اس رائے کے قائم کرتے وقت نقل و حمل کی مشینوں کی ترقی کے ان اثرات کو پیش نظر نہیں رکھا گیا تھا جو آیندہ رونما ہونے والے تھے اور جو دنیا کے مختلف حصوں کی لاکھوں ایکڑ ناکاشتہ زمین سے فائدہ اٹھانے کے مواقع فراہم کرنے والے تھے۔

مگر انگلستان کے ریلوں کے نظام نے محض ملک کی زرعی بازار کو وسیع کیا اور ان سالوں کی (سنہ ۱۸۵۰ء تا سنہ ۱۸۷۰ء) صنعتی خوشحالی کا عکس، غذا کے سامان کی طلب خصوصاً گوشت کی طلب میں، دیکھا جا سکتا تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں انگلستان کے مویشیوں کی شہرت ساری دنیا میں پھیل گئی اور بھیڑوں کے پالنے میں جو ترقیاں کی گئیں وہ اس سے بھی زیادہ نمایاں تھیں۔ بدقسمتی سے سنہ ۱۸۶۲ء میں انگلستان میں بیل روگ (اندرپسٹ) کا حملہ ہوا۔ چھ مہینے کے اندر اندر چھتیس اضلاع میں وبا پھیلی اور یہ متعدی بیماری سنہ ۱۸۶۷ء تک جاری رہی۔ کھر اور منہ کا مرض بھی جو انگلستان میں پہلے پہل سنہ ۱۸۳۹ء میں نمودار ہوا تھا، برابر اس وقت تک پریشان کرتا رہا جب تک کہ بورڈ آف اگریکلچر نے سنہ ۱۸۹۰ء میں جانوروں کے امراض کے قانون کے تحت اپنے اختیاروں کو استعمال کرنا شروع نہیں کیا۔

ان سالوں میں زراعتی مزدور کی حالت تھوڑی بہتر ہو گئی کیونکہ زاید آبادی کے ایک حصے کی کھپت کچھ تو ان نئے کاموں میں ہو گئی جو ریلوں کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے اور کچھ مزدوروں کی جو طلب کوئلے اور لوہے کی صنعتوں میں پائی جاتی تھی اس کے پورا کرنے کے سلسلے میں۔ جہازرانی میں جو ترقیاں ہوئیں ان کی وجہ سے ترک وطن کی تحریک کو ترقی ہوئی اور زراعت پیشہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے امریکا اور آسٹریلیا میں اپنی قسمت آزمائی شروع کر دی۔

۲۲۔ یوسف آرک خوشحالی کا یہ زمانہ ختم ہو رہا تھا جب یوسف آرک نے زمین پر کام کرنے والے مزدوروں کو بہتر شرائط پر ملازم رکھنے کے لئے شورش شروع کی۔ اس نے سنہ ۱۸۷۲ء میں زراعتی مزدوروں کی انجمن بنائی اور ۱۶ شلنگ فی ہفتہ اور دن میں ۹ ½ گھنٹے تک کام کرنے کے لئے تحریک شروع کر دی۔ جب پٹہ داروں نے اس مطالبے کو ماننے سے انکار کیا تو مزدوروں نے ہڑتال کر دی اور یہ شورش تمام انگلستان میں پھیل گئی۔ نہایت تلخ کشمکش کے بعد کسانوں نے مزدوروں کا مطالبہ منظور کیا۔ اجرت بڑھ کر ۱۴ شلنگ اور بعض مقامات پر ۱۵ شلنگ ہو گئی لیکن یہ فتح عارضی تھی۔ سنہ ۱۸۷۵ء میں زبردست کساد بازاری شروع ہوئی اور سنہ ۱۸۷۹ء میں اجرتیں پھر گرنے لگیں اور سنہ ۱۸۸۲ء تک حالت یہ ہو گئی کہ کسان جو اجرت بھی دیتے تھے

مزدور اسی کو قبول کر لیتے تھے۔ ۱۸۸۴ء کے بعد سے انجمن برابر تنزل کی طرف مائل رہی اور دس سال بعد تقریباً بالکل ختم ہو گئی۔

لیکن اپنی زندگی کے اس مختصر دور میں زرعی مزدوروں کی اس انجمن نے مزدوروں کی ٹولی بندی[۱] کے نظام پر ایسی کاری ضرب لگائی جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس نظام کی ابتدا، اس صدی کے آغاز میں اس وقت ہوئی تھی جب فرانسیسی جنگوں کے دوران میں ان مقامات پر نئی زمینوں کو زیر کاشت لایا گیا تھا جہاں فصلوں کے کاٹنے کے لئے مزدور نہیں ملتے تھے، یہ ٹولیاں جن میں مرد، عورتیں اور بچے شامل ہوتے تھے نرائی کرتی اور ہتر توڑتی پھرا کرتی تھیں اور یہ نظام اخلاقی اعتبار سے بہت مذموم تھا۔

۳۳۔ عظیم کساد بازاری ۱۸۷۵ء کے بعد خوشحالی کا زمانہ ختم ہو گیا۔ آزاد تجارت کا پورا اثر آخر کار محسوس کیا جانے لگا اور امریکا سے گیہوں کی برآمد نے انگلستان کے بازار میں سیلاب برپا کر دیا۔ غلہ، کناڈا، بالٹک اور جنوبی روس سے بھی آنا شروع ہوا۔ انگلستان کی زمین جیسے زمیندار، عشر کے مالک، زراعت پیشہ شخص اور محصول کے روز افزوں بار۔ ان سب کا کفیل ہونا پڑتا تھا غیر ملکی نا کاشتہ زمینوں کا مقابلہ نہیں کر سکی اور ۱۸۸۴ء میں قیمتوں میں وہ زوال پیدا ہوا جس کے اندر بعد میں مستقل طور پر کبھی بحالی پیدا نہ ہو سکی۔

اس زوال کو خراب موسموں نے بھی امداد پہنچائی کیونکہ ۱۸۷۴ء اور ۱۸۷۵ء کے درمیان صرف دو اچھی فصلیں پیدا ہوئیں۔ بدترین موسم ۱۸۷۹ء کا تھا۔ اس کے علاوہ مویشی کی جگر کی بیماری اور دوسرے امراض کی وجہ سے بھی تباہی پھیلی۔ خراب فصلوں کی تلافی، قیمتوں کے اضافے کی صورت میں امریکا کے نئے مقابلے کی وجہ سے نہیں ہو سکی اور کسانوں کا سرمایہ اور ان کے لگان ۳۰ سے ۵۰ فی صدی تک کم ہو گئے۔ سینکڑوں کسان برباد ہو گئے اور مزروعہ رقبے کے ہزاروں ایکڑ کی کاشت کو ترک کر دیا گیا۔

غیر ملکی مقابلہ آہستہ آہستہ زراعت کی دوسری شاخوں میں بھی پھیلا۔ ۱۸۷۷ء تک غیر ملکی مویشی کی درآمد، صرف یورپ کے ملکوں کے زندہ جانوروں تک

۱۔ Gang System

محدود تھی لیکن ۱۸۶۷ء میں رئیس کی منجمد کرنے والی مشین ایجاد ہوئی اور آیندہ کے دس سالوں میں مختلف منجمد کرنے والی مشینوں کا حق ایجاد حاصل کیا گیا (مثلاً گیفورڈ اور بل کولمین کی مشینیں اور یہ ایسی ایجادیں تھیں جن سے خشکی اور سمندر دونوں جگہوں میں سردی پہنچا کر مال کو محفوظ رکھا جا سکتا تھا انگلستان کو اس طرح موقع ملا کہ وہ منجمد گوشت کی غیر محدود رسد کو آسٹریلیا سے حاصل کر سکے اور اس کی زراعت کی تباہی مکمل ہوگئی۔

پارلیمنٹ نے اس کاروبار کو مدد دینے کی کوشش کی۔ مقامی محاصل میں امداد دینے کے عطیے منظور کئے گئے اور عشر کی ادائی کی آخری ذمہ داری قابض کی جگہ مالک کی طرف منتقل کر دی گئی۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ تھی کہ ریلوے اور نہر کے قانون نے اس بات کی کچھ کوشش کی کہ خانگی اور غیر ملکی پیداوار کی شرح کو مساوی سطح پر لایا جائے۔ لیکن ان کارروائیوں کا کوئی نمایاں اثر نہیں ہوا اور زراعت میں ۱۸۹۶ء تک جب قیمتیں بڑھنا شروع ہوگئی تھیں حیات تازہ کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔

کساد بازاری کے آخری اسباب کا مسئلہ ابھی تک متنازع فیہ ہے۔ زراعت کے شاہی کمیشن نے جس کی پہلی رپورٹ ۱۸۹۴ء میں شایع ہوئی تھی میکانکی نقل و حمل اور دوسری ایجادوں کو اس کا سبب قرار دیا تھا جس کی وجہ سے برطانیہ کے بازار میں غیر ملکی لوگوں کی اہلیت مقابلہ بڑھ گئی تھی اور اس رپورٹ کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ تامینی محاصل کا مطالبہ دوبارہ کیا جانے لگا۔ حالیہ تحقیق نے اس نظریہ کو قابل اعتراض قرار دیا ہے۔ اس نے بتلایا ہے کہ کساد بازاری زراعت کی طرح صنعت پر بھی حاوی تھی بلکہ یہ عالمگیر تھی۔ غلہ انگلستان کی طرح، جرمنی، امریکا اور آسٹریلیشیا میں بھی اصلی لاگت سے کم پر فروخت کیا جا رہا تھا۔ صرف ہندوستان اور ارجنٹائن میں زرعی قیمتیں اپنی جگہ پر قائم تھیں اور ان ملکوں کا نظام زر چاندی کے معیار پر قائم تھا۔ لہذا کساد بازاری کا صحیح سبب سونے کی قلت رسد کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس استدلال کی بنا اس واقعے پر قائم ہے کہ کساد بازاری اس زمانے میں شروع ہوئی جب جرمنی اور دوسرے ملک چاندی کے معیار کو چھوڑ کر سونے کا معیار اختیار کر رہے تھے اور اس لئے ان ملکوں میں سونے کی طلب بہت بڑھ گئی اور ۱۸۹۶ء میں اس وقت

ختم ہو گئی جب ٹرانسوال کی نئی رسد نے زرِ رواں کی مجموعی مقدار پر اثر ڈالنا شروع کر دیا۔ موجودہ زمانے میں دنیا کی جو حالت ہے اس کے پیشِ نظر یہ استدلال ہماری توجہ کا خاص طور پر مستحق ہے۔

جدید زراعت ۱۸۹۵ء تا ۱۹۱۴ء

۱۸۹۵ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیان، ان کوششوں کی وجہ سے جو غیر ملکی مقابلے کے اثرات کو کم کرنے کے لئے کی گئیں، انگلستان کے طریقہ کاشت کی نوعیت میں خاصی تبدیلی ہو گئی۔ دودھ، مکھن، پھل اور ترکاری کی پیداوار نے جن کے پیدا کرنے میں ان کے سریع الزوال ہونے کی وجہ سے انگلستان کو ایک قدرتی تامین ملی ہوئی تھی، گیہوں اور گوشت کی جگہ لے لی۔ آبادی کے شہری ہو جانے اور اس کے ساتھ ساتھ تیز رفتار ذرایع نقل و حمل کی سہولتوں کی وجہ سے ایسے مواقع پیدا ہوئے جن سے فائدہ اٹھانے میں حوصلہ مند کسانوں نے کبھی تساہل نہیں کیا۔

زمین کے مسئلے نے ایک نئی شکل اختیار کرنا شروع کر دی۔ موجودہ صدی کے آغاز میں اکثر اس رائے کا اظہار کیا جاتا تھا کہ ملک کے اندر بڑے پیمانے کی صنعتوں کی ترقی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور قومی مفاد کی خاطر زمین کی طرف دوبارہ واپس جانا بہت ضروری ہے۔ لیکن اس نئے انقلاب کی راہ میں نہایت سخت موانع حایل تھے۔ انگلستان کے زمیندار چھوٹے پٹے دار کی جگہ، بڑے پٹے دار کو ترجیح دیتے تھے۔ دیہات میں رہایشی مکانوں کی بہت شدید قلت تھی۔ ایسے چھوٹے قابضانِ اراضی کے پاس جن کے رقبۂ مقبوضہ کو سب سے زیادہ مناسب سمجھا جاتا تھا ضروری سرمایے اور مال کے فروخت کرنے کی سہولتوں کی کمی تھی۔ ان تمام مشکلوں نیز پچھلے قوانین کے نقایص کو دور کرنے کے لئے، مختصر مقبوضات کاشت[1] کا قانون ۱۹۰۸ء میں منظور کیا گیا اور مقامی حکومتوں کی امداد کے لئے مختصر مقبوضات کاشت کے کمشنر مقرر کئے گئے۔ ۱۹۱۴ء تک ان کوششوں کو صرف جزوی کامیابی حاصل ہوئی۔ یورپ میں تو مختصر مقبوضات کاشت کامیاب رہے ہیں لیکن صرف انہی جگہوں میں جہاں زمین

۱۔ Holdings

اور آب و ہوا صنعتی فصلوں مثلاً تمباکو، ہاپ، چقندر، گوبھی، سن اور سنئی وغیرہ کے بونے کے لئے سازگار رہے۔ جہاں یہ حالات موجود نہیں ہیں وہاں کاشت کار کا معیارِ زندگی ایسا ہے جس کو انگلستان کے لوگ کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ چھوٹے مقبوضات کاشت، سوائے غیر معمولی موافق حالات کے، انگلستان میں زیادہ کامیاب ثابت نہیں ہوئے ہیں۔

جنگ کے سالوں میں، قوم نے، آبدوز کشتیوں کی دھمکی کی وجہ سے، یقیناً اس خطرے کو شدت کے ساتھ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا جو غیر ملکی غذا کی درآمد پر تقریباً کلی دار و مدار رکھنے کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے۔ اور جنگ کے ان سالوں کے تجربے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ زمین سے جس قدر فائدہ اس وقت اٹھایا جا رہا ہے اس سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا امکان موجود ہے۔ صلح کے بعد سے دیہاتی زندگی کی سہولتوں کو ترقی دینے کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ شہر کی کشش کا مقابلہ کیا جا سکے۔ لبرل پارٹی کے پروگرام کا ایک اہم جزو زمین کو آباد کرنے کی ایک ہمہ گیر اسکیم بھی ہے۔ پیشین گوئی ہمیشہ خطرناک ہوئی ہے لیکن اس بات کا امکان کم ہی معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو قومی ملکیت بنائے بغیر یا بہت زیادہ سرکاری امداد لئے بغیر ایک نیا زرعی انقلاب پیدا کیا جا سکے گا

باب ۶

فرانس سے جنگ عظیم کے معاشی اثرات

۱۔سیاسی تاریخ کی جگہ قارئین نے یہ محسوس کیا ہوگا کہ ہم نے اپنے جائزے کے دوران میں سیاسی تاریخ کا بہت کم ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ان بہت سے عاملوں میں سے جو معاشی زندگی پر اثر ڈالتے ہیں صرف ایک عامل ہے اور کسی لحاظ سے اسے اہم ترین عامل نہیں سمجھا جا سکتا۔ بہت سے بادشاہوں نے مثلاً ہنری سوم نے طویل مدت تک حکومت کی لیکن لوگوں کی اندرونی زندگی پر اس کا بہت کم اثر پڑا۔ عہد وسطیٰ میں جب حکومت کی طرف سے مداخلت کی بھی گئی تو اس کا رجحان یہی رہا کہ یا تو جو قوانین موجود تھے ان کی توثیق کر دی جائے یا ایک ایسی تبدیلی کو جو جاری ہو چکی تھی امداد پہنچائی جائے۔ طاقتور بادشاہ اور حکومتیں بھی زمانے کے اقتضا یا قوم کی مرضی کے خلاف مستقل طور پر کام نہیں کر سکتیں۔ اس کے علاوہ عہد وسطیٰ کی بہت سی جنگوں کا اثر بھی اسی حد تک پڑا جتنا ان کا اصلی متحارب فریقوں سے تعلق تھا چنانچہ جنگ ہائے گلاب تقریباً جاگیرداروں اور ان کے قریبی لواحقین تک محدود رہیں۔

بایں ہمہ بعض سیاسی تبدیلیوں کا معاشی ساخت پر بھی بڑا اثر پڑا اس قسم کے

مظاہر، ماضی قریب میں بھی واقع ہوئے ہیں اور دوبارہ بھی واقع ہو سکتے ہیں۔ کچھ ایسی استثنائی صورتیں بھی ہیں جن میں ان کی وجہ سے پوری قوم کی زندگی بدل گئی ہے۔ لیکن یہ بات کہ یہ بڑے اثرات دائمی ثابت ہوئے ہوں مشتبہ ہے۔ فرانسیسی انقلاب کے نتائج کی اہمیت میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں ہے اور ان میں سے بعض اثرات کے آثار کو آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ تاہم فرانسیسی قوم کی جو حالت آج ہے وہ اس حالت سے کلیتہً مختلف نہیں ہے جو آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے پائی جاتی تھی اور بہت سے معاشی عوامل تو ایسے ہیں جن میں مشکل ہی سے کسی تبدیلی کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ سیاسی تبدیلی کا اثر ایک بڑی سیاسی تبدیلی کے نتائج، دو طرح پر اپنا کام کر سکتے ہیں۔ اول تو کوئی ایسی تبدیلی دفعتہً ہو سکتی ہے جو لوگوں کی زندگی کو اس کی معمولی جگہ سے ہٹا دیتی ہے جب خارجی تحریک باقی نہیں رہتی تو وہ قوتیں اپنا کام شروع کر دیتی ہیں جو قوم کو اپنی اصل حالت پر دوبارہ واپس جانے کے لئے مائل کر دیتی ہیں۔ اگر جنگ کے زمانے میں پریشانی عام ہوتی ہے اور امن کے قائم ہونے میں زیادہ تاخیر نہیں ہوتی تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محنت کی عادت عیش پسندی کے التوا کے ساتھ مل کر قوم کو اس کی پرانی جگہ پر واپس لے آتی ہے ۱۸۷۰ء کی جنگ فرانس اور جرمنی کے بعد جرمنوں نے اپنے پڑوسی کو کچلنے کی پالیسی کو جاری رکھا تاکہ آیندہ حملے کے خطرے کو غیر معین مدت کے لئے ملتوی کیا جا سکے۔ لیکن فرانسیسی قوم کی محنت اور کفایت شعاری کی عادت کی وجہ سے حیرت انگیز نتائج پیدا ہوئے۔ تاوان جنگ جتنی کم مدت میں ادا کیا گیا اسے دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ دوسری طرف السّاس اور لورین پر جرمنوں کے قبضے کی وجہ سے ایسی قوتیں پیدا ہو گئیں جنھوں نے وجہ مخاصمت کو طویل عرصے تک جاری رکھا۔

یہی صورت اس وقت بھی رونما ہو سکتی ہے جب ایک اہم معاشری خرابی کو دور کرنے کے لئے، کوئی سخت قانون بنایا جاتا ہے۔ اس قسم کی بہت سی خرابیاں سطحی سی معلوم ہوتی ہیں اور ان کو ایک ہی ضرب میں ختم کر دینا آسان معلوم ہوتا ہے تاہم یہ ہو سکتا ہے کہ اگر علاج غیر محتاط طریقے پر اور جلد بازی کے ساتھ کیا جائے تو اس کی وجہ سے ایسی قوتیں بیدار ہو جائیں جو اصل خرابی کو اور زیادہ شدید کر دیں۔

افلاس کا دور کرنا آسان معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اس کا علاج امداد یا خیرات کے براہ راست طریقوں سے کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ گیرندے کی خود اعتمادی کو نقصان پہنچے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ مفلس ہو جائے کیونکہ اب وہ اپنے قوت بازو سے کام کرنا ترک کر دے گا۔ اگر اجرتیں کم ہوں تو ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ اگر ان میں جبری طور پر اضافہ کرا دیا جائے گا تو معاملہ سب ٹھیک ہو جائے گا لیکن دراصل مسئلہ اتنا سہل نہیں ہے مثلاً اگر ایسا کیا گیا تو اس کی وجہ سے قیمتیں بھی بڑھ جائیں گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اجرتوں کے ذریعہ اتنی چیزیں نہیں خریدی جا سکیں گی جتنی پہلے خریدی جاتی تھیں۔

دوسرے قسم کا اثر جو ایک سیاسی تبدیلی کے بعد رونما ہو سکتا ہے وہ زیادہ پائدار قسم کا ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک قوم میں ایسی قوتیں ظاہر ہونے کی کوشش کر رہی ہوں جو معاشی اعتبار سے فائدہ مند ہوں اور جو بعض ان موانع کے دور کئے جانے کے بعد جو ان کی راہ میں حایل ہوں اہمیت اختیار کر سکتی ہوں۔ جیسا کہ ہم اکثر دیکھ چکے ہیں ایک غیر متغیر معاشرہ اپنے گرد ایک حصار کھینچتا چلا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے اندر نئے خیالات اور نئی قوتوں کو داخل ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ گذشتہ زمانے میں قدیم رواجوں کی ایک غرض و غایت ہوا کرتی تھی لیکن اب ان کی پابندی محض باطل پرستی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس لئے اگر انھیں بجبر فنا کر دیا جائے تو ان کو دوبارہ قائم کرنا عقل اور عام فہم و فراست کے خلاف ہوگا کیونکہ ان کے وجود کا سبب یہ تھا کہ اُن کا نشوونما قدرتی طور پر پرانے زمانے سے مسلسل ہوتا چلا آ رہا تھا لیکن اب وہ تسلسل ٹوٹ چکا تھا غرض اس طرح سوسائٹی نئے راستوں کو اختیار کرتی رہتی ہے اور مسلسل ترقی ہوتی رہتی ہے۔ فرانسیسی انقلاب کے وقت خود کاشت کرنے والے چھوٹے زمینداروں کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا اور یہ مختصر مقبوضات کاشت کا نظام فرانسیسی کسان کی فطرت کے عین مطابق ثابت ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظام کو اس ملک کی آب و ہوا اب پوری طرح راس آگئی ہے۔

۳۔ نوآبادیاں

اٹھارویں صدی میں خارجی تجارت نے اہمیت اختیار کر لی تھی اور سیاسی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ اس لئے نوآبادیوں کو سب سے اہم سمجھا جاتا تھا۔ نقل وطن کی بعض وقت تو حوصلہ افزائی کی جاتی تھی اور بعض وقت یہ

کام تعذیب اور ایذا رسانی سے بچنے کی وجہ سے جاری رہتا تھا۔ بعض صورتوں میں لوگوں کو دیس نکالا بھی دیا جاتا تھا (جیسے کہ ہیوگو نوکو دیا گیا) جب نقل وطن کرنے والے لوگ کسی غیر مہذب ملک پر قبضہ کرتے تھے تو یہ ملک اس قوم کی ملکیت سمجھا جاتا تھا جس سے ان کا تعلق ہوتا تھا۔ ابتدائی نوآبادکاری کے بہت بڑے حصے کو خالص ملکیتی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور مہم جو لوگوں کی اس معاملے میں گو کھلے طور پر ہمت افزائی نہیں کی جاتی تھی لیکن پھر بھی حکومت ان کی کامیابیوں سے فائدہ اٹھاتی رہتی تھی انگریزوں کی نوآبادکاری کا آغاز سترھویں صدی سے ہوتا ہے۔ ان دنوں میں آئرلینڈ کو غیر ملک سمجھا جاتا تھا اور یہاں بھی "مزرعہ[1]" آباد کرنے کی کوششیں کی گئی تھیں جن میں کامیابی صرف اُلسٹر میں حاصل ہوئی۔

نئے ملکوں میں اس طریقے کو اکثر اختیار کیا جاتا تھا اور بعد میں ان بستیوں کو سزایاب ملزموں کو جلاوطن کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جیسا کہ باٹنی بے کو کیا گیا۔ اس سے اس جذبے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو نوآبادکاروں کے مادری وطن میں، نوآبادیوں کی طرف سے پایا جاتا تھا۔ نوآبادیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور انھیں ملک کی خارجی چوکیاں سمجھا جاتا تھا جن کی ساری اہمیت مادر وطن سے تعلق قائم رکھنے پر منحصر سمجھی جاتی تھی۔ اگر کوئی نوآبادی اس منزل تک پہنچ جاتی تھی جس میں اس کے لئے اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا نفع بخش ہونے لگتا تھا تو اس نوآبادی کے تحفظ کے خرچ کو مادر وطن اپنے اوپر ایک بڑا بوجھ سمجھنے لگتی تھی۔ بعض وقت نوآبادکاری کا کام ایک تجارتی کمپنی انجام دیتی تھی جسے عام طور پر بڑی حد تک آزادی ملی ہوئی تھی۔ مثلاً ایسٹ انڈیا کمپنی اپنی ایک ذاتی فوج رکھا کرتی تھی۔ لیکن ان مثالوں کو استثنائی صورت سمجھنا چاہیے۔ اکثر نوآبادیوں کے بسانے کے سلسلے میں نوآبادکاروں پر جو بہت زیادہ خرچ ابتدا میں کیا گیا اُسے بھی نوآبادیوں کے مصارف میں شامل کر دیا جاتا تھا۔

پس مادر وطن کے لوگوں کے لئے یہ بات فطری تھی کہ وہ اس خرچ اور

[1] Plantation

تکلیف کا جو انھیں نوآبادی کے سلسلے میں برداشت کرنا پڑی تھی معاوضہ حاصل کرنے کی کوشش کریں خصوصاً اس وقت جب نوآبادی کی اہمیت بڑھنا شروع ہوتی تھی۔ اس پر مستزاد یہ بات تھی کہ نوآبادیوں کے بارے میں مادری وطن میں سخت لاعلمی پائی جاتی تھی۔ چنانچہ یہی وجوہ تھے جن سے تصادم کا امکان پیدا ہوا جب تک نوآبادی عہد طفولیت کی منزل میں رہی اس وقت تک مادر وطن کے تحفظ کو ناگزیر سمجھا گیا۔ دوسری طرف سب سے زیادہ نفع بخش اور محفوظ ترین تجارت بھی مادر وطن ہی کے ساتھ ہو کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ اس منزل میں مادر وطن کے خود غرضانہ اور مطلق العنانہ رویے کا نقصان نسبتہً کم محسوس کیا گیا۔

جب نوآبادیوں کو ترقی ہوئی تو نوآبادکاروں نے اپنے آپ کو جلاوطن انگریز سمجھنا ترک کر دیا بلکہ ان کے اندر ایک مشترک جذبہ پیدا ہونے لگا۔ اب مادر وطن کی یہ کوشش کہ وہ نوآبادکاروں کو اپنی مرضی کا پابند بنائے ناانصافی پر مبنی نظر آنے لگی۔ نوآبادیوں کی حفاظت کا جو کام مادری وطن نے انجام دیا تھا وہ اب ایک قصۂ پارینہ ہو چکا تھا۔

۴۔ تجارتی موانع — تجارت کی آزادی میں رکاوٹ ڈالنے کا دباؤ سب سے اہم اور تکلیف دہ معلوم ہوتا تھا۔ نوآبادیوں کو عام طور پر اس لئے بسایا گیا تھا کہ ان کے اندر اہم قدرتی پیداواریں پائی جاتی تھیں اور مادری وطن نے ان علاقوں کی زرخیزی کو ہمیشہ ملحوظ نظر رکھا تھا اور برابر یہ سمجھا کہ نوآبادیوں کی ان پیداواروں پر اس کا ایک مستقل حق ہے۔ یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ایک صناع کے لئے مشکل مسئلہ یہ ہے کہ اُن اشیاء کے لئے جنھیں وہ زیادہ سے زیادہ سہولت کے ساتھ تیار کر سکتا ہے کس طرح خریدار حاصل کئے جائیں۔ نوآبادکار لوگ خریداروں کی اس کمی کو پورا کرتے تھے اور اس کے بدلے میں اپنا مال بھیجتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر نوآبادی بسانے والے ملکوں نے اپنی بستیوں کی پیداوار پر اجارہ قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اسپین اور پرتگال نے سونے کو یہاں تک اکٹھا کیا کہ ان کی پیداواریں ناقابل یقین قیمتوں پر فروخت ہونے لگیں۔ ہالینڈ کے لوگ جن کے قبضے میں گرم مسالے کے جزائر تھے بے انتہا منافع اس مال سے کمانے لگے جو اس زمانے

میں جب سردیوں کے موسم میں غذا کے لئے صرف نمک لگا ہوا گوشت ہی میسر آتا تھا ناگزیر سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح دوسرے سب ملک بھی اپنے اپنے مال پر اجارہ قائم کرنے لگے اور صنعتی ملکوں میں مقابلے کی وجہ سے جو حریفانہ کشمکش پیدا ہوئی وہ باہمی مخاصمت کا نہایت موثر سبب بن گئی۔

نوآبادی کے ابتدائی زمانے میں چونکہ انگلستان ان کے تمام معاملات کو خود ہی انجام دیا کرتا تھا اس لئے محصول لگانے کے کام پر بھی قدرتی طور پر اپنی ہی نگرانی رکھتا تھا۔ اسی ہتھیار کو بعد میں تجارتی نگرانی کے لئے بھی استعمال کیا گیا۔ اکثر صورتوں میں غیر ملکی مال کے داخلے کی ممانعت کردی گئی یا اس پر محصول لگا دیا گیا۔ دوسری طرف نوآبادیوں کی برآمد پر بھی اسی قسم کی نگرانی قایم کردی گئی۔ تمام قوم کے تجار بین الاقوامی حیثیت رکھتے ہیں اور اگرچہ اپنے مادری ملک کے ساتھ جس سے زبان، جذبات اور خاص طور پر عادات کی وابستگی تھی وہ ترجیحی سلوک کرنا چاہتے تھے لیکن پھر بھی ان کے اندر یہ خواہش بھی موجود تھی کہ اگر دوسرے ملکوں کے ساتھ تجارت کرنا زیادہ نفع بخش ہو تو ان کے ساتھ ضرور تجارت کریں۔ اگر نفع بہت زیادہ ہوتا تھا تو اس کا ناگزیر نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ خاصے بڑے پیمانے پر خفیہ درآمد و برآمد شروع کردی جاتی تھی۔

نوآبادکاروں میں ابھی تک یہ جذبہ تھا کہ وہ انگلستان کے مقابلے میں کم درجے کے ہیں اور اس کے ماتحت ہیں اور اگر دباؤ حد سے زیادہ نہ ہوتا تو انگلستان سے جو شکایتیں پیدا ہوتیں وہ کسی عملی اقدام کی صورت اختیار نہیں کرتیں۔ لیکن انگلستان نے یہ فرض کرلیا تھا کہ ان خدمات کے معاوضے میں جو اس نے گذشتہ زمانے میں انجام دی تھیں، وہ اپنے مطالبوں کو اپنے نفع کی خاطر محصول عاید کرنے کی حد تک لے جاسکتا ہے۔ یہ اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ نوآبادیوں کے ساتھ اب بچوں جیسا سلوک نہیں کیا جاسکتا تھا۔

۵۔ شمالی امریکا۔ جب شمالی امریکا کی اہمیت بڑھنا شروع ہوئی تو جزائر غرب الہند نے انھیں حسد کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا اور انھوں نے اپنے شمالی ہمسائے کی تجارت کو محدود کرنا چاہا۔ خاص طور پر شکر کی تجارت میں انھوں نے اپنا اجارہ

قائم رکھنا چاہا۔

انگلستان نے غرب الہند کی طرفداری کی اور شمالی امریکا کے نوآبادکاروں پر جو پہلے ہی سے غیر مطمئن تھے اس کا اور زیادہ خراب اثر پڑا۔ بحر اٹلانٹک کی طرف امریکا کی جو نوآبادیاں تھیں انھوں نے مندرجہ بالا طریق کی پیروی شروع کردی ۱۷۶۵ء کے قانون اسٹامپ نے جس کے ذریعے ایک نیا ٹیکس لگایا جارہا تھا' معاملات کو انتہا تک پہنچادیا اور جب ۱۷۷۳ء میں بوسٹن کے لوگوں نے جہازوں پر لدی ہوئی چائے کو جس کو انگلستان زبردستی ان کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا تھا' سمندر میں پھینک دیا تو جنگ ناگزیر ہوگئی۔ انگلستان کو اپنی حماقت اور غیر ہمدردانہ رویے کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ لیکن پھر بھی معاملہ غنیمت ہی رہا۔ اگر یہی واقعات بعد میں رونما ہوتے جب آبادی زیادہ ہوگئی تھی اور قطعی طور پر انگریزی نسل کی نہیں رہی تھی تو ممکن تھا کہ نتائج اور بھی زیادہ افسوسناک ہوتے۔ نوآبادکاروں کو ۱۷۸۲ء میں آزادی مل گئی۔

اس زمانے میں کینیڈا کے صوبوں کی اہمیت کم تھی۔ وہ اصل کے لحاظ سے فرانسیسی تھے اور انھیں ہفت سالہ جنگ میں فتح کیا گیا تھا۔ اس زمانے میں انگلستان اور پروشیا کے مفاد میں اشتراک پایا جاتا تھا کیونکہ یہ دونوں سب سے زیادہ ترقی پسند قومیں تھیں۔ دوسرے پروشیا سے یورپ والوں کو سخت نفرت تھی۔ انگلستان کو فرانس سے جو رشک تھا وہ اس اتحاد کا ایک دوسرا سبب تھا۔ جنگ کا سلسلہ ۱۷۵۶ء سے ۱۷۶۳ء تک جاری رہا اور چار براعظموں میں اس جنگ کو جاری رکھا گیا۔ یہ جنگ زیادہ تر ملک گیری کے لئے تھی لیکن تسخیر ملک کی ہوس کی اصل محرک یہ چیز تھی کہ ہر ملک' اپنے دشمن کے زرخیز علاقوں کو حاسدانہ نظر سے دیکھتا تھا۔ یہ جنگ زیادہ تر معاشی اسباب کی خاطر کی گئی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ نوآبادیاں ایک کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے ہاتھ میں پہنچیں دوسری طرف نئی نوآبادیاں بسانے کے جذبے کو ترقی ہوئی۔ فرانس نے اپنی خاص توجہ یورپ کی طرف مبذول کی اور انگلستان نے اس سے فائدہ اٹھاکر آہستہ آہستہ کنیڈا کو فتح کرڈالا۔ ۱۷۵۹ء میں کیوبک پر قبضہ کرکے وولف نے معاملات کا فیصلہ کردیا اور جلد ہی فرانسیسی فوجیں کنیڈا سے خارج کردی گئیں۔ اس کے بعد سے

برطانوی شمالی امریکا میں نوآبادکاری کا کام برابر بڑھتا رہا۔ شمالی حصے میں صرف لاامکا دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ سکا۔

اسی اثنا میں انگلستان نے سمندر پر اقتدار حاصل کرلیا۔ ہندوستان میں ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے مقام پر فتح حاصل کر کے کلایو نے بنگال کی تسخیر کے لئے راستہ صاف کردیا۔ دوسری طرف جنوبی ہندوستان کو بھی آہستہ آہستہ فتح کرلیا گیا اور فرانسیسیوں کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ بہت سے اُتار چڑھاؤ کے بعد جنگ کا خاتمہ، انگلستان اور پروشیا کی فتح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ایک طرف پروشیا کو یورپ میں اقتدار حاصل ہوگیا۔ دوسری طرف انگلستان نے اپنی نوآبادیوں کی بنیاد مضبوط کرلی۔

۶۔ پٹ اور جارج سوم اس زمانے کی تاریخ جبکہ جنگ جاری نہ تھی زیادہ تر ملک کی حکومت کے بارے میں بحث کرتی ہے۔ اور وزارتوں کے عروج و زوال کو سب سے زیادہ اہم چیز سمجھا جاتا ہے۔ اس دور میں پٹ کا نام سب سے زیادہ ممتاز نظر آتا ہے۔ جارج سوم کے ساتھ مل کر، اس نے، اس بات کا تہیہ کرلیا تھا کہ پرانے زمیندار امرا کی طاقت کو کمزور کیا جائے۔ دولتمند لوگوں کا جو نیا عنصر حال کے زمانے میں پیدا ہوا تھا اس نے اس کا امکان بھی پیدا کردیا اور صنعتی انقلاب نے ملک کے سیاسی نظام میں تبدیلی پیدا کرنا جلد یا بہ دیر ضروری قرار دے دیا تھا۔ اگر پٹ اور بادشاہ ملکر کام کرتے رہتے تو ان دونوں کا اشتراک عمل بہت طاقتور ثابت ہوتا لیکن پٹ ایک روشن خیال منتظم تھا اور اس کے خیالات اپنے زمانے سے بہت آگے تھے اور وہ آدم اسمتھ کے نظریوں کو عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا۔

بادشاہ، ضدی اور تنگ نظر تھا۔ اس کے ارادے نیک تھے لیکن اس کے دماغ کی پرواز بہت محدود تھی۔ جارج سوم کو ایک ایسے بادشاہ کی مثال سمجھنا چاہیئے جس نے اپنے مداخلت کے اختیارات کی وجہ سے بے حد نقصان پہنچایا۔ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا زیادہ خودغرض لیکن محتاط حکمراں ہوتا تو وہ ایسی غلطیوں کا ارتکاب نہ کرتا۔ پٹ اگر تنہا کام کرتا تو معاشی تاریخ کے اس بحرانی دور میں وہ ملک کی رہبری اول تو امن و عافیت کی طرف کرتا اور اگر ایسا نہ بھی کرتا تو بھی اپنے ہم عصروں کے مقابلے میں اپنا کام بہتر طریقے پر انجام دیتا۔ لیکن واقعتہً ہوا یہ کہ سخت مصیبت و ابتلا

کے زمانے سے گذرنا پڑا کیونکہ جارج سوم اس عبوری دور کے لئے ایک موزوں حکمراں نہیں تھا۔

پٹ نے ترقی کی طرف ایک اہم قدم اٹھایا ابتدائی تجارتی معاہدوں میں سے ایک معاہدہ جو پرتگال کے ساتھ کیا گیا وہ ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے پورٹ شراب کا پینا اس لئے حب الوطنی کا کام سمجھا جانے لگا تھا کہ ایسا کرنے سے اپنے ملک کے مال کو پرتگال میں پہنچانے کا امکان پیدا ہوتا تھا۔ اس کے بعد ۱۷۰۵ء میں اسپین کے ساتھ معاہدہ کیا گیا۔ ۱۷۸۶ء میں پٹ نے فرانس کے ساتھ جو ہمارا موروثی دشمن تھا ایک تجارتی معاہدہ کر لیا۔ اسی کے ساتھ آئرلینڈ کی حالت میں بھی بہتری پیدا کی گئی اور اس کے مال کو زیادہ آزادی کے ساتھ ملک کے اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ آہنی سامان اور کتان کا کپڑا فرانس کو بغیر اس ملک کی طرف سے کسی روک ٹوک کے روانہ کیا گیا اور ہم نے اس کے جواب میں شراب اور برانڈی کے خلاف محاصل کو کم کر دیا۔ پھر چونکہ اس وقت تک ہم پرتگال کے ساتھ معاہدہ کی شرائط کے پابند تھے اس لئے ہمیں پرتگال کی شرابوں پر بھی محصول کو کم کرنا پڑا کیونکہ معاہدہ یہ تھا کہ جس قوم کے ساتھ ہم سب سے زیادہ رعایت کریں گے اس سے بھی کم محصول پرتگال پر لگائیں گے۔

۷۔ فرانس کا انقلاب اٹھارویں صدی کا سب سے اہم واقعہ فرانس کا انقلاب تھا۔ ہمارے ملک میں ابتدا میں اس کے ساتھ ہمدردی کا رویہ رکھا گیا۔ ورڈس ورتھ جیسے لوگ کھلے طور پر اس کی حمایت کرتے تھے۔ لیکن پھر رخ بدلا اس ملک میں بھی اسی قسم کے انقلاب کے لئے مواد موجود تھا۔ ایک طرف تباہ حال مزدوروں کا طبقہ تھا۔ دوسری طرف ایک بے درد امرا کا طبقہ۔ اس کے علاوہ ایک نیا اور زیادہ بے رحم اور زیادہ طاقتور ظالموں کا گروہ تھا یعنی نئے صناعوں کا۔ اگرچہ ان کی بے رحمی اتنی بلاواسطہ نہیں تھی جتنی کہ بدترین فرانس کے امرا کی تھی۔ سیاسی اقتدار زیادہ تر پرانے امرا کے ہاتھ میں تھا جس کا تسلسل اس زمانے میں ٹوٹ جایا کرتا تھا جب وہگ پارٹی برسر اقتدار آجاتی تھی۔ پھر ان امرا کے یہ زیادہ دولتمند حریف میدان کے مالک بن جاتے تھے۔ تاہم کوئی سخت فتنہ و فساد نہیں ہوا۔

بے چینی تو بہت زیادہ تھی لیکن یہ دبی ہوئی تھی۔ جب روبسپیر اور اس کے پیرووں کی زیادتیوں کو محسوس کیا گیا تو انقلابی کے نام سے لوگوں کو نفرت ہوگئی۔ فرانس اور اس کے جملہ کاموں کے ساتھ جو طبعی منافرت موجود تھی اس میں اس کی وجہ سے اور شدت پیدا ہوگئی۔ اصلاح کو چاہے وہ کتنی ہی ضروری اور معتدل کیوں نہ ہو شبہہ کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ ردّ عمل کا زور تھا۔ کچھ تو اس لئے کہ ملک کی رائے عامہ تبدیلی کی مخالف تھی اور کچھ اس خوف سے کہ اگر اصلاحوں کو منظور کر لیا گیا اور ادنیٰ طبقے کے لوگوں کی حالت بہتر ہوگئی تو اس ملک کے اندر انقلاب کے لئے راستہ صاف ہو جائے گا۔ بادشاہ، ظاہر ہے، ترقی کے خلاف تھا۔ دوسری طرف پٹ انقلابیوں کی زیادتیوں سے ناراض تھا۔

غرض، فرانس کے انقلاب کا فوری اثر انگلستان میں یہ ہوا کہ وہ معاشی اصلاحات جنھیں قدرتی طور پر ہونا چاہئے تھا اور جو دوسری صورت میں ضرور حقیقت کا جامہ پہن لیتیں، رونما نہیں ہو سکیں۔ ادنیٰ طبقوں کو جو دوسری صورت میں تدریجی ترقی کر کے اس اونچی جگہ پر پہنچ جاتے جس کے لئے وہ موزوں تھے، سیاسی اور معاشی (گو قانونی نہیں) ماتحتی میں رکھا گیا اور یہ ماتحتی بعض صورتوں میں ایسی ہی خراب تھی جیسی بیگار کے ابتدائی زمانے میں پائی جاتی تھی۔ اعلیٰ طبقے کے ان اصلاح پسند حضرات کے ہاتھ جو موجودہ مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے کچھ کر سکتے تھے، رودبار کے دوسری طرف کی خوفناک مثال کی وجہ سے بالکل شل ہو گئے تھے۔ بونا پارٹ نے ایک زیادہ کارگذار انتظام حکومت قایم کیا لیکن وہ بھی تیزی کے ساتھ ترقی چاہتا تھا۔ انگلستان کی کیفیت مختصر طور پر یہ تھی کہ وہ نپولین کی ہر بات کے خلاف تھا اور اُس نے اپنے یہاں وہی طریقے اختیار کئے جن کو میٹر نک نے ۱۸۱۵ء کی صلح کے بعد یورپ میں استعمال کیا تھا۔ انگلستان میں، اُمرا کے طبقے نے اپنی معاشی طاقت کو سیاسی ذرایع سے بڑھایا۔ انگلستان ایک ایسے دور سے گذر رہا تھا جس میں مادی ترقی اور مادی چیزوں کی پوجا کی جاتی تھی۔ ایسے صناعوں کی موجودگی کا اثر جو دفعۃً دولتمند بن گئے تھے اور جو اپنے روپے کو عیاشی میں اُڑا رہے تھے آبادی پر بحیثیت مجموعی خراب پڑا۔ رشوت اور بے ایمانی کا بازار گرم تھا۔ ملازمتیں اور پنشنیں، اہلیت کے مطابق نہیں دی جاتی تھیں بلکہ ان کے

حاصل کر لینے کے لئے خوشامد اور آزادی کا فقدان ضروری سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دولتمند آدمی اپنی دولت کو آسانی کے ساتھ اس طرح استعمال کر سکتا تھا کہ اس کے ذریعے سے اپنی خواہش کے مطابق، سیاسی اثر و رسوخ حاصل کر لے۔ پارلیمنٹ کی نشستوں کو بغیر کسی شرم و حیا کے خریدا اور فروخت کیا جاتا تھا۔ جو لوگ اس طرح اقتدار حاصل کرتے تھے ان سے اس کے علاوہ اور کیا توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے اغراض کے پورا کرنے کے لئے اپنے اس اقتدار سے ضرور نفع اٹھائیں گے اور ایسا ہی واقعی ہوتا بھی تھا۔

۸۔ جنگ عظیم ۱۷۹۳ء تا ۱۸۱۵ء

فرانس کے ساتھ جو تھوڑی مدت کے لئے دوستانہ سمجھوتہ ہوا تھا وہ ۱۷۹۳ء میں جنگ عظیم کے شروع ہونے کے وقت ختم ہو گیا اور جنگ کا یہ سلسلہ مختصر درمیانی وقفوں کے علاوہ ۱۸۱۵ء تک چلتا رہا۔ ابتدا میں ہماری جنگ انقلابی رہنماؤں کے ساتھ رہی لیکن آہستہ آہستہ جب نپولین کا اقتدار بڑھا ہماری جنگ کل فرانس کے خلاف ہو گئی۔ اس کے اسباب زیادہ تر معاشی تھے البتہ بعض اوقات اس کی صورت بالکل ایسی ہو جاتی تھی گویا انگلستان کی زندگی اور موت کا انحصار اسی پر ہے۔ ہفت سالہ جنگ کی طرح، اس جنگ کو بھی دنیا کے تمام حصوں میں پھیلا دیا گیا تھا۔ انگلستان پر حملے کی گو کئی بار دھمکی دی گئی لیکن حقیقتاً حملہ کبھی نہیں کیا گیا۔ اس جنگ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں جنگ کے معاشی طریقوں کو بھی اختیار کیا گیا تھا۔

نپولین کو انگلستان کے ساتھ دو طرح کی نفرت تھی۔ اول تو وہ ہمیں ایک ایسی قوم سمجھتا تھا جس نے اس کی اور اس کے کاموں کی ہمیشہ منظم طریقے پر مخالفت کی اور یورپ میں اس کے دشمنوں کو آدمیوں اور روپے کی مدد دی۔ یورپ کی تسخیر کا جو منصوبہ اس کے سامنے تھا ہم اس میں ایک بڑی رکاوٹ تھے۔ دوسرے وہ انگلستان سے اس لئے نفرت کرتا تھا کہ یہ ملک دولتمند اور طاقتور تھا۔ اگرچہ اس نے انگلستان پر کلنک کا ٹیکا یہ کہہ کر لگایا تھا کہ یہ بنیوں کی ایک قوم ہے لیکن وہ اس بات کو محسوس کرتا تھا کہ بنیے ہونے ہی کی وجہ سے ہم اس کی مخالفت نہایت موثر طریقے پر کر سکتے تھے۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ انگلستان کے سب سے زیادہ کمزور حصے پر ایک ضرب کاری

لگائے۔ ہماری تجارت کے خلاف جو غیر مقبول تدابیر اس نے اختیار کیں ان کی یہ ہی توجیہ کی جا سکتی ہے۔ یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ نپولین کو اپنی ماتحت قوموں پر اپنی مرضی کے مطابق کام کرانے کے لئے بہت دباؤ ڈالنا پڑا۔ یورپ کی مملکتوں کی فوج اور ان کے بحری بیڑے کو وہ ایک آلۂ کار کی حیثیت سے ہمارے خلاف استعمال کیا کرتا تھا۔

فرانس نے ہالینڈ کو اپنا ماتحت بنا لیا تھا۔ اُسے مجبور کیا گیا کہ وہ ہمارے خلاف ہتھیار اُٹھائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہالینڈ کی نوآبادیاں بھی ہمارے جائز مال غنیمت میں شامل ہو گئیں۔ ۱۷۹۵ء میں راس امید پر قبضہ کر لیا گیا لیکن ۱۸۰۲ء کی صلح کے بعد اُسے واپس کر دیا گیا۔ تین سال بعد جب جنگ دوبارہ شروع ہوئی انگلستان نے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور اس مرتبہ اسے مستقل طور پر اپنے قبضے میں رکھا گیا۔ اس کو آباد کرنا شروع کیا گیا اور اس کے بعد علتی جنگیں یہاں انیسویں صدی کے اختتام یعنی بوئر کی جنگ کے زمانے تک ہوئیں وہ سب دیسی لوگوں کے ساتھ ہی ہوتی رہیں۔ ہالینڈ ہی سے ۱۷۹۵ء میں سیلون کے ایک حصے کو بھی لیا گیا اور ۱۸۰۲ء میں اس پر مکمل قبضہ کر لیا گیا اور ہالینڈ کے لوگوں کو اس کے معاوضے میں جاوا دے دیا گیا۔ راس امید اور سیلون دونوں نہ صرف اپنی واقعی پیداوار کی وجہ سے بلکہ اس لئے بھی کہ یہ ایسے حربی نقطے تھے جہاں سے ہمارے تجارتی بیڑے کی حفاظت کی جا سکتی تھی انگلستان کے لئے بہت بڑی معاشی اہمیت رکھتے تھے۔

۹۔ جنگ کا ابتدائی اثر

جنگ کا ابتدائی اثر بہت پیچیدہ رہا۔ کچھ طبقوں کو بلاشبہہ بہت فائدہ پہنچا اور اس کا مقابلہ موجودہ زمانے کے فوجی ٹھیکیداروں سے کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ نپولین کی نئی رعایا کو اس کی طرف سے لڑنا پڑا اور وہ بلا قصد و ارادہ ہمارے دشمن بن گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ان کی تجارت پر حملہ کر کے انھیں اسی طرح نقصان پہنچا سکتے تھے جیسا ڈریک اور اس کے ساتھیوں نے الزبتھ کے زمانے میں اسپین کے تجارتی جہازوں کو پہنچایا تھا۔ جو مال غنیمت اس طرح حاصل ہوا وہ بہت قیمتی تھا اور ہمارے تاجران مواقع سے خوب فائدہ اٹھاتے رہے۔ جن نوآبادیوں پر قبضہ کیا گیا ان سے بھی نئی پیداواریں حاصل ہونے لگیں

دوسری طرف سمندر میں ہمارے جہازوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی اس کی وجہ سے ہماری تجارت محفوظ ہوگئی اور اس بنا پر ہماری تجارتی لاگت سستی ہوگئی۔

لیکن انگلستان کو فایدہ دوسرے ملکوں کے نقصان سے پہنچا۔ جنگ کا یہ اثر غیر محدود مدت تک نہیں چل سکتا تھا اور جب یورپ پر بصورت مجموعی نظر ڈالی جاتی ہے تو جنگ کی وجہ سے نقصان بہت شدید نظر آتا ہے۔ نئے حالات کی وجہ سے کچھ تاجروں میں خوش حالی پیدا ہوئی۔ اس نے انھیں تخمین کی طرف مائل کر دیا لیکن بعد میں ان کی تجارت کے لئے کوئی نئی تحریک رونما نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کے جاری رہنے کی وجہ سے انگلستان کے ابتدائی منافعوں کا اثر زائل ہونے لگا اور اس کی وجہ سے ایسا نقصان ہوا جس کا سلسلہ سب ملکوں میں پھیل گیا۔

چنانچہ امینس کی صلح جب (۱۸۰۲ء میں) ہوئی تو اس کو خوش آمدید کہا گیا۔ مگر تاجروں کو اس کی وجہ سے بڑا دھوکا ہوا۔ وہ سمجھنے لگے کہ امن و اطمینان کا زمانہ واقعی آگیا ہے۔ انھوں نے اپنے کاروبار کو وسعت دے دی اور جب تجارت بہت نفع بخش ہوگئی تو انھوں نے روپے قرض لے لے کر تخمین کرنا شروع کر دی۔ اس سے اول تو بجائے خود ایک ناگزیر ردعمل پیدا ہوتا لیکن ۱۸۰۳ء میں جنگ کے دوبارہ شروع ہو جانے کی وجہ سے اس قدرتی نتیجہ میں اور شدت پیدا ہوگئی۔ تجارت دفعتہً موقوف ہوگئی۔ اگر حالات معمولی رہتے تب بھی تاجر اپنے قرضوں کو ادا نہ کر سکتے تھے، ان کے بڑھے ہوئے معاملات نے ان کی بربادی کا پورا سامان پیدا کر دیا۔ دوسری طرف ایک نیا محرک بھی نمودار ہوا۔ جو تاجر باقی رہ گئے تھے انھیں کم تر مقابلہ کا سامنا کرنا پڑا اور ہماری نئی بحری فتوحات کی وجہ سے، ہماری تجارت دوبارہ زیادہ محفوظ ہوگئی۔ جو تاجران نئے حالات سے فائدہ اٹھا سکتے تھے وہ خوشحال ہو گئے اور انھوں نے اپنی کچھ تجارت کو تو جنگ کے جاری رہنے کی توقع پر قایم کیا جو ایک غیر استوار بنیاد پر تھی اور کچھ زیادہ ٹھوس بنیاد پر قائم کی۔

۱۰۔ برلن کا فرمان؛ احکامات بمشورۂ کونسل

انگلستان پھر دولتمند لوگوں کا ملک بن گیا اور اس کے اندر دوبارہ خود اعتمادی اور خود مختاری پیدا ہوگئی اور ایک حد تک اس کا رویہ جارحانہ ہوگیا۔ نپولین نے جبلی طور پر یہ محسوس کر لیا

تھا کہ وہ انگلستان کو معمولی ذرایع سے فتح نہیں کر سکے گا۔ لیکن اس کے باوجود اس ملک کی بڑھتی ہوئی دولت نے اس کی تسخیر کو بالکل ناگزیر قرار دے دیا تھا چنانچہ ۱۸۰۶ء میں اس نے برلن کے مشہور و معروف فرمان کا اجرا کیا جس سے جنگ کے طریقوں کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ اس نے اعلان کیا کہ برطانیہ کی حالت ایک محصور علاقہ جیسی ہے۔ اس لئے جہاں جہاں فرانس کا اقتدار پھیلا ہوا ہے وہاں برطانیہ کے مال کو درآمد کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ غیر جانب دار ملکوں کے جو جہاز کسی برطانوی بندرگاہ کو چھو لیتے تھے ان کے مال کو بھی درآمد کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ انگلستان کا مال ضبط کر لیا جاتا تھا اور جو انگریز ان ملکوں میں ملتے تھے جہاں فرانس کا اثر تھا ان کے ساتھ جنگی قیدیوں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔

اس فرمان سے برطانیہ کی دکھتی ہوئی رگ دب گئی اور اس کو ایک غیر معمولی تدبیر کی حیثیت ہی سے اختیار بھی کیا گیا تھا۔ انگلستان کے پاس فرانس کے خلاف اسی حربے کو استعمال کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی اور اگر اس قسم کی پالسی اختیار کی بھی جاتی تو اس سے فرانس کو چاہے کتنی ہی کوفت کیوں نہ ہوتی اور کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچتا لیکن اس کی فوجی اہمیت کچھ زیادہ نہ ہوتی۔ اس لئے انگلستان نے اس کا جو کچھ جواب دیا اس کی نوعیت زیادہ تر انتقامی تھی۔ ۱۸۰۷ء کے احکامات بمشورۂ کونسل کے ذریعے تمام ان جہازوں پر چاہے وہ کسی ملک کے کیوں نہ ہوں جو فرانس سے تجارت کرتے تھے قبضہ کر لیا جاتا تھا۔ جب اس طرح کا کوئی جہاز دشمن کی بندرگاہ سے روانہ ہوتا تھا تو اسے پہلے برطانیہ کی بندرگاہ پر چنگی کے محاصل ادا کرنے کے لئے ٹھیلنا پڑتا تھا۔

۱۱۔ میلان کا فرمان؛ براعظم یورپ کا نظام	اس کا بدلہ نپولین نے اسی سال میلان کا فرمان جاری کر کے لیا۔ اس کی رو سے غیر جانبدار ملکوں کو اجازت نہیں تھی کہ وہ برطانوی مقبوضات کے کسی حصے سے لائے ہوئے مال کی تجارت کریں۔

غیر جانبدار ملکوں کا کوئی جہاز جو انگلستان کے تلاشی کے حق کو گوارا کر لیتا تھا اُسے فرانس کے لوگ قانونی طور پر مال غنیمت قرار دے دیتے تھے۔

ان معاشی حربوں کا بہت زبردست اثر ہوا۔ ظاہر ہے چوری چھپے کی تجارت

کو بہت ترقی ہو گئی اور یہ مال متعلقہ ملکوں کو ضرور پہنچا اگرچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیمتیں بے انتہا بڑھ گئیں اور قیمت کی اس زیادتی سے ان تاجروں کو فائدہ پہنچا جنھوں نے جوکھم کی تجارت کی۔ خود نپولین ایک موقع پر مجبور ہوا کہ اپنے سپاہیوں کو انگلستان کی اُسی اُون کے کپڑے پہنائے جو چوری چھپے ملک کے اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کو اس ہمہ گیر معاشی قانون کی ایک مثال سمجھنا چاہیے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ جہاں کہیں کوئی حکومت یا کوئی خارجی عامل قدرتی مظاہر میں دخل انداز ہوتا ہے وہاں ایسی قوتیں اپنا عمل شروع کر دیتی ہیں جو اس خارجی با اقتدار طاقت کے ارادوں کو شکست دے دیتی ہیں اور اصلی حالات کو دوبارہ پیدا کر دیتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ کارگذاری پہلے کے مقابلے میں کم ہو جاتی ہے۔ ایڈورڈ سوم اور اس کے بعض جانشینوں نے جو بے شمار مصارفی قوانین جاری کئے تھے ان سے بھی بچنے کی کوشش کی گئی تھی اور سرکاری مداخلت کا نتیجہ صرف اس قدر برآمد ہوا تھا کہ ان اشیا کی لاگت بڑھ گئی تھی جن پر قانون کا اثر پڑتا تھا۔

غرض یہ ناکہ بندی صرف جزئی طور پر کامیاب ہوئی اور بحیثیت مجموعی اس نے ان دونوں ملکوں کو جو اس سے متاثر ہوئے نفع کم اور نقصان زیادہ پہنچایا۔ حقیقت یہ ہے کہ نپولین کی انگلستان کو کچلنے کی ان کوششوں کا انجام آخر میں یہ ہوا کہ اس کی وجہ سے وہ قوتیں بیدار ہو گئیں جنھوں نے انگلستان کے دشمن کو خود اپنا دشمن بنا دیا۔ اُس کے "براعظم کے نظام" میں اس کی کمزوری کے علاوہ دو مزید رخنے بالٹک اور پرتگال کی طرف سے برابر موجود رہے اور نپولین نے ان دونوں نافرمان ملکوں کو کچلنا اپنے فرائض منصبی میں داخل کر لیا۔ لیکن اس کا نظام جتنا زیادہ وسیع ہوتا گیا اتنا ہی اس کی پابندی کرانا مشکل ہوتا چلا گیا۔ کیونکہ فرانس کا بیڑہ انگلستان کی مڈبھیڑ کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا اور اب وہ اتنے بڑے ساحل کی موثر طریقے پر نگرانی نہیں کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس کی فوج زیادہ تر ساحل کے محافظوں پر مشتمل ہو گئی۔

۱۲- غیر جانبدار ملکوں کا موقع

اس کا ایک غیر متوقع نتیجہ ہوا کہ ان دونوں ملکوں کی تجارت زیادہ تر غیر جانبدار ملکوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ مگر ان غیر جانبداروں کو اپنے مال کے ضبط ہونے کا برابر ڈر لگا رہتا تھا کیونکہ ایک فریق کے

حکم کی اطاعت کرنا دوسرے فریق کے فرمان سے سرکشی کرنے کے مترادف تھا۔ تجارت چونکہ غیر قانونی اور خطرناک تھی، اس لئے اُن ظالموں سے جنھوں نے فساد برپا کر رکھا تھا نفرت کی جانے لگی تھی۔ نپولین کے لئے جو چیز یورپ کے ملکوں کے ساتھ بگاڑ پیدا کرنے سے بھی زیادہ خطرناک تھی وہ اس بگاڑ کی مخصوص نوعیت تھی یعنی اب عوام اس سے برگشتہ ہونے لگے تھے۔ ابتدا میں، انقلاب کے ذریعے حریت، اخوت اور مساوات کی حمایت کی گئی تھی اس لئے انگلستان اور یورپ کے اکثر ملکوں کے عوام کی ہمدردی حاصل کر لی گئی تھی اس کے علاوہ، نپولین دنیا کے تمام حکمرانوں کے مقابلے میں نہایت اچھا منتظم شخص تھا اور جہاں اس کی حکومت قائم ہوتی تھی وہاں حکومت کی تمام فرسودہ مشین کو ختم کر دیا جاتا تھا اور ایسی معاشی اصلاحیں شروع کر دی جاتی تھیں جو نئی اور حیرت انگیز ہونے کے باوجود کامیاب اور صحیح اصول پر مبنی ہوتی تھیں۔ اُس نے الپس پر سڑکیں بنائیں اور بہت سے محکوم ملکوں میں، جائداد اور وراثت کے سلسلے میں معاشی تبدیلیوں کو رائج کیا۔ ضابطۂ نپولین کا شمار دنیا کے بہترین قوانین میں کیا جاتا ہے۔ غرض جہاں کہیں فرانس کے لوگ حکمراں ہوئے وہاں ایک کم حیثیت لیکن اس کے باوجود ظالم حکومت اور معاشی غلامی کی جگہ نسبتہً زیادہ آزادی مل گئی۔ نپولین کا دباؤ بعض اعتبارات سے چاہے جس قدر بھی سخت رہا ہو لیکن اس کا اصل منشاء حقیقتہً عوام سے جنگ کرنا نہیں تھا بلکہ وہ شہزادوں اور حقوق یافتہ لوگوں سے جنگ کرنا چاہتا تھا۔

۱۳۔ یورپ کا غصہ

لیکن نپولین نے ایک تباہ کن غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ بر اعظم کا نظام چونکہ انگلستان کی چیزوں کو تمام دنیا سے خارج کرنا چاہتا تھا اس لئے اس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ضرورت کی چیزوں یا چھوٹی چھوٹی آسائش کی چیزوں سے، عوام بالکل محروم ہو گئے تھے یا ان کی قیمتیں بہت، بڑھ گئی تھیں۔ اس کی وجہ سے نپولین کے خلاف ایک نفرت کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اب تک نپولین کے دشمن بغیر کسی جذبے کے لڑتے رہے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے نفع کی کوئی صورت نکلنے والی نہیں ہے۔ اب انھوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ ان کا نیا مطلق العنان حکمراں، ان کے پچھلے حکمراں سے بھی زیادہ بُرا ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لئے

عوام کی بغاوتیں شروع ہوگئیں۔ اسپین میں جو پہلی بغاوت کی گئی اس کے نتیجے کے طور پر جزیرہ نما کی جنگ شروع ہوئی۔ یہ پہلی جنگ تھی جس میں فرانس کو خشکی میں سخت نقصان اٹھانا پڑا۔

انگریزوں کے خلاف بھی غصہ بہت زیادہ تھا اور ہم نے بلاشبہہ بہت سی زیادتیاں کیں۔ ڈنمارک کے بیڑے پر ہمارے قبضے کا جواز جب کہ اس سے ہماری کوئی باقاعدہ جنگ نہیں تھی محض اس واقعے کے بیان کر دینے سے نہیں کیا جا سکتا کہ ہم نے اس معاملے میں نپولین کے مقابلے میں پیش قدمی کی تھی کیونکہ اگر ہم اس پر قبضہ نہ کرتے تو وہ ضرور یہی بات بعد میں کر ڈالتا۔ پھر بھی لوگ اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ ہم یورپ کے ملکوں کے خلاف کوئی جارحانہ کارروائی نہیں کر رہے ہیں۔ ہمیں زیادہ سخت مشکل کا سامنا امریکا کی طرف سے کرنا پڑ رہا تھا (۱۸۱۲ء)

جنگ کے آغاز کے وقت، روس وہ ملک تھا جو انگلستان کا سب سے کم مخالف تھا لیکن اس نے بھی غیر جانب دار ملکوں کے رویے کے بارے میں بالکل ایک نیا نظریہ ایجاد کر لیا تھا جسے انگلستان پسند نہ کرتا تھا۔ روس ایسی ناکہ بندی کی جو موثر نہ ہو پابندی کرنے سے منحرف تھا۔ وہ فرانس کے ساتھ، ایسے مال کی تجارت کرنے کے حق کا دعویدار تھا جو ممنوعات جنگ میں تو شامل نہ ہوں لیکن جن سے پھر بھی دشمن کو بہت مدد ملتی ہو مثلاً شمالی علاقوں کے مستول دوسرے ملکوں نے بھی خاص کر اسکنڈینیویا نے روس کے اقدام کی پیروی کی۔ امریکا کو بہت فائدہ پہنچا۔ نجی جہاز تیار کیے گئے اور غیر جانب دار ملک کا جھنڈا لگا کر انگلستان کی تجارت پر اکثر چھاپہ مارتے رہے۔

۱۴۔ زر کی پریشانیاں

اب جنگ کے ایک اور اہم اثر پر بھی غور کر لینا چاہیے۔ جنگ کے شروع ہونے سے پہلے تجارت میں جو غیر معمولی اضافہ ہوا، اس کا ناگزیر ردعمل پیدا ہوا۔ ۱۷۹۳ء میں زر کی وجہ سے ایک بحران رونما ہوا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو انگلستان نے یورپ کی جنگ میں ابتداءً زیادہ حصہ نہیں لیا بلکہ اپنے یورپی اتحادیوں کو بڑی مقدار میں روپیہ بھیجنے پر ہی اکتفا کیا۔ اس کی وجہ سے ملک سے سونے کا نکاس شروع ہوا، ایک اضطراب پھیلا اور تاجروں کو اپنے قرضے ادا کرنے کے لیے روپیہ نہ مل سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنک آف انگلینڈ نے ۱۷۹۷ء میں

نقدادائی کو ملتوی کر دیا۔ اسی سال غیر معمولی سیاسی صورتِ حال کی وجہ سے گورنمنٹ نے بنک کو مجاز کیا کہ وہ اپنے نوٹوں کے بدلے میں نقدادائی کو ملتوی کردے اور ہر طرح کی ادائیوں کے لئے نوٹوں کو قبول کرنے کی رضامندی دے کر انھیں تقریباً زر قانونی بنا دیا۔ اس قانون پر جو ایک عارضی انتظام تھا جنگ کے بعد تک وقتاً فوقتاً نظر ثانی ہوتی رہی اور ۱۷۹۷ء سے ۱۸۲۱ء تک انگلستان کا پاؤنڈ کاغذ ہی کا رہا۔ سونے کا سکہ بہت تیزی کے ساتھ گردش سے غائب ہو گیا کیونکہ دوسرے بنکوں نے بھی بنک آف انگلینڈ کی مثال کی پیروی کی اور ۱۸۱۲ء میں نوٹوں کو سال بہ سال زر قانونی بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔

یہ طرز عمل ضروری تھا کیونکہ ۱۸۰۹ء ہی سے نوٹوں کی قدر اور اُس سونے کی قدر میں جس کی مفروضہ طور پر وہ نمایندگی کرتے تھے فرق ظاہر ہونے لگا تھا۔ بنک کی اجرائی نوٹ میں بہت زیادہ اضافے کی وجہ سے غیر ملکی مبادلات ہمارے خلاف ہو گئے اور سونے کی قدر بہت زیادہ ہو گئی۔ تب رکارڈو نے اپنا رسالہ "فلز کی مہنگی قیمت، بنک کے نوٹوں کے زوال قدر کا ثبوت" کے نام سے شایع کیا جس کی وجہ سے ۱۸۱۰ء میں ایوان عام کی طرف سے فلز کی تحقیقاتی کمیٹی کا تقرر کیا گیا۔ اس کمیٹی نے رکارڈو کے طرز استدلال کو قبول کیا اور سفارش کی کہ تدریجی طور پر نقدادائی کو دوبارہ جاری کیا جائے لیکن ۱۸۱۹ء تک جب پارلیمنٹ نے نقدادائی کو دوبارہ جاری کرنے کا حکم دیا اور بنک کو ضروری انتظامات کرنے کے لئے چار سال کی مہلت دی اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ بغرض زر کی صورتِ حال اتنی تیزی سے بہتر ہوتی گئی کہ بنک ۱۸۲۱ء میں سونے کو دوبارہ استعمال کرنے کے قابل ہو گیا۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ انگلستان نے ۱۸۱۶ء میں سونا معیار کو اختیار کیا اور ۱۸۱۹ء میں فلز اور سکے کی آزاد تجارت کی اجازت دیدی۔

سونا معیار کو اتنی تیزی سے اختیار کرنا، خرابی سے خالی ثابت نہیں ہوا۔ نئے حالات سے مطابقت پیدا کرنے کا کام تند و تیز طریقے پر کیا گیا اور تجارت کو اس سے نقصان پہنچا کیونکہ قیمتوں کے گر جانے کی وجہ سے قرض گیر سخت گھاٹے میں رہے۔ انقلابی جنگوں کے معاشی اثرات کا اندازہ کرنے میں جو بے انتہا دشواری ہے

وہ ظاہر ہے ۔ ہر دفعہ جب جنگ شروع ہوئی اُس نے صنعت کے کسی نہ کسی شعبے میں عارضی ترقی پیدا کی اور یہ ترقی ایک حد تک دوسری صنعتوں کو نقصان پہنچا کر کی گئی جس کی وجہ سے متعلقہ کساد بازاری عام طور پر واقع ہوئی ۔ دوسری طرف جتنی بار صلح ہوئی اس نے اسی طرح کے اثرات کو مختلف طریقوں سے دوبارہ پیدا کیا ۔ جتنا جنگ کا جاری رہنا اپنے نتیجے کے اعتبار سے "انگلستان کی زراعتی ترقی کے لئے ایک ناساز گار محرک" (کننگھم) ثابت ہوا تھا، اتنا ہی امینس کی صلح کے بعد جنگ کا ختم ہونا، امریکا سے تجارت کے لئے ایک ناساز گار محرک ثابت ہوا ۔ اس لئے اس بات کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ کونسی ترقی ٹھوس تھی اور کونسی زائد از ضرورت اعتماد یا عارضی غیر معمولی حالات کا نتیجہ تھی ۔ اس کے علاوہ خود ان تبدیلیوں کی وجہ سے معاشی زندگی پر اثرات پڑے اور عام طور پر ان کی وجہ سے ابتری واقع ہوئی ۔ تمام باتیں غیر یقینی تھیں اور جب مال کی کسی خاص قسم کے تیار کرنے کے لئے مسلسل طریقے پر سخت جد وجہد کر کے کامیابی حاصل کی جاتی تھی تو اس کا واجبی معاوضہ نہیں ملتا تھا اس لئے یہ زمانہ تخمین[1] کرنے والوں اور جوابازوں کے لئے بہت زرین موقع تھا ۔ جو دولت اس زمانے میں پیدا کی گئی (اور بعض لوگوں نے بہت زبردست دولت پیدا کی) وہ اتفاقی مواقع کا نتیجہ تھی لیکن جب کوئی غیر معمولی تبدیلی واقع ہوتی تھی تو اس وقت سب سے زیادہ نقصان بھی ناکام جواری ہی کو اٹھانا پڑتا تھا ۔

اس معاملے میں دشواری اس وجہ سے بھی ہے کہ انگلستان اس وقت اپنی تاریخ کے ایک ایسے دور کے درمیانی زمانے سے گذر رہا تھا جس میں معاشی تبدیلیاں نہایت تیزی کے ساتھ واقع ہو رہی تھیں ۔ اس لئے اس بات کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنے میں دشواری ہوتی ہے کہ کونسی تبدیلیاں جنگ کی وجہ سے رونما ہوئیں اور کونسی ایسی ہیں جو صنعتی انقلاب کی وجہ سے بہر حال واقع ہوئیں ۔ اس کے علاوہ جو تبدیلیاں صنعتی انقلاب کی وجہ سے ہوئیں بعض وقت ان کی نوعیت اور ان کی سمت بالکل وہی تھی جو ان تبدیلیوں کی تھی جو جنگ کی وجہ سے رونما ہوئیں اس لئے یہاں بھی

[1] Speculators

ہمیں احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

صنعت کی ترقی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اجرتیں بڑھ گئیں کم سے کم عارضی طور پر۔ اور واقعۃً ایسا ہوا کہ یہ چیز آبادی کے اضافے اور اس کی تقسیم کی تبدیلی کا ایک سبب بن گئی۔ اس کی وجہ سے بعض سخت معاشرتی خرابیاں پیدا ہوئیں اگرچہ اس سے کچھ فائدے بھی ضرور پہنچے۔ یہاں بھی اس بات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا مشکل ہے کہ جنگ کے خراب معاشی نتایج کیا ہوئے۔

سب سے اہم یہ ہے کہ اس بات کا اندازہ لگانا تقریباً ناممکن ہے کہ جنگ کی وجہ سے جو ترقی یا پریشاں حالی پیدا ہوئی تھی وہ کس حد تک مستقل نوعیت رکھتی تھی۔ ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ بیشتر اثرات عارضی تھے۔ لیکن ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جنھوں نے آنے والی نسلوں کے لئے بدنصیبی کا ایک ترکہ چھوڑا۔ دوسری طرف صنعتی انقلاب کے بہت سے نتائج بھی صرف تھوڑے ہی عرصے تک باقی رہے غرض جب کئی اہم اسباب ایک ساتھ اپنا اثر ڈال رہے ہوں تو ایسی صورت میں جو مشکلیں موجود ہوتی ہیں ان کا احساس کرتے ہوئے چاہیے ہم جو کچھ کریں لیکن ہمارے لئے یہی مناسب ہے کہ اپنے آخری فیصلے کو محفوظ ہی رکھیں۔

جنگ کے سالوں میں، آبادی میں اضافہ تیزی کے ساتھ شروع ہوا خصوصاً شمال میں صنعتی اضلاع میں یہ اثر کچھ تو تیز رفتار طبعی اضافہ کا نتیجہ تھا جو خود ترقی یافتہ اجرتوں کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اور کچھ جنوبی علاقوں سے نقل سکونت کا نتیجہ تھا۔ قیمتیں تبدیل ہو رہی تھیں۔ اجرتیں معمولی سطح سے تقریباً اتنی ہی زیادہ بڑھ گئی تھیں جتنی کہ عام قیمتیں بڑھی تھیں لیکن اتنی نہ بڑھ پائی تھیں جتنی غلے کی قیمت بڑھی تھی۔ تاہم بہ حیثیت مجموعی جنگ کے سب سے زیادہ خوشحال سالوں کو صنعت کے نقطۂ نگاہ سے جنگ سے قبل کے بہترین سالوں سے زیادہ قابل اطمینان قرار دیا جا سکتا ہے اگرچہ جنگ کے زمانے کے کم سے کم خوشحال سال امن کے سالوں کے مقابلوں میں بہت زیادہ خراب تھے۔

۱۵۔ انگلستان کا مستقل مفاد اور عارضی

آئیے مو اخر الذکر اثرات کا مطالعہ پہلے شروع کریں۔ اس سلسلے میں تجارت کی بعض شاخوں کو ترقی کی جو تحریک ملی اُسے ہم دیکھ چکے ہیں۔ ایک دوسرا غیر یقینی فائدہ یہ ہوا کہ انگلستان کی کوششیں اپنے فرانس اور ہالینڈ کے حریفوں کو

سمندر سے نکالنے میں بہت زیادہ کامیاب ثابت ہوئی تھیں۔ جنگ کے خاتمے کے وقت تو تقریباً یہاں تک کہا جا سکتا تھا کہ جو لوگ انگلستان کے علی الاعلان دشمن تھے ان کا ایک بھی جہاز بحر اٹلانٹک میں موجود نہیں تھا۔

نپولین نے یہ خیال کیا تھا کہ انگلستان اس کے رحم و کرم پر ہے اور جب معاشی ہتھیاروں سے اس پر حملہ کیا جائے گا تو وہ فنا ہو جائے گا۔ اگر اس کا یہ خیال نہ ہوتا تو وہ کبھی میلان کا فرمان جاری نہ کرتا۔ اس نے غلطی یہ کی کہ انگلستان کی ایک مستقل سہولت کو جو اُسے کوئلے کی صورت میں حاصل تھی نظر انداز کر دیا۔ ہر چند ہماری تجارت کو درماندہ اور شکستہ کر دیا گیا لیکن پھر بھی کوئی دوسرا ملک مشین سے بنی ہوئی نئی چیزوں کی طلب کو پورا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا کیونکہ صرف کوئلے کے استعمال سے انھیں کافی مقدار میں پیدا کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ہم انھیں مستقل طور پر اپنے ہمسایوں کے مقابلے میں کم لاگت پر تیار کر سکتے تھے اور یہاں اس بات کو دوبارہ ملحوظ نظر رکھیے کہ صناع عام طور پر قانون تکثیر حاصل کے پابند ہوتے ہیں۔ انگلستان کی ہر بندرگاہ سمندر کی راہ سے دور دور مال برآمد کر سکتی تھی اور اس میں کا کچھ مال اپنی منزل مقصود تک پہنچ بھی جایا کرتا تھا۔

چنانچہ بصورت مجموعی ہم اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ انگلستان میں جن دنوں ہمہ گیر خوشحالی رہی وہ جنگ کے باوجود واقع ہوئی۔

۱۶۔ کساد بازاری تغیرات کساد بازاری یا حقیقی مصائب کی وجہ زیادہ تر اس بات کو قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس دور میں معاشی تنظیم کی ایک نوع قدرتی طور پر تبدیل ہو کر دوسری نوع کا قالب اختیار کر رہی تھی۔ مشین کا رواج اور تجارتی حالات پر دار و مدار، روزگار میں تغیرات پیدا کر رہے تھے۔ اگرچہ اس زمانے میں ان کی حیثیت ایسی نظر آتی تھی گویا ان کا خود کوئی اثر نہیں بلکہ یہ صرف جنگ کے اثرات کو ظاہر کرنے کا ایک وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ لیکن اگر جنگ نہ بھی ہوتی تو بھی ان کے یہ اثرات ضرور رونما ہوتے۔ جنگ سے پہلے تبدیلیوں کے خراب اثرات کئی سمتوں میں ظاہر ہوئے تھے۔ اس لئے محض جنگ اور امن کے زمانوں کے حالات کا علی الترتیب مطالعہ کرنا اور یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ فرق جنگ کے حالات کی وجہ سے واقع ہوا کیونکہ جنگ کے ساتھ ساتھ صنعت میں بجائے خود بھی تبدیلی واقع ہو رہی تھی۔

اس لئے ہمیں یہ کہنا ہوگا کہ جنگ کی وجہ سے عارضی اور مقامی خوشحالی اور کسادبازاری پیدا تو ضرور ہوئی لیکن خالص معاشی اسباب بھی اسی سمت میں کام کر رہے تھے۔

اصولاً، عام قیمتوں میں تبدیلیاں یا تو صنعتی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہیں یا ملک کے اندر زر کی مقدار کی وجہ سے۔ موخرالذکر اثر کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زربازار[لہ] میں جو سخت مشکلات پیدا ہوئے وہ جنگ کا نتیجہ تھے۔ اس کے علاوہ خفیہ درآمد برآمد کرنے کی ضرورت نے قیمتوں کو بے انتہا بڑھا دیا تھا۔ جو امن کے درمیانی وقفوں میں گر جایا کرتی تھیں لیکن تجارت کے عدم تیقن کی وجہ سے دوبارہ بڑھ جاتی تھیں۔ چونکہ صناع بحیثیت مجموعی ترقی کر رہے تھے اس لئے انھیں مزدوروں کی ضرورت تھی۔ کارخانے کے مزدور جب قیمتوں کو بڑھا ہوا دیکھتے تھے تو زیادہ اجرتیں طلب کرتے تھے اور انھیں یہ زیادہ اجرتیں مل بھی جاتی تھیں جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی حالت پہلے سے زیادہ خراب نہیں رہی تھی۔ دوسری طرف صناع اس قربانی کرنے پر قادر تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ امن کے زمانے کے خوشحالی کے دور میں بھی قیمتوں میں اسی طرح کا اضافہ واقع ہوتا اور دوسری طرف زائد تجارت کی وجہ سے بعد میں ایسا ہی زوال رونما ہوتا۔

لیکن بحیثیت مجموعی، عام قیمتوں اور اجرتوں کے اتار چڑھاؤ کا ذمہ دار جنگ ہی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

گیہوں کے معاملے پر الگ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جب صنعتوں کی ترقی آبادی کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے ہوتی، تو زمین پر سے بہت سے مزدور بہر حال کھنچ کر صنعت کی طرف چلے جاتے اور زرعی مزدوروں کی رسد میں اس کی وجہ سے ضرور کمی واقع ہوتی، اجرتوں میں اضافہ ہوتا، اور اس لئے غلے کی قیمت میں بھی اضافہ ہوتا۔ لیکن چونکہ اس زمانے میں انگلستان کی عام غذا کی رسد کی فراہمی میں مداخلت ہوئی، اس لئے اس ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی نے غلے کی رسد پر زیادہ دباؤ ڈالا اور اس موقع سے زمینداروں نے فائدہ اٹھا کر اپنے لگان بڑھا دیئے۔

لہ Money Market ۵۲

گیہوں کے دام اجرت کے اضافے کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑھ گئے۔

اس لئے اس اثر کو تقریباً تمام تر جنگ سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ رہا آبادی کے اضافے اور اس کی تقسیم کی تبدیلی کا سوال تو اس کا ذمہ دار جنگ کو بالکل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ان اثرات کے ذمہ دار خالص معاشی اسباب تھے اور ان کا دارومدار تقریباً تمام تر، طویل مدت کو اگر سامنے رکھا جائے، معدنی دولت کی تقسیم پر تھا۔

۱۷۔ معاشی جنگ نپولین نے جو تجربہ، معاشی طریقوں سے جنگ کرنے کا کیا اس کے بارے میں بھی ایک بات کا اضافہ کرنا ضروری ہے۔ نتائج سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس تجربے میں ناکامی ہوئی۔ دونوں فریق ایک حد تک اپنے حریف کی تجارت کو کچلنے میں کامیاب ہوئے لیکن اس کے ثانوی نتائج اتنے اہم تھے کہ فوجی منفعت اس کے مقابلے میں بہت حقیر معلوم ہوتی ہے۔ گو جنگوں کی تہ میں تجارتی اسباب کام کرتے ہیں لیکن جب ایک دفعہ جنگ شروع کر دی جاتی ہے تو پھر اسے فوجی طریقوں سے لڑ کر ہی ختم کیا جاسکتا ہے۔

معاشی جنگ کے اندر، چاہے اُسے جنگ میں امداد دینے کے لئے استعمال کیا جائے، چاہے امن کے زمانے میں محاصل درآمد برآمد کی صورت میں تین کمزوریاں ہیں:۔ اوّل اس سے فائدہ اتنا نہیں ہوتا جتنا کہ دشمن کو اس سے زبردست نقصان پہنچتا ہے اور بہ غیر ضروری اشتعال کا باعث ہوتا ہے۔ دوسرے اس کا اثر غیر جانبداروں پر ہمیشہ پڑتا ہے اور ان میں سے کچھ کو اس کی وجہ سے نقصان پہنچتا ہے۔ تیسرے جو مقصد پیش نظر ہوتا ہے وہ کبھی موثر طریقے پر حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً انگلستان کی ناکہ بندی بہت مشکل ثابت ہوگی۔ پچھلے زمانے میں جو اس طرح کے محاصرے کئے گئے ان کے مقابلے میں گذشتہ جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کی آبدوز کشتیوں کی جنگ زیادہ سخت چیز تھی لیکن اس کی بھی اصلی جنگ کے مقابلے میں ایک ضمنی حیثیت تھی۔

۱۸۔ تغیر پذیر حالات کا اصلی سبب ۱۸۱۵ء میں انگلستان نے جنگ یا کم سے کم تغیر پذیر حالات سے کچھ ایسی مطابقت پیدا کر لی تھی کہ اس کی معاشی ساخت و تنظیم ہی بدل گئی تھی اس لئے جب یکبارگی صحیح و تندرست حالت کی طرف واپس ہونا پڑا تو بعض لحاظ سے سخت ابتری رونما ہوئی۔ ملک کی

اس صنعت پر جس کا دارومدار جنگ کے جاری رہنے پر تھا سب سے زیادہ خراب اثر پڑا اور بہت سے تاجر اور صناع تباہ و برباد ہو گئے گو بحیثیت مجموعی ان کا نقصان کسانوں سے کم ہی رہا۔ جو صناع ضروریات زندگی کا سامان تیار کرتے تھے انھیں معلوم ہوا کہ اب جب کہ دشمن کا خوف نہیں رہا ہے ان کا بازار ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ تجارتی تعلقات کا قائم کرنا ایک مشکل کام ہوتا ہے اور جب یہ ٹوٹ جاتے ہیں تو اس صبر آزما کام کو از سر نو شروع کرنا پڑتا ہے۔ کچھ کاروبار جو امریکا کے لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ گئے تھے، ہمارے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے نکل گئے۔ تجارت کے اندر دوبارہ زندگی نہیں ڈالی جا سکتی تھی جب تک کہ مستقل تجارتی راہیں دوبارہ نہ قائم کی جائیں۔ اس کے علاوہ، دوسرے ملک بھی اب ہمارے ساتھ بغیر کسی روک ٹوک کے مقابلہ کرنے کے لئے آزاد تھے۔

اس سے یہ نہ فرض کر لینا چاہئے کہ امن کی وجہ سے تجارت میں تنزل واقع ہوا۔ جب تجارت دوبارہ صحیح بنیاد پر قائم ہو گئی تو ہمارے تجارتی تعلقات میں تیزی سے ترقی ہونے لگی۔ زراعت کا معاملہ زیادہ افسوسناک تھا۔ جنگ کے دوران میں جب غیر ملکی غلے کی فراہمی مسدود ہو گئی تھی، زمینداروں کو موقع ملا اور انھوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ ایسی زمینوں کو کاشت میں لایا گیا جنھیں عام حالات میں چراگاہ کے لئے خالی رہنے دیا جاتا۔ جب یورپ کا گیہوں آنا شروع ہوا تو جو قیمتیں مصنوعی طور پر چڑھ گئی تھیں انھیں کم کرنا پڑا اور کسانوں کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ پہلے جیسے بہت زیادہ لگان ادا کرتے رہیں۔ اس لئے زمیندار اور کسان دونوں برباد ہو گئے۔ اول الذکر تو اس لئے کہ دس سال سے جو لگان اُسے مل رہا تھا وہ اب وصول نہ ہو سکا اور موخر الذکر اس لئے کہ غلے کی معمولی قیمت گھٹ گئی۔ مزدوروں نے بھی اس کساد بازاری کے اثر میں شرکت کی اور ان کی اجرتیں کم ترین مصارف زندگی[1] کی حد تک پہنچ گئیں۔ ایک سال فصل کے خراب ہو جانے کی وجہ سے ان اثرات نے اور بھی سخت صورت اختیار کر لی۔ اس کی وجہ سے غلے کی رسد میں جو قلت ہوئی

[1] Minimum Subsistence Level

اس سے قیمتیں مقابلے کے باوجود ضرور چڑھیں لیکن اس سے پیداوار کی کمی کی تلافی نہ ہو سکی۔

امن کے یہ ناموافق فوری اثرات صرف انگلستان ہی تک محدود نہیں رہے اگر ایک ملک خوشحال ہوتا ہے تو وہ تمام ممالک جو اس کے ساتھ تجارت کرتے ہیں کم درجے پر اس کی خوشحالی میں شرکت کرتے ہیں اور ایسی ہی اس کی برعکس صورت بھی ہوتی ہے۔ اگر دو ملکوں میں ساتھ ساتھ کساد بازاری رونما ہوتی ہے تو اس کا اثر دونوں ملکوں میں اس تجارت کے نقصان کی وجہ سے جو دوسرے فریق کے ساتھ ہی ساتھ مفلس ہو جانے کی وجہ سے واقع ہوتا ہے، بہت شدید ہو جاتا ہے۔ اس زمانے میں یورپ کے ہر ملک پر جنگ کا بہت خراب اثر پڑا تھا اور غالباً انگلستان تو پھر بھی دوسروں کے مقابلے میں اپنے آپ کو آسانی کے ساتھ بچائے گیا تھا۔ تمام ملکوں میں امن کی وجہ سے ابتری پیدا ہوئی تھی۔ غرض، یہ ایک اور عامل تھا جس نے بعض خاص سمتوں میں جنگ کے خاتمے کو ناسازگار بنا دیا تھا۔

۱۹۔ انیسویں صدی: توطن خارجی انیسویں صدی کے بقیہ حصے میں، سیاسیات کا معاشی فلاح و بہبود پر نسبتہً کم حقیقی اثر پڑا۔ یورپ میں صرف ایک جنگ کریمیا میں ہوئی اور اس کا اثر تجارت یا صنعت پر پچھلی جنگ عظیم کے مقابلے میں نسبتہً کم ہوا اور دنیا کے دوسرے حصوں میں جو جنگیں ہوئیں ان کا قدرتی طور پر وطن سے قریب کی جنگ کے مقابلے میں اور بھی کم اثر پڑا۔ جنوبی افریقہ کی ہیرے کی کانوں کی دولت کی وجہ سے پہلی بوئر جنگ، جیمسن کا دھاوا اور آخر میں ٹرنسوال کی فتح کا سلسلہ شروع ہوا۔ نوآبادیوں کو اب ماتحت نہیں سمجھا جاتا ہے بلکہ ان کو ایسی جماعت سمجھا جاتا ہے جن کی ایک اپنی آزاد زندگی ہے بلکہ ہم نے انہیں انگلستان کے مال پر بھی محصول لگانے کی اجازت دے دی ہے۔ بڑی نوآبادیوں کے ساتھ بالکل برابری کا سلوک کیا جاتا ہے اور ان سے ہمیں جو فائدہ پہنچتا ہے وہ زیادہ تر اس لئے ہے کہ جذباتی تعلقات نے بہت سی باہمی تجارت کو جاری رکھنے میں مدد دی ہے۔ گویا "تجارت سیاسی جھنڈے کے پیچھے چل رہی ہے" کم سے کم تھوڑی مدت کے لئے۔

۱۸۰۳ء میں سلکرک نے توطن خارجی کی تحریک کو آگے بڑھایا جیسا کہ کنیڈا کمپنی نے بھی

کیا تھا۔ اس سلسلے میں سب سے زبردست ہادی اور مبلغ ویک فیلڈ تھا۔ وہ مالتھس کے خیالات سے بہت متاثر تھا جس کا یہ کہنا تھا کہ آبادی کے اندر بہت زیادہ افراط کے ساتھ بڑھ جانے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ویک فیلڈ نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ نئے ملک میں جو شخص آباد ہوگا وہ ناکاشتہ علاقے کو ترقی دینے میں مدد دے گا۔ اس طرح مزدور اور شائد سرمایہ بھی ان جگہوں میں جا سکے گا جہاں یہ دونوں انگلستان کے مقابلے میں بہت زیادہ فائدہ مند ثابت ہوں گے۔ اس کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ توطن خارجی سے انگلستان پر آبادی کا دباؤ کم ہو جائے گا بہت سے دوسرے لوگ بھی نہایت پُرجوش طریقے پر اس کے ان خیالات کی تائید کر رہے تھے اور نوآبادیوں کے انجام کی طرف سے لاپروائی کی حکمت عملی جو نوآبادیوں کو دبا کر رکھنے کی پالیسی کے بعد اختیار کی گئی تھی (اور جو کچھ تو امریکا کی آزادی اور کچھ عدم مداخلت اور ہیروسیی کے خیالات کا نتیجہ تھی) کم ہونا شروع ہو گئی۔

باب ۷

مزدور پیشہ طبقوں کی حالت

۱۔ مختلف عہدوں سے مقابلہ

ترقی ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا مفہوم غیر معین سا ہے اور اس کی بہت سی تعبیریں کی جاسکتی ہیں۔ اس لیے اس بات کا پتا لگانا کہ کسی قوم کی حالت، ایک خاص زمانے میں کیا رہی اتنا ہی مشکل کام ہے۔ رومیوں اور یونانیوں کے عروج کے زمانے میں، جو قابل ترین لوگ پائے جاتے تھے انھیں موجودہ زمانے کے ویسے ہی لوگوں کے کم از کم ہم پلّہ سمجھا جاتا ہے۔ گرچہ یہ خیال مبالغے پر مبنی ہو لیکن پھر بھی اس نقطۂ نگاہ میں خاصی صداقت پائی جاتی ہے۔ مگر جب اخلاقی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ان کے مقابلے میں ضرور ترقی کی ہے کیونکہ رومیوں کی تہذیب، غلاموں کی محنت پر تعمیر کی گئی تھی۔

یورپ میں، عہد وسطیٰ میں، ادنیٰ طبقوں کو کچھ آزادی مل گئی تھی۔ اس کے علاوہ، امیروں اور غریبوں میں، کچھ درمیانی کڑیوں کے ذریعے ایک تعلق بھی قائم تھا کیونکہ بہترین غیر آزاد[۱] کسان کو آزادی مل جایا کرتی تھی اور شہروں میں دولت کا اضافہ ہو رہا تھا۔ پھر بھی ایک واحد دولتمند زمیندار بننے کے لیے بہت بڑے

۱؎ Villein

علاقے کی ضرورت ہوتی تھی۔ گو علم و شائستگی چند منتخب لوگوں تک تو محدود نہیں تھی لیکن پھر بھی ان کا اثر ادنیٰ طبقوں تک نہیں پہنچتا تھا۔ موجودہ زمانے میں انگلستان میں 'طبقۂ امرا کی حالت' اگرچہ بہت زیادہ بہتر نہیں ہوئی ہے لیکن قوم کی حالت بحیثیت مجموعی، شائستگی اور مادی خوش حالی کے لحاظ سے، پہلے کے تمام زمانوں کے مقابلے میں، زیادہ بہتر ہے اور کم از کم اس دعوے کے لیے تو ضرور یہی دلیل پیش کی جاسکتی ہے کہ شدید مفلسی نسبتاً کم ہوگئی ہے۔

معمولاً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مادی ترقی کو، اضافۂ دولت فی کس آبادی کے ذریعے سے ناپا جاسکتا ہے اور اس معیار سے کام لینے کے لیے طبیعت اس لیے اور بھی جلد راغب ہوجاتی ہے کہ یہ چیز سب سے زیادہ سہل ہے اور سب سے زیادہ آسانی سے دیکھی جاسکتی ہے۔ اس لیے ایسے سب عوامل جو پیدائش دولت میں اضافہ کرتے ہیں مفید قرار دیے جاتے ہیں۔ لیکن گہرے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوگا کہ جو ترقیاں یک بارگی ہوئی ہیں ان میں سے تقریباً سب کی طرف سے بے اطمینانی کی کیفیت پیدا ہوئی ہے اور یہ بات ادنیٰ تر طبقوں میں عام طور پہ دیکھی گئی ہے اور جب ہمدردی کے ساتھ تحقیقات کی جاتی ہے تو اس بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ ان طبقوں کے لیے یہ ترقی محض نمائشی ہی ثابت ہوئی ہے۔ اس لیے ہمیں محض دولت کی واقعی ترقی ہی کو نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ اس کی تقسیم پر بھی نظر رکھنا چاہئے۔

رومی تہذیب کے زمانے میں جو طبقہ اظہار خیال پہ قدرت[1] رکھتا تھا، وہ آزاد تھا۔ اس لیے اس زمانے میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ان میں طبقہ وارانہ خود غرضی کا رنگ اتنا نہیں جھلکتا جتنی یہ بات نظر آتی ہے کہ یہ لوگ غلام آبادی کی ضرورتوں کو سمجھنے ہی سے بالکل قاصر تھے۔ لیکن جب ادنیٰ طبقوں کی حالت رفتہ رفتہ بہتر ہوئی تو یہی نتیجہ طبقہ وارانہ خود غرضی کی بنا پر رونما ہونے لگا اور یہ چیز آج بھی ہر جگہ نظر آتی ہے۔ روسو نے مساوات کے جس عقیدے کی تبلیغ کی

[1] Articulate

اس نے اس بات کو سکھایا کہ یہ طبقے بھی جماعت کا ایک لازمی اور ناگزیر حصہ ہیں

۲۔ مزدور پیشہ طبقوں کی اہمیت

ہمیشہ کی طرح آج بھی ' کل آبادی کے مقابلے میں غریب لوگوں کی تعداد کثیر ہے اور ایک ایسا متوسط طبقہ پیدا ہو گیا ہے جسے حقیقۃً امرا کے زمرے میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ادنیٰ طبقہ آزاد ہے اور اس کو اپنی اہمیت کا احساس ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کی باتوں کو کم از کم مناسب توجہ کے ساتھ ضرور سنا جاتا ہے۔ ان حالات کی موجودگی میں ہمارے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ افراد کی دولتمندی میں جو بڑا اضافہ ہوا ہے اسے بہت زیادہ اہم سمجھیں۔

غرض ' ترقی کا بہترین پیمانہ ' مزدور پیشہ طبقوں کی حالت ہی کو سمجھا جاتا ہے امیروں کے طبقے کی حالت میں عہد بہ عہد بہت کم تبدیلی ہوتی ہے۔ وسیع معنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فتح کے دو تین صدی بعد تک ' ادنیٰ طبقوں کی حالت خراب نہیں تھی بلکہ بہت سے لوگ تو چودھویں صدی کو عہد زریں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس کے بعد خانہ جنگی کے زمانے تک ان کی حالت گرتی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ صنعتی انقلاب تک حالت بہتر ہوتی رہی جبکہ سخت پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن گزشتہ صدی میں ' خاصے مسلسل طریقے پر ترقی ایک ہی سمت میں جاری رہی۔

اٹھارویں صدی کی صنعتی تبدیلیوں کی وجہ سے جو پریشاں حالی پیدا ہوئی اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم اس کے اثرات کو مختصر طور پر اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ خود کاشت کرنے والے چھوٹے زمیندار تقریباً فنا ہو گئے اور چھوٹے پٹہ داروں کی زمینیں یا تو چھین لی گئیں یا وہ محض مزدور بن گئے صنعت کا حال یہ تھا کہ اون کی صنعت میں ' ہاتھ سے کاتنے اور بننے والے آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر برباد ہوتے چلے گئے اور کام کرنے والے لوگ ایک بڑی فیکٹری کا جز بن گئے۔ اس تبدیلی کی بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ آزادی اور انفرادیت ختم ہو گئی۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ مزدوروں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جو سرمایہ داروں کا دست نگر تھا اور جس کے اندر وہ نقل پذیری پائی جاتی تھی

جو صنعت کو زیادہ سے زیادہ نفع بخش مقامات پر چلانے کے لیے ضروری تھی۔

۳۔ پرولتاری (طبقۂ مزدوران) ایک مکمل ترقی یافتہ پرولتاری کا مفہوم کیا ہے اس کا کچھ تصور ذیل کے ایک اقتباس سے کیا جا سکے گا جسے ایک مشہور و معروف مصنف کی ایک مستند کتاب سے حاصل کیا گیا ہے[۱]:-

"سب سے اول تو یہ اہم حقیقت نظر آتی ہے کہ پرولتاری اس گروہ کا ایک مثالی نمونہ ہے (داخلی اور خارجی دونوں اعتبار سے) فطرت سے بے تعلق ہو چکا ہے۔ آسمان پر جب بادل حرکت کرتے ہیں، وہ ان کا مطلب نہیں سمجھ سکتا۔ طوفان کی آواز کو پہچاننے سے وہ قاصر رہتا ہے۔ اس کا کوئی آبائی وطن نہیں ہوتا گویا اس کا کوئی ایسا گھر نہیں ہوتا جس سے وہ مستقل طور پر وابستہ ہو سکے۔ کیا وہ ان بے کیف بڑی سڑکوں میں، جن کے دونوں جانب چومنزلہ اونچی عمارتیں ہوتی ہیں، گھر کا لطف اٹھا سکتا ہے؟ وہ اپنا مکان بدلتا رہتا ہے یا تو اس لیے کہ وہ مالک مکان کو ناپسند کرتا ہے یا اس لیے کہ کام کی ایک جگہ کو چھوڑ کر اب وہ دوسری جگہ کام کرنے لگا ہے۔ جس طرح وہ ایک کمرے سے منتقل ہو کر دوسرے کمرے میں جاتا ہے اسی طرح وہ ایک شہر سے منتقل ہو کر دوسرے شہر میں، ایک ملک سے منتقل ہو کر دوسرے ملک میں، جہاں کہیں موقع (یعنی سرمایہ داری نظام اسے طلب کرتا ہے) جاتا رہتا ہے بے گھر، بے چین، وہ سارے کرۂ زمین پر گھومتا رہتا ہے۔ مقامی دلکشی اس پر کوئی اثر نہیں کرتی دنیا اس کا وطن ہے۔ اس نے فطرت کی آواز پر لبیک کہنا چھوڑ دیا ہے اور مادیت کو اپنے اندر جذب کر لیا ہے"۔

موجودہ زمانے کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ "آبادی کے بیش ترین حصے کے پاس کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی جسے وہ اپنا کہہ سکے پہلے زمانے میں، غریب سے غریب آدمی کے پاس بھی زمین کا ایک قطعہ، ایک جھونپڑا اور کچھ جانور ہوا کرتے تھے جنھیں وہ اپنا کہہ سکتا تھا۔ یہ بے حقیقت چیزیں تھیں لیکن وہ دل و جان کے ساتھ ان سے وابستہ ہو سکتا تھا۔ آج جب ایک پرولتاری اپنا مکان چھوڑ کر دوسری جگہ

---

[۱]: زمبارٹ: دراس پرولتاریات۔

جاتا ہے، تو ایک دستی گاڑی اس کی کل کائنات کو اٹھا کر لے جانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ اس کی زندگی کی انفرادیت کا پتا صرف چند پرانے چیتھڑوں سے لگایا جا سکتا ہے۔"

"سرمایہ داری کے آہنی قدم نے اس کے سارے اجتماعی جذبے کو کچل ڈالا ہے گاؤں کی زندگی ختم ہو گئی ہے۔ پرولتاری کا کوئی اجتماعی وطن نہیں رہا ہے علاحدہ خاندان کا وجود بھی مٹ گیا ہے۔"

یورپ کے بعض شہروں میں یہی کیفیت پائی جاتی ہے اور ہمارے بڑے شہروں کے تنگ و تاریک محلوں[1] کا بھی یہی حال ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صنعتی انقلاب نے اس چیز کو فوراً پیدا کر دیا بلکہ دو بنیادی باتوں کی ابتدا یعنی فطری زندگی سے بے تعلقی اور غیر طبعی نقل پذیری اسی وقت سے شروع ہو گئی تھی تقریباً ۱۷۶۰ء سے پہلے چھوٹے پارچہ بافوں کی اکثریت کے پاس، ایک چھوٹا جھونپڑا اور ایک قطعۂ زمین ہوا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ شاملات دیہی کی زمینوں اور بنجر زمینوں پر انھیں اپنے مویشی چرانے کا حق بھی حاصل ہوتا تھا۔ چنانچہ تجارت کے اتار چڑھاؤ کا ان پر بہت کم اثر ہوتا تھا جس کی وجہ سے ان کے فائدے باوجود زیادہ نہ ہونے کے ان کی ضرورتوں کے لیے کافی اور خاصے مستقل ہوا کرتے تھے۔ پارچہ باف، عام طور پر شہر سے باہر رہا کرتے تھے اور شہر کی زندگی کے ساتھ ساتھ ایک طبعی اور تندرست زندگی کے فوائد سے بھی بہرہ ور ہو سکتے تھے۔ ان کے پڑوسی بھی انھی جیسے ہوتے تھے اور سب کے اندر ایک جماعتی جذبہ اور ایک مقامی حب الوطنی پائی جاتی تھی۔ اس بات کا کہ ایک شخص یہ کہہ سکتا تھا "زمین کا یہ ٹکڑا میرا ہے" نہ صرف یہ اثر ہوتا تھا کہ وہ ایک اجرت پانے والے مزدور سے زیادہ کام کرتا تھا بلکہ اس کو اپنے ضلع اور اپنے کام سے بھی ایک مستقل تعلق پیدا ہو جاتا تھا۔ (اس کا مقابلہ آرتھر ینگ کے اس قول سے کیجئے کہ "ملکیت کا جادو ریت کو سونے میں تبدیل کر دیتا ہے۔")

---

[1] Slums

غرض، حالات ایسے تھے جن سے اخلاقی خوبیاں مواقع کی محرومی کی وجہ سے فنا نہیں ہو پاتی تھیں۔

اس کے بعد کے زمانے میں، جب کاریگر مایوس ہو کر، سرمایہ داری کے خلاف کشمکش کو ترک کرتے تھے تو انھیں ایک بڑے، مضرِ صحت کارخانے میں جس کے مالک وہ خود نہیں ہوتے تھے داخل ہونا پڑتا تھا۔ قیمتی مشینوں کو چلانے کے لیے چونکہ ضروری تھا کہ بڑا منافع کمایا جائے، اس لیے بہت سے مزدوروں کو ملازم رکھا جاتا تھا۔ ذرایع نقل و حمل بہت ابتدائی حالت میں تھے، اس لیے کام کرنے والے لوگوں کو مجبوراً اپنی گرنیوں کے نزدیک ہی رہنا پڑتا تھا۔

۴۔ نئے شہر

آبادی کارخانوں کے گرد مجتمع ہوتی رہی اور متعدد وجوہ سے، کارخانے ایک دوسرے کے نزدیک کثیر تعداد میں جمع ہوتے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہر تیزی سے بڑھنے لگے۔ نئے شہروں میں مکانوں کے کرایے زیادہ تھے اور مکانوں کو صرف پناہ کی جگہ سمجھا جاتا تھا۔ آجروں کا اور بعد میں مزدوروں کا بھی واحد مقصد یہ تھا کہ جتنا بھی بن پڑے خوب روپیہ کمایا جائے۔ ان کی نگاہ میں پیدائش دولت ہی سب کچھ تھی صرف دولت اور تقسیم دولت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

نئے شہروں نے، جن کی حالت موجودہ زمانے کے بدترین شہروں سے بھی زیادہ خراب تھی لوگوں کی زندگی کو برباد کر دیا تھا۔ نوواردوں کو آنے پر معلوم ہوتا تھا کہ گو وہ روپیہ زیادہ کما رہے ہیں لیکن ان کو اپنی آزادی کو قربان کرنا پڑ رہا ہے۔ نیز یہ کہ یہاں پرانی زندگی کے فواید کو کسی دام پر بھی خریدنا ممکن نہیں ہے۔ دوسری طرف، خود زیادہ اجرت کمانے کی وجہ سے، طبیعت فضول خرچی کی طرف مائل ہو جاتی تھی اور روپیہ بے دردی سے خرچ کیا جاتا تھا۔ زمانہ بدل گیا تھا اور خرچ کرنے کی پرانی عادتوں پر لوگ قناعت نہیں کر سکتے تھے بلکہ نئے حالات میں روپیہ غیر ضروری چیزوں پر صرف کیا جاتا تھا۔ لوگوں میں نہ تو دانشمندی تھی نہ تعلیم جن کی وجہ سے اپنے وسائل کو مناسب طریقے پر خرچ کر سکتے۔ غرض معاشرے پر روپیہ کی محبت کا، محض روپے کی خاطر غلبہ تھا۔

رہائش اور صفائی کے انتظامات بہت برے تھے تعمیرات پر کسی قسم کی شرائط اور پابندیاں نہ تھیں۔ مکانوں کو جس طرز پر چاہیں اور جہاں زمین کا کوئی قطعہ میسر آجائے تعمیر کرلیا جاتا تھا۔ زاید آبادی کے تدارک کے لیے یا تہ خانوں کو رہائشی مکان کے طور پر استعمال کرنے کے خلاف کوئی قواعد موجود نہیں تھے۔ نہ پانی کے نکاس کا کوئی بڑا نظام تھا اور نہ صفائی کا بندوبست تھا۔ ۱۸۵۰ء سے پہلے، صاف پانی کی کافی رسد بھی شاذو نادر ہی فراہم ہو سکتی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ چیچک اور ہر قسم کے بخاروں نے مزمن صورت اختیار کرلی تھی۔ لندن کی حالت تو بری تھی ہی لیکن شمالی شہروں، مانچسٹر، لیڈز، بریڈفورڈ وغیرہ کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ ۱۸۴۲ء میں چیڈوک نے بیان کیا کہ "لورپول، مانچسٹر اور لیڈز کی اس آبادی میں جو تہ خانوں میں رہتی ہے، گندگی، جسمانی تکلیف اور اخلاقی ابتری، اس سے بھی زیادہ خراب پائی جاتی تھی جتنی کہ ہاورڈ نے اپنے معائنے کے دوران میں، بدترین جیل خانوں میں دیکھی تھی۔" ایڈنبرا اور گلاسگو کی حالت بھی ایسی ہی تھی۔

۵۔ مزدوروں کی نقل پذیری

انگلستان کی صنعت کی ترقی کے لیے اس قسم کی قربانی لازمی تھی۔ اسی طرح مزدوروں کی نقل پذیری میں اضافہ بھی ضروری تھا۔ ایک الگ تھلگ رہنے والے زراعت پیشہ شخص کی نظر میں تنگی پیدا ہو جانے کا امکان پایا جاتا ہے، چنانچہ سفر کے فواید کو لوگ ہمیشہ سے تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں۔ اسی طرح، ہرچند کسی حکومت کو اس وقت تک تندرست نہیں کہا جاسکتا جب تک اس کی آبادی کی بڑی اکثریت، ایک مقام پر خاصی حد تک جاگزیں نہ ہو لیکن اگر کاریگر ایک ہی مقام کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہیں تو صنعت کو اکثر مزدوروں کی قلت یا کثرت کی وجہ سے نقصان پہنچتا رہے گا۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ مزدور ایک مقام سے جہاں ان کی اجرتیں کم ہوں دوسرے مقام کی طرف جہاں ان کی حالت بہتر ہو سکتی ہو منتقل ہوتے رہیں۔ کیونکہ اجرتیں زیادہ دینے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ صنعت کو مزدوروں کی ضرورت زیادہ ہے۔ لیکن پوری آبادی میں نقل پذیری کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ نقل پذیری اس وقت اپنی انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہے جب صنعت کو زیادہ مزدوروں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

انگریزوں میں اس نقل پذیری کے پیدا ہونے کا یہ سبب نہیں تھا کہ ان کو اپنے گھروں سے یکبارگی کوئی نفرت پیدا ہوگئی تھی بلکہ اس کی محرک احتیاج وضرورت تھی۔ مزدور کو، کام نہ ملنے کی وجہ سے اور پارچہ باف کو سخت مقابلے کی وجہ سے اپنی زمین کو چھوڑنا پڑا۔ جو آدمی بھی نئے طریقوں کو آسانی اور تیزی کے ساتھ سیکھ لیتا تھا وہ زیادہ آمدنی کمانا شروع کردیتا تھا۔ شہروں کے علاوہ اور کہیں کام کا موقع نہیں تھا۔ پھر جب وطن کے رشتے اور تعلقات ٹوٹ گئے تو مزید نقل وحرکت اور زیادہ آسان ہوگئی۔

تاہم اس نقل وحرکت کا بڑا حصہ اختیاری تھا بلکہ اگر انقلابات نہ بھی ہوئے ہوتے تو بھی نقل پذیری میں ضرور اضافہ ہوتا۔ سکونت پذیری کے[1] پرانے قوانین جن سے مزدوروں کو اپنے حلقۂ کلیسا میں رہنے کے لیے مجبور کیا جاتا تھا اور کارآموزوں[2] کے قوانین جن کی وجہ سے ہر صنعت میں داخل ہونے کے وقت پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا ـــــ ان کا نفاذ نام کے لیے تو ابھی تک کیا جاتا تھا لیکن درحقیقت ان کی حیثیت آثار وباقیات جیسی رہ گئی تھی اور جب واقعات ان کے مخالف ہوجاتے ان کا متروک ہوجانا لازمی تھا۔ پرانے حالات اتنے سخت تھے اور اس کے مقابلے میں گرنی کے مالک جس تنخواہ کو ادا کرنے کا وعدہ کرتے تھے ان کے اندر اس درجہ جاذبیت پائی جاتی تھی کہ مزدوروں نے اپنی پرانی پابندیاں بالکل ختم کردیں۔ ضلع کے لیے ایک غیر ماہر بچے کو ملازم رکھنا بالکل ویسا ہی تھا جیسا ایک ایسے استاد کاریگر کو رکھنا جو پہلے نوآموز رہ چکا ہو۔ اسے اس سے بھی کوئی مطلب نہیں تھا کہ اس کے مزدور ملک کے کس حصے سے تعلق رکھتے ہیں۔ غرض مالک وملازم دونوں اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ مزدوروں کو قانونی طور پر آزاد کرایا جائے۔

انفرادیت کا جو اثر، مزدوروں کی آزادی کی تحریک پر پڑا، وہ بھی

---

[1] Settlements Laws

[2] Statute of Apprentices

صاف اور واضح ہے۔ مقابلے کے خلاف جتنی قسم کی پابندیاں لگی ہوئی تھیں ان سب کی مذمت یہ کہہ کر کی جاتی تھی کہ یہ قوانین قدرت کے خلاف ہیں جن کو بہت سے لوگ قوانین الٰہی کے ہم معنی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ملکۂ الزبتھ کے قوانین مزدوراں کی باقاعدہ منسوخی میں یہی محرک کام کر رہا تھا اور ایک حد تک ایسی پابندیوں کے دور ہو جانے سے جو ان حالات کے پیش نظر عاید کی گئیں تھیں جو انیسویں صدی تک متروک ہو چکے تھے، مفید نتایج برآمد ہوئے۔ مگر بدقسمتی سے، ایک اکیلا مزدور، صناع کے مقابلے میں، معاشی طاقت کے لحاظ سے بہت غیر مساوی حیثیت رکھتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انیسویں صدی کے معاشری مسائل پیدا ہو گئے۔

بہت سے کاریگروں[1] نے، پندرھویں صدی ہی میں، پرانے نظام کے خلاف بغاوت شروع کر دی تھی کیونکہ جب تجارت وسیع ہوئی اور آبادی بڑھی تو ایک کاریگر کو اس بات کی یقینی امید نہیں رہی کہ وہ ایک نہ ایک دن ضرور جرگے میں استاد کاریگر کے مرتبے تک پہنچ جائے گا۔ اس وقت جرگے میں جو لوگ شامل تھے ان کی اجارہ داری سخت گراں گزرنے لگی اور صنعت شہروں کی حدود سے باہر نکل کر ترقی کرنے لگی۔

اس موخر الذکر صنعت کو جو لوگ چلا رہے تھے ان کے دل میں فرسودہ اور متروک اداروں کا کوئی احترام نہیں تھا۔ ان کے اندر عام طور پر عمل کی سرگرمی پائی جاتی تھی کیونکہ ان لوگوں کو اپنے لیے راستہ خود ہی نکالنا تھا چنانچہ جب نئے حالات رونما ہوئے تو ان غیر قانونی کاریگروں نے اور ان لوگوں نے جنھیں اپنی حالت کے بہتر ہونے کی کوئی امید نہیں تھی، نئے مواقع سے پورا فائدہ اٹھانا شروع کر دیا اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہونے لگے۔ یہاں بھی صنعتی انقلاب نے محض یہ کیا کہ ایک ناگزیر تبدیلی کی رفتار کو جسے چاہیے پوری طرح مفید نہ بھی کہیئے، تیز کر دیا۔

۶ صنعت کی میکانی نوعیت۔ جس طرح خارجی قوت سے چلنے والی مشین کے

---

[1] Journey men

استعمال کے بعد صنعتی انقلاب رونما ہوا، اسی طرح اس کے اکثر اثرات کو بھی مختصر طور پر مشین ہی سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلا اثر تو یہ ہوا کہ چیزوں کا لین دین پہلے کے مقابلے میں زیادہ بڑی مقدار میں کیا جانے لگا۔ جانے پہچانے گاہکوں کے لیے چیزیں تیار کرنے کا زمانہ ختم ہو گیا۔ کم از کم ان چیزوں کے لیے تو اس بات کو بالکل ہی صحیح سمجھنا چاہیے جن کو بڑی مقدار میں تیار کیا جاتا ہے۔ اب کاریگر یہ نہیں جانتا کہ کس ملک بلکہ شاید کس براعظم میں وہ چیزیں فروخت کی جائیں گی جن کے بنانے میں اس نے مدد دی ہے۔ اس کے علاوہ ہر کاریگر صناعی کے صرف ایک ہی حصے پر اپنی ساری توجہ صرف کرنے لگا آدم اسمتھ نے اس تقسیم عمل کی طرف توجہ کی تھی جو ۱۷۶۰ء سے پہلے پائی جاتی تھی اور اس کی بہت سی مثالیں پیش کی تھیں لیکن مشین کے رواج نے اس طرح کی تقسیم عمل کے نہ صرف امکان کو بڑھا دیا بلکہ اس کو پہلے سے زیادہ ضروری بھی بنا دیا۔ کاریگر کے سامنے اپنے کام کا ایک نقشہ کلی صورت میں نہیں رہا۔ اس نے ان کاموں سے دلچسپی لینا ترک کر دیا جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان سب سے اہم بات یہ تھی کہ اب وہ ذاتی طور پر کام کے بہت کم حصے کے لیے جواب دہ ہوتا تھا نگرانی کی ذمہ داری کو آجر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

جو مختلف چیزیں کاریگر بناتا تھا ان میں یکسانیت ہوتی جاتی تھی اور ان کی آخری شکل پر وہ اپنا ذاتی اثر بہت کم ڈال سکتا تھا۔ کام کا جو حصہ اس کے سپرد تھا، اس میں بھی مشین ہی زیادہ تر کام کرتی تھی اور کاریگر کا کام صرف رہنمائی کرنا ہوتا تھا۔ اس کا بہت سا کام ایسا تھا جسے بعد میں مشین نے کرنا شروع کر دیا تھا اور بالکل اسی طریقے پر کیا تھا جیسا وہ خود کیا کرتا تھا۔ اس لیے کاریگر نے اپنے کام پر فخر کرنا چھوڑ دیا۔ اب اس کا کام صرف روپیہ کمانا ہو گیا۔

فروخت کرنے کے طریقے بھی رسمی غیر متبدل[1] بن گئے۔ پہلے زمانے میں ہر پارچہ باف ایک خاص گاہک کے لیے کپڑا تیار کرتا تھا اور انفرادی ذوق کو مطمئن کرنے کی کوشش

---

[1] Stereotyped

کرتا تھا۔ ہر فرمایش کی تکمیل الگ الگ کی جاتی تھی اس کے بعد کے زمانے میں بھی کاریگروں کی پیداواروں کو تاجر، چھوٹے پیمانے پر ہی خریدا کرتے تھے۔ لیکن اب چیزیں چند ہاتھوں میں جمع ہو گئیں اور ان کی انفرادی خصوصیات غائب ہو گئیں

ان سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ کاریگر خود مشین جیسا ہو گیا اور اس کا ایک ایسا نمونہ پیدا ہو گیا جو آج تک باقی ہے۔ مزدوروں کی آزادی اور نقل پذیری، ان کی حقیقی معاشی اور معاشری خود مختاری کی صورت میں ظاہر نہیں ہوئی جماعتی رائے اور تجارتی قوانین کا زبردست دباؤ کم ہو گیا۔ لیکن اس کی جگہ ایک ایسے ظلم نے لے لی جس نے احتیاج کی قوت سے کام لے کر، مزدوروں کو پیسنا شروع کر دیا۔ گرنی کے مزدور کا کام، مقررہ اوقات میں، معین طریقوں پر ہونے لگا اور وہ اس قسم کا ہوتا تھا کہ اس میں ذہانت کی گنجایش بہت کم ہوتی تھی کام کے گھنٹے زیادہ ہوتے تھے۔ فرصت اور مطالعے کا مزدور کبھی خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا تھا مزدوروں کے مکان، ایک ہی نمونے کے مطابق بنائے جاتے تھے اور مزروعہ کے مکان کا پرانا تصور جس میں ایک انفرادی رنگ پایا جاتا تھا غائب ہو گیا تھا۔

آبادی جب زیادہ ہو گئی تو مزدور کو جو تھوڑا سا فرصت کا وقت ملتا اسے وہ ان نئے بے کیف شہروں ہی میں گزارنے لگا اور ان شہروں کا اثر دن بدن ترقی ہی کرتا رہا۔ کیونکہ اس کے جو بچے پیدا ہوئے انھوں نے انھی شہروں کو اپنا ماحول سمجھنا شروع کر دیا۔ مزدور کی نقل و حرکت، مصنوعی محرکات کی پابند ہو گئی جس میں خاص حصہ روپے کی طاقت کا تھا۔ اور ہر چیز کو اسی ایک واحد معیار سے ناپا جانے لگا۔ غرض، مزدور یہ محسوس کرنے لگا کہ اس کے اندر ایک خارجی طاقت (یعنی روپیہ) اسی طرح حرکت پیدا کرتا ہے جس طرح وہ اس کے آجر کے کچے مال اور مکمل سامان کو متحرک کرتا رہتا ہے۔ اب وہ یہ بھول گیا کہ زندگی گزارنے کا طور و طریق کیا ہوتا ہے۔

۷۔ مزدور کے ساتھ اس برتاؤ کا اثر۔

انسانوں کے ساتھ، مشینوں جیسا برتاؤ کرنے کا نتیجہ بہت خطرناک نکلا۔ جس طرح ایک اقدام کرنے والا صناع (یعنی آجر) اپنی ان مشینوں کو جن سے وہ اچھا نفع کما رہا تھا اس وقت

برباد کردیتا تھا جب اسے تخمینے سے یہ اطمینان ہوجاتا تھا کہ آمدنی میں اضافہ کرنے والی کسی نئی ایجاد کا خریدنا اس کے لیے اور زیادہ نفع بخش ثابت ہوگا، اسی طرح وہ انسانوں کی محنت کی قدر و قیمت کا اندازہ بھی محض اس کی قدر و قیمت بصورت زر ہی سے کرنے لگا تھا۔ آجروں کے خلاف جو الزامات اس زمانے میں اور بعد کے زمانے میں لگائے گئے ہیں وہ بدقسمتی سے بہت بڑی حد تک صحیح ہیں۔ خاص کر جب انقلابات کا اثر مکمل ہوگیا اور کاروبار کا بازار گرم تھا، تو مزدوروں کی خوب طلب پیدا ہوئی اور کہا یہ جاتا ہے کہ آجر بچوں کو محتاج خانے[1] سے نکلوا لیتے تھے اور ان سے اتنا کام لیتے تھے کہ وہ کام کرتے کرتے مرجاتے تھے اور اس کے بعد بچوں کی تازہ کھیپ کو بھرتی کرلیا جاتا تھا۔ جب تجارت کو زوال ہوتا تھا تو آجر کو مزدوروں کو نکال باہر کرنے میں کبھی کوئی تامل نہیں ہوتا تھا۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مزدوروں کی ملازمت غیر مسلسل رہتی تھی۔ کاروبار کے زوال کے زمانے میں بوڑھے پارچہ بافوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچتا تھا کیونکہ لڑکے مشینوں کے ذریعے ویسا ہی اچھا کام کرسکتے تھے جیسا یہ بوڑھے خود کرتے تھے۔ کاروبار کی ترقی کے زمانے میں، مزدوروں کو ان کا پورا معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا۔ لیکن بہترین حالات میں جب کبھی پارچہ باف کو بہت اچھی اجرت ملنے لگتی تھی تو وہ فضول خرچی کی طرف مایل ہوجاتا تھا اور ایسی عادتوں میں مبتلا ہوجاتا تھا جو زوال کے زمانے میں مشکل سے چھوٹتی تھیں۔ معمول کے خلاف دولت کا ملنا اکثر لوگوں کے لیے بڑی تحریص کا موجب بن جاتا ہے۔ پارچہ بافوں میں نہ تو پیش بینی تھی۔ نہ ضبط نفس کہ وہ آڑے وقت کے لیے کچھ پس انداز کرتے۔ اس لیے کساد بازاری کے زمانے میں ایسی بربادی پھیلتی تھی کہ جس کی نظیر اس ملک نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ آبادی کا ایک بڑا حصہ اپنی آمدنی کو اس کی انتہائی حد تک خرچ کرنے کا عادی تھا اور اس میں جو اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا تھا اس کے ساتھ ساتھ اپنے اخراجات کو کم اور زیادہ کرنے کے لیے مجبور تھا۔

---

[1] Work House

۸۔ پائیداری کا نقصان

یہ اثر ایک حد تک تو خوش حالی کے یکبارگی اضافے کی وجہ سے بھی پیدا ہوتا تھا (جو وقتاً فوقتاً رونما ہوتی رہتی تھی) لیکن صنعتی انقلاب نے، تخمین کی جبلی خواہش کو بھی ترقی دے دیا تھا چونکہ کوئی مقررہ بازار نہیں رہا تھا اس لیے صناعوں کو کچھ تو مستقبل کی مانگ کے بارے میں اندازے سے کام لینا پڑتا تھا اور کچھ اپنا بازار خود پیدا کرنا پڑتا تھا۔ جب کاروبار کی حالت اچھی ہوتی تھی تو جتنا مال بک سکتا تھا اس سے زیادہ بنایا جاتا تھا۔ بازار میں چیزوں کا بہت زیادہ ذخیرہ ہوجاتا تھا اور پیداوار کی قیمت گرجاتی تھی۔ آجر کو اپنی غلطی کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ لیکن اس کو اس کے بعد بھی یہ موقع رہتا تھا کہ طلب کے دوبارہ بڑھنے تک اپنے ذخیروں کو جمع رکھے۔ مگر مزدور جو اپنے مالک کے غلط اندازے کی وجہ سے برطرف کیا جاتا تھا۔ وہ اس مصیبت کے زمانے کو جھیلنے کی بالکل سکت نہیں رکھتا تھا۔ پھر زاید تخمین کی وجہ سے اکثر مالیاتی بحران بھی پیدا ہوتا رہتا تھا جس کا نتیجہ صرف تباہی ہوتا تھا۔

گھر پر کام کرنے والے پرانے پارچہ باف کو، ان غیر مادی چیزوں کے حاصل کرنے کا موقع میسر تھا جو زندگی کو لایق زیست بناتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا تعلق زمین کے ساتھ قائم تھا اور وہ کپڑا بننے کے کام کو حصول معاش کا ایک امدادی ذریعہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ کپڑے کی طلب اگر کبھی یکبارگی کم ہوجاتی تھی تو وہ بالکل مجبور اور بے بس نہیں ہوجاتا تھا۔ اسی طرح جب کپڑے کی طلب میں اضافہ ہوتا تھا تو اس کی عادتیں اُسے مائل کرتی تھیں کہ زاید منافع کو اپنی زمین پر ہی صرف کرے۔ اس کی روزی میں اس کی زندگی کی طرح، استقلال و تسلسل پایا جاتا تھا۔ لیکن یہاں بھی اس بات کا دھیان رکھنا چاہئے کہ صنعتی انقلاب سے پہلے ہی تاجر کی اہمیت زیادہ ہوگئی تھی اور اس وجہ سے عدم تیقن کا ایک عنصر پیدا ہوچکا تھا۔

سنہ ۱۷۶۰ء کے بعد، اس تبدیلی کی وجہ سے جو برائیاں پیدا ہوئیں اب تک ہم نے ان کے بیان کرنے پر ہی اپنی پوری توجہ صرف کی ہے اور یہ بات ہم نے

اس لیے کی کہ ملک کی دولت میں اضافہ دیکھ کر لوگوں کی طبیعت ہر چیز کو اچھا ہی باور کرنے کی طرف راغب نظر آتی ہے۔ لیکن جب خاص خاص برائیوں کو دور کر دیا گیا تو اس ترقی کی طرف قدم اٹھانے کے لیے راستہ صاف ہو گیا جس کا سلسلہ ہمارے خیال میں ابھی تک جاری ہے۔ سنہ ۱۸۰۰ء کے مقابلے میں آج مزدوروں کا طبقہ تعداد میں زیادہ ہے اور اس کے افراد، انفرادی طور پر دولتمند بھی زیادہ ہیں۔

۹۔ اجرت بصورت زر و اجرت صحیحہ۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ادنیٰ طبقوں کو وہ تمام، رعایتیں میسر آگئیں جن کے مستحق وہ قیمتوں کے اضافے کی وجہ سے ہو گئے تھے۔ اس مسئلے کو بڑی ہمہ گیر اہمیت حاصل ہے۔ جب کبھی خوب خوش حالی کا زمانہ آتا ہے تو یہ عام تجربہ ہے کہ چیزوں کی طلب کے اضافے کے ساتھ ان کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے جس کی وجہ سے مزدور یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کی ترقی ایک حد تک محض نمائشی ہو گئی ہے۔ اس لیے اجرت بصورت زر اور اجرت صحیحہ میں فرق کرنا بہت ضروری ہے۔ اول الذکر کا اندازہ تو آسانی سے لگایا جا سکتا ہے اور ان کا اظہار قدر زر کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ یہ کہنا آسان ہے کہ فلاں شخص کی اجرت اتنے شلنگ فی ہفتہ ہے۔ لیکن اس کا مطلب مختلف زمانوں میں مختلف ہو سکتا ہے۔ ایک مورخ جب مختلف زمانوں کے حالات کا مقابلہ اجرت بصورت زر کے ذریعے کرتا ہے تو وہ عموماً دھوکا کھا جاتا ہے۔ آدم اسمتھ اور اس کے بعد کے معاشیین نے اس مشکل کو محسوس کر لیا تھا اور کسی دوسرے معیار مثلاً غلہ یا محنت کو اختیار کر کے اس کو دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن یہ دونوں بھی کافی پائدار معیار نہیں ہیں۔ مزدور کو جس چیز سے سروکار ہے وہ یہ ہے کہ اسے اپنی اجرت کے معاوضے میں کتنی مقدار میں چیزیں دستیاب ہو سکتی ہیں۔

اس مقدار کو ہم اس کی اجرت صحیحہ کہہ سکتے ہیں۔ اس کا اندازہ ہمیں صرف ایک چیز سے نہیں کرنا چاہیئے بلکہ جتنی زیادہ سے زیادہ چیزیں ممکن ہو سکیں ان کے ذریعے کرنا چاہیئے۔ تب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اجرت صحیحہ اس وقت بڑھتی ہے جب زندگی کی ضروریات اور عام طور پر استعمال کی جانے والی تعیشات

زیادہ مقدار میں میسر آنے لگتی ہیں۔ آج بھی یہ کہنا مشکل ہے کہ حالات ترقی کی طرف مائل ہیں یا تنزل کی طرف اور گزشتہ زمانے کے بارے میں تو ہم بالکل قیمتوں کی تحریری یادداشتوں پر بھروسا کرنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں۔ اجرتوں کی تبدیلی سے مختلف زمانوں کے بارے میں ایک سرسری اندازہ تو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح اندازہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس بات کا احتیاط کے ساتھ تخمینہ کیا جائے کہ ان سے چیزوں کی کتنی مقدار کو خریدا جا سکتا ہے اور اس کام کے لیے معلوم شدہ قیمتوں کو بنیاد بنایا جائے۔

۱۰۔ انیسویں صدی کی اجرت صحیحہ۔

اس طرح جو نتائج حاصل ہوئے ہیں، ان کا ایک خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے اٹھارویں صدی ختم ہو کر جب انیسویں صدی شروع ہوئی، اس وقت اجرت صحیحہ کچھ گر رہی تھی لیکن ۱۸۱۰ء سے ۱۸۳۰ء تک یہ بڑھنے لگی۔ اس کے بعد بیس سال تک کم و بیش ایک حالت پر قائم رہی۔ پھر بیس سال سے زیادہ عرصے تک، مجموعی طور پر بڑھتی رہی، اس کے بعد ایک وقفے تک ایک جگہ قائم رہنے کے بعد انیسویں صدی کے آخری بیس سالوں میں بڑھنے لگی۔ پھر قائم ہو گئی اور اب گر رہی ہے۔ بعض وقت اجرت صحیحہ میں کمی، اجرت بصورت زر میں بیشی کے ساتھ واقع ہوئی اور کبھی صورت حال اس کے برعکس رہی۔

اجرت صحیحہ میں کمی، دو طرح واقع ہو سکتی ہے۔ اول تو یہ ہو سکتا ہے کہ صنعتی کساد بازاری ہو اور اس کی وجہ سے تجارت کی حالت خراب ہو اور کام بہت کم مل رہا ہو۔ اس زمانے میں بے روزگاری عام ہوگی جس کے نتیجے کے طور پر اجرت صحیحہ مجموعی طور پر گر جائے گی۔ دوسری صورت اس وقت واقع ہوگی جب قیمتوں میں تو عام ترقی ہو چکی ہو لیکن اجرتیں پیچھے رہ گئی ہوں جس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ اجرت بصورت زر کے بڑھنے کے باوجود اجرت صحیحہ گر جائے کساد بازاری کے زمانے میں، ضروریات زندگی کی قیمتیں گر جاتی ہیں کیونکہ ان کی طلب یکبارگی گھٹ جاتی ہے لیکن اس اثر سے پہلی کساد بازاری کے اثرات کی تلافی شاذ و نادر ہی ہو پاتی ہے۔

سنہ ۱۷۶۰ء کے بعد اجرتیں بڑھیں لیکن قیمتیں ان سے زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھیں۔ افلاس میں اضافہ ہوا اور سنہ ۱۸۰۰ء تک حالت یہ ہو گئی کہ اس کا کوئی علاج ہی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ بہت سے دوسرے عوامل بھی موجود تھے۔ سکونت پذیری کے قوانین ابھی تک لوگوں پر ظلم ڈھا رہے تھے۔ دوسری طرف وہ پرانا نظام جس نے معاشرت کے شیرازے کو خاصی حد تک قائم رکھا تھا ٹوٹ چکا تھا اور اس کی جگہ پر کوئی دوسری چیز مزدوروں کی حفاظت کرنے اور مالکوں کے مقابلے میں ان کی حیثیت کو قانونی بنانے کے لیے باقی نہیں رہی تھی۔ کارآموزی کے پرانے قوانین سے اگرچہ آزادی میں کمی پیدا ہوتی تھی لیکن ان سے ہنر سیکھے ہوئے لوگوں کا تحفظ بھی ہوتا تھا۔ غلّے کے قوانین نے زندگی کی ابتدائی ضرورت کی چیزوں کی قیمت گراں کر دی تھی۔ جو اور جئی کی روٹی کا رواج ترک کیا جا رہا تھا اور ان کی جگہ گیہوں کی ڈبل روٹی لیتی جا رہی تھی۔

ملک میں جنگ یا افواہ جنگ کا بازار گرم تھا۔ لیکن مزدور اپنی تعلیم کی کمی کی وجہ سے بدلتے ہوئے حالات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ سب سے آخر میں، اگرچہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے یہ چیز سب سے پیچھے نہیں ہے، محتاجوں کا قانون جو نیک نیتی سے بنایا گیا تھا لیکن جس کے اثرات بہت تباہ کن تھے مزدوروں کے طبقوں کی خود مختاری کو گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا۔ اور زرعی آبادی ذلت کی اس انتہائی حد تک پہنچ گئی تھی جس کے اثر سے وہ ابھی تک پنپ نہیں سکی ہے اس پر صنعتی انقلاب کا صدمہ ستم بالائے ستم کی حیثیت رکھتا تھا۔

۱۱۔ آبادی کی پریشان حالی۔ پھر آبادی کی پریشان حالی نے بھی ان قوتوں کو پیدا کیا جس سے انحطاط اور زیادہ بڑھ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب ابتری پھیلانے والے بعض عناصر دور بھی کر دیے گئے تو بھی کوئی قابل لحاظ بہتری پیدا نہ ہو سکی بے اطمینانی بہت زیادہ ہوتی اور جیسا کہ ہوا کرتا ہے جب حالات سدھرنے لگے تو یہ چیز اور بھی نمایاں ہو گئی۔

مزدوروں نے اتحاد کرنا چاہا لیکن جو لوگ برسر اقتدار تھے انھوں نے اتحاد نہیں ہونے دیا اور بہتری کا جو یہ ایک موقع تھا وہ بھی مالکوں کے برسر اقتدار

ہونے کی وجہ سے ضایع ہو گیا۔ جنگ عظیم میں ملک کی حالت کیا تھی اس سے اوپر بحث کی جا چکی ہے اور اگرچہ تجارت باری باری سے خوش حالی اور بدحالی کے دور سے گزرتی رہی لیکن نقصان زیادہ تر مزدوروں ہی کو اٹھانا پڑا۔ اس کے برخلاف مالکوں نے اپنے غیر معمولی منافع کو قایم رکھا۔

غلّے کے قوانین منظور کیے گئے اور ان کے بعد قدرتی طور پر احاطہ بندی کے قوانین بھی منظور کیے گئے۔ ۱۸۱۵ء میں زمینداروں تک نے یہ محسوس کر لیا کہ مزدوروں کے طبقوں کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیے اور جب غلّے کی قیمت ۸۰ شلنگ فی کوارٹر ہوئی تو غلّے کے داخلے کی اجازت مل گئی۔ ۱۸۱۱ء سے برابر مغربی رایڈنگ میں کچھ فساد ہو رہا تھا۔ روئی ایک سستی چیز تھی۔ اور اسے غیر ملکوں میں بڑی مقدار میں فروخت کیا جا سکتا تھا لیکن اُون کی بکری کم و بیش مقرر تھی۔ چنانچہ اون کی صنعت میں، مشین کا اثر بجائے اس کے کہ پیدایش دولت کے اضافے کی صورت میں ظاہر ہوتا، مزدوروں کی برطرفی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اُون کے پارچہ بافوں کو مشین کی نگرانی کرنے پر اتنا اعتراض نہیں تھا جتنا فطرت کی اس تسخیر پر اعتراض تھا جس کی مشین نمایندگی کرتی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ یارک شائر میں پہلی دستی مشینوں کا جو مزدوروں کی جگہ استعمال کئے جانے کے بجائے مزدوروں کو مدد دیتی تھیں، خیر مقدم کیا گیا تھا لیکن جب قدرتی طاقتوں نے قوت محرکہ کو فراہم کیا تو بہت سے پارچہ بافوں کا روزگار مارا گیا اور اس کی وجہ سے لڈائٹ کے بلوے رونما ہوئے۔

دستکاروں پر مشین کا تاثر فی الحقیقت کیا ہوا، اس بات کے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ۱۷۶۰ء سے ۱۸۱۵ء تک پارچہ بافوں اور سلائی سے بننے والوں[۱] یعنی مزدوروں کے ان طبقوں کی حالت جو خاص طور پر متاثر ہوئے تھے برابر ترقی کرتی رہی آنے والے چالیس سالوں میں دوسری صنعتوں میں تو اتار چڑھاؤ ہوئے لیکن پارچہ بافوں اور سلائی سے بننے والوں کی حالت برابر خراب اور پست ہوتی گئی

[۱] Knitters

اس کے چند اسباب تھے۔ لندن اور جنوب میں تو کاروبار کو شمال کی نئی صنعت کی وجہ سے نقصان پہنچا۔ لنکاشائر اور اسکاٹ لینڈ کے مغرب میں ان مزدوروں کا ایک تانتا بندھا ہوا تھا جو آئرلینڈ سے نقل سکونت کرکے آ رہے تھے اور جن کی زندگی کا معیار پست تھا۔ لیکن بنیادی سبب وہ شدید ترین مقابلہ تھا جسے عدم مداخلت کی پالیسی کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ قیمتوں میں جبریہ کمی غیر ملکی مقابلے کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ اس غیر محتاط مقابلے کی وجہ سے جو ملکی بازار میں انگلستان کے صناع آپس میں کر رہے تھے۔

اس مقابلے کی وجہ سے صرف قیمتیں ہی کم نہیں ہوئیں بلکہ مال بھی گھٹیا قسم کا تیار کیا جانے لگا اور اس کا اثر بعد میں مزدوروں کی اجرت تک پہنچا کیونکہ انیسویں صدی کے نصف اول میں کپڑے کی تجارت کو غیر محدود وسعت دینا ممکن نہیں تھا۔

اس پریشان حالی کے پیدا کرنے میں، مشین کا بھی، عبوری دور میں، کچھ حصہ رہا۔ قوت کے کرگھوں کے عام رواج سے پہلے، دستی کرگھوں پر جو لوگ کپڑا تیار کرتے تھے انھیں ایک نیا مقابلہ ان مزدوروں کا کرنا پڑا، جو کتائی اور دوسرے کاموں میں، مشین کے رواج پا جانے کی وجہ سے برطرف کردیے گئے تھے۔ یہ برطرف شدہ مزدور قدرتی طور پر دستی کرگھوں پر ہی کپڑا بننے کا کام کرنے لگے۔

قوت کے کرگھے کے اثرات اس وجہ سے اور شدید ہوگئے کہ مزدور فیکٹری میں داخل ہونے کے لیے رضامند نہیں تھے۔ فیکٹری میں کام کرنے کے معنی یہ تھے کہ پرانی روایتوں کو ترک کیا جائے جن کے خلاف کپڑا بننے والے لوگ ایک قرن تک برابر نا کام جد و جہد کرتے رہے۔ لیڈز کے ارد گرد کپڑے کی بنائی کا جو کام کیا جاتا تھا، اس میں اور ناٹنگھم کی لیس کی صنعت میں، اس تبدیلی کی وجہ سے دوسری جگہوں کے مقابلے میں، کم پریشان حالی پیدا ہوئی۔ کیونکہ ان جگہوں میں مال کو مکمل کرنے کے لیے جو کام کیے جاتے تھے، ان میں، مشین کے چلانے میں، مہارت اور طاقت، دونوں کی ضرورت ہوتی تھی اور یہ کام جوان مزدور مرد ہی

کر سکتے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ مصیبت کا سامنا روئی کی صنعت میں کام کرنے والوں کو، جہاں قوت کا استعمال سب سے پہلے کیا گیا، اور مڈلینڈ کے ان اضلاع[1] کے لوگوں کو کرنا پڑا جہاں سلائی کے ذریعہ بنائی کا کام کیا جاتا تھا لنکا شائر میں ملکی مزدور اور آئرلینڈ اور اسکاٹ لینڈ کے مزدور، روئی کی صنعت کی ان شاخوں میں اکٹھا ہونے لگے جن میں قوت سے چلنے والی مشین ابھی ابتدائی حالت میں تھی اور دستی کرگھے پر کام کرنے والے پارچہ بافوں کی اجرتیں کمترین مصارف خورونوش سے بھی کم ہو گئیں۔ فریم کے ذریعہ بنائی کا جو کام[2] کیا جاتا تھا، اس میں مزدور صرف ایک ایسے واحد روزگار کے اندر محدود ہو کر رہ گئے جس میں دقیانوسی اوزاروں سے کام کیا جاتا تھا اور جن میں فریم کے مالکوں کو بہت زیادہ کرایہ[3] ادا کرنا پڑتا تھا۔ یہاں نظام اجرت بہ شکل جنس[4] کی بدترین برائیاں پھیلی ہوئی نظر آتی تھیں۔

مزدوروں پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ مشین کی مخالفت کرنے میں انھوں نے تنگ نظری سے کام لیا۔ لیکن ان کے پاس ایسا کرنے کی معقول وجہ موجود تھی انھوں نے ایک خاص کام کے لیے مہارت پیدا کی تھی اور اگر یہ کام انھوں نے کارآموز بن کر سیکھا تھا تو پھر تو انھیں ایک بیش قیمت صنعتی تعلیم بھی حاصل کرنا پڑی تھی۔ ممکن ہے انھوں نے مشین کی قوت کا اندازہ غلط کیا ہو اور یہ امید قائم کی ہو کہ آخر میں وہ اسے برباد کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ اکثر صورتوں میں جب وہ مقابلے میں ناکام رہتے تھے تو ان کا انجام تباہی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا کیونکہ آجر غیر تربیت یافتہ لڑکوں کو ان پر ترجیح دیتے تھے۔ پارچہ بافوں کے لیے یہ موت و زیست کا معاملہ تھا۔

ـہ۱ Midland knitting Districts

ـہ۲ Framework knitting

ـہ۳ Rachrent

ـہ۴ Truck system

۱۲- ترقی کی مخالفت

یہ بالکل صحیح ہے کہ مالک، اپنی خود غرضانہ اور بے رحمانہ پالیسی پر عمل کرنے کے باوجود حقیقی ترقی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ لیکن اس بات کو ہمیں نہ بھولنا چاہیے کہ یہ ترقی ان جلاہوں کو قربان کر کے کی جارہی تھی جو اس تبدیلی کی وجہ سے نقصان کا سب سے زیادہ شکار بن رہے تھے۔ اگر معاشرے کا تصور، مجرد اکائیوں کے علاوہ، کچھ دوسرا ہوتا، تو اس تکلیف و مصیبت کے ایک بڑے حصے کا تدارک کیا جاسکتا تھا۔ معاشی لحاظ سے یہ صحیح ہے کہ دستی پارچہ بافوں کے مٹنے کی وجہ سے ملک کے اندر بحیثیت مجموعی دولت کا بے انتہا اضافہ ہوا، تاہم اس تبدیلی کو زیادہ تدریجی طور پر اور کم تکلیف پہنچائے ہوئے عملی جامہ پہنایا جاسکتا تھا۔

بلوہ کرنے والوں نے نہ تو کسی کی جان بخشی اور نہ مال کیونکہ یہ بھوکے مایوس لوگ تھے اور آیندہ کے امکانی دورِ عشرت و کامرانی کا پیشگی تصور کرنے سے بالکل قاصر تھے۔ مالک اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتے تھے اور گرہوں اور مشینوں کی بربادی بہت عام چیز تھی۔ فساد پھیلا اور ناٹنگھم میں جہاں آرک رائٹ کا اپنا کارخانہ تھا بہت سنگین ہوگیا اور بہت سے فسادات ڈربی اور لیسٹر میں بھی جو پڑوس کے ضلع تھے ہوئے۔ لنکاشائر پر ایسا معلوم ہوتا ہے، سب سے کم اثر ہوا۔ روئی کی صنعت برابر زیادہ مزدوروں کو اپنے اندر جذب کرتی رہی۔

ظاہر ہے، اس مخالفت کی وجہ سے ترقی نہیں رک سکی۔ کچھ مالک دھمکی میں آگئے۔ کچھ باقی رہے، کچھ نے سکونت ترک کردی۔ لیکن مشین کا استعمال روز بروز زیادہ اہم ہوتا چلا گیا۔ مالکوں نے اپنے سیاسی اقتدار سے کام لیا اور عاملہ نے گرہنی کے مالکوں کا ساتھ دیا۔ فسادات کو سیاسی جرم سمجھا جانے لگا اور لوگوں کی واقعی شکایتوں کا کوئی علاج نہیں کیا گیا۔

لڈائیٹ کی اصطلاح نیڈ لڈ سے ماخوذ ہے۔ یہ لیسٹر شائر کا ایک پاگل شخص تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بہت سال پہلے جراب کے فریموں

کو توڑا تھا۔

اس ہیجان کی وجہ سے سیاسی شورش بھی پیدا ہوئی۔ کابٹ نے مزدوروں کو سمجھایا کہ ان پر غلط طور سے حکمرانی کی جاتی ہے۔ ۱۸۱۹ء میں، سخت پریشان حالی کی وجہ سے لندن میں بھی فساد ہو گیا اور صوبے کے شہروں میں بھی، اشتعال برپا کرنے والے رہنماؤں نے عوام کے بڑے جلسوں میں تقریریں کیں۔ حکومت خائف ہو گئی۔ مانچسٹر میں ایک بڑے جلسے کا انتظام کیا گیا جو بلاشبہ قانونی تھا لیکن مجمع کو قطار میں کھڑا کیا گیا تھا اور جیسا کہ رہنماؤں نے اعلان کیا یہ امن قائم رکھنے کے لیے کیا گیا تھا۔ ایک ممتاز شورش برپا کرنے والے رہنما (ہنٹ) کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی اور جب مجمع نے اس کی حفاظت کرنا چاہی تو سپاہیوں نے مجمع پر گولی چلائی۔ "پیٹرلو" کے اس قتل عام کے بعد ہلکی سی اصلاحیں کی گئیں۔

جارج چہارم ذاتی طور پر، اصلاحات کا مخالف تھا اور ولیم چہارم کا زمانہ مصیبت اور پریشان حالی کے ساتھ شروع ہوا۔ بادشاہ ملک کے مزاج کی برہمی سے ڈر گیا اور امرا پر زور ڈال کر اس نے ۱۸۳۲ء میں متوسط طبقے کو حق رائے دہی دلا دیا۔ اس اقدام کا معاشی اثر اچھا ہوا اگرچہ ترقی تدریجی رفتار کے ساتھ ہی ہوئی۔ ۱۸۳۸ء میں منشوریت[1] کی تحریک شروع ہوئی۔ لیکن ۱۸۴۷ء کے مالی بحران نے اسے دوسرے سال انتہائی عروج پر پہنچا دیا۔ اس کے بعد یہ تحریک خطرناک نہیں رہی۔

۳- ۱۸۱۵ء کی صلح اور اس کے بعد کا زمانہ۔

۱۸۱۵ء کی صلح کے معاشی اثرات کو دیکھا جا چکا ہے۔ مزدوروں کے اکثر طبقوں کو اس کی وجہ سے نقصان پہنچا لیکن سب سے زیادہ نقصان زرعی مزدوروں کا ہوا۔ جو چھوٹے زمیندار اب تک بچے رہ گئے تھے، وہ سب کے سب تقریباً برباد ہو گئے نقد ادائی کو دوبارہ اختیار کرنے کی وجہ سے جو یک بیک خراب اثر ۱۸۱۹ء

[1] Chartism

میں ہوا تھا وہ بہت جلد زایل ہوگیا اور ۱۸۲۲ء میں ایک معقول نظام سکہ کے رائج ہوجانے سے حالات بہتر ہوگئے۔ دوسری طرف اس کے ایک سال بعد جہاز رانی کے کچھ قوانین منسوخ کردیے گئے۔ زاید تجارت کی وجہ سے ۱۸۲۵ء کا بحران پیدا ہوا اور کساد بازاری ۱۸۳۲ء تک چلتی رہی۔ اس کے دو یا تین سال بعد زراعت میں نئی زندگی پیدا ہوئی۔ یہ ۱۸۳۴ء کے محتاجوں کے قانون کے بعد رونما ہوئی اور اسے غلّے کے قوانین میں اصلاح ہوجانے اور صنعتوں کے ساتھ ہی ساتھ ترقی کرنے کی وجہ سے بہت مدد ملی۔ ۱۸۴۴ء میں راشڈیل پایونیرز نے امداد باہمی کی تحریک کو شروع کیا جس کا ایک نمونہ رابرٹ اوون پہلے تیار کرچکا تھا۔ اس کے دو سال بعد غلّے کے قوانین تقریباً منسوخ کردیے گئے۔ جس ترقی کی امید تھی اس کے رونما ہونے میں ۱۸۴۷ء کے بحران کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہوگئی۔ اس بحران نے ان لوگوں کو بہت مایوس کیا جن کا یہ عقیدہ تھا کہ پیل کے ۱۸۴۴ء کے قانون بنک کاری کی وجہ سے مالی ابتری کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا ہے۔ ۱۸۴۹ء میں جہاز رانی کا آخری قانون بھی غائب ہوگیا۔

۱۴۔ ۱۸۵۰ء کے بعد کی ترقیاں۔

۱۸۵۰ء کو بے قاعدہ طور پر ایک حد فاصل قرار دیا جاسکتا ہے اس سال تک ترقی غیر مسلسل اور محدود رہی تھی گو مجموعی طور پر ترقی حقیقی ضرور تھی۔ اس کے بعد سے ملک کی ترقی زیادہ مسلسل اور زیادہ وسیع ہوگئی۔ آزاد تجارت نے ۱۸۵۰ء اور ۱۸۹۰ء کے درمیان ملک کی مجموعی دولت کو بے انتہا بڑھا دیا اور اس کی وجہ سے غالباً مزدوروں کی طلب بھی بڑھ گئی، بیسویں صدی کے نئے حالات میں آزاد تجارت کی وجہ سے مزدوروں کی طلب میں اضافہ ممکن ہے پیدا ہو یا نہ ہو لیکن مندرجۂ بالا زمانے میں اس واقعے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح یہ واقعہ بھی کہ آزاد تجارت ہی کی وجہ سے کاروبار میں استحکام کا رجحان پیدا ہوا، پہلے واقعے کے برابر اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں برابر تجارتی بحران کا چکر چلتا رہا۔ لیکن مزدور اس زمانے میں ۱۷۹۰ء تا ۱۸۵۰ء کے مقابلے میں زیادہ باقاعدگی کے ساتھ روزگار سے لگے رہے۔ گیہوں کی آزاد تجارت نے

روئی کی قیمت میں بھی جو مزدوروں کی ابتدائی ضرورت کی چیز تھی زبردست اتار چڑھاؤ کو ہلکا کر دیا۔

ان صنعتوں میں بھی جن کے اندر اجرتوں میں کوئی نمایاں اضافہ نہیں ہوا، کام جتنی دیر تک روزانہ کیا جاتا تھا، اس میں آہستہ آہستہ کمی کر دی گئی جس کی وجہ سے سابقہ اجرت کے کمانے میں زیادہ آسانی پیدا ہو گئی۔ غرض ان قوتوں اور بہتر حالات میں زیادہ باقاعدہ طور پر روزگار ملنے اور اجرت صحیحہ کے مسلسل اضافے کی وجہ سے مزدور پیشہ طبقے کی حالت آہستہ آہستہ بہتر ہو گئی۔

گیہوں کی آزاد تجارت کی اہمیت کے بارے میں جتنا بھی کہا جائے کم ہے۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں فصل اگر خراب ہوتی تھی تو اس کے معنی مزدوروں کی تباہی و بربادی ہوتے تھے سنہ ۱۸۷۰ء کے بعد، سردی پہنچا کر، مال کے ذخیروں کو محفوظ کرنے کی ابتدا ہوئی اور اس کی وجہ سے زندگی کی دوسری ضروریات بھی سستی ہو گئیں۔ سنہ ۱۸۵۰ء کے بعد آبادی کے اضافے کی شرح کم ہو گئی جس کی وجہ سے سستے مزدوروں کی افراط کا مسئلہ فوری توجہ کا محتاج نہیں رہا۔

مزدوروں کی انجمنوں کی موجودگی سے مزدوروں کو موقع ملا کہ وہ اپنے آجروں کے ساتھ برابر کا مقابلہ کریں۔ ان کی انجمن کا سرمایہ محفوظ کاروبار میں لگا ہوتا تھا اس کے بل پر، اب، مزدور، ملازمت کے لیے اس وقت تک تیار نہ ہوتے تھے جب تک ان کی اجرت نہ بڑھائی جاتی تھی۔ مزدوروں کی یہ انجمنیں امدادی انجمنوں[1] کے فرائض بھی انجام دیتی تھیں جن کے ذریعے سے انجمن کے اراکین، بیماری اور بڑھاپے کے لیے بھی کچھ نہ کچھ انتظام کر سکتے تھے۔ فیکٹری کے قوانین نے بھی مزدور کی حالت کو بہتر بنا کر اسے موقع دیا کہ کم وقت میں زیادہ مال تیار کرے۔ دوسری طرف قانونی پابندیوں کے اٹھ جانے کی وجہ سے اس کے اندر خود مختاری اور وقار کا ایک نیا احساس پیدا ہو گیا۔

اس ترقی کے پیدا کرنے میں، امداد باہمی کی عظیم الشان انجمنوں کا بھی خاص

---

[1] Friendly Societies

حصہ ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس طرح کی انجمنوں کی ابتدا راشڈیل پاینیرز اسٹور کے ذریعے عمل میں آئی جسے رابرٹ اووِن کی تعلیم کے زیر اثر قائم کیا گیا تھا۔ ان انجمنوں نے مزدور بھائیوں کی طرح اختیاری انجمن سازی اور اپنی مدد آپ کے فواید کو سکھایا اور مال کو سستا اور کفایت شعاری کی حوصلہ افزائی کرکے مزدوروں کی فلاح و بہبود پر بہت اہم اثر ڈالا۔

تعلیم کی توسیع، سفر کے مواقع، نیز سیاسی اقتدار کے حصول کی وجہ سے عوام کے ہاتھ مضبوط ہو گئے ہیں۔ حق رائے دہی کی تدریجی توسیع سے اب یہ ناممکن ہو گیا ہے کہ مزدوروں کے جائز مطالبات کو نظر انداز کیا جائے۔ صنعتی انقلاب کی بعض بدترین خرابیوں کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ قوم کی قانون ساز مجلس میں مزدوروں کی تو کوئی آواز نہیں تھی البتہ مالکوں اور صناعوں کا پورا اثر تھا۔ جب حق رائے دہی میں ایک مرتبہ توسیع ہو گئی تو فطرت پر انسان نے جو اقتدار حاصل کیا تھا اس میں نیچے کے سب طبقے بھی درجہ بدرجہ شریک ہونے لگے۔

یہ ترقی کئی طریقوں پر ظاہر ہوئی اور انیسویں صدی کے آخری زمانے میں خاص طور پر نمایاں ہو گئی۔ ہڑتالیں کم ہونے لگیں اور ان کی جگہ مالکوں کو رضامند کرنے کے لیے پر امن طریقوں سے کام لیا جانے لگا۔ آجروں اور مزدوروں کے تعلقات بلاشبہ بہتر ہو گئے۔ مالک اور مزدور کے درمیان جو تعلقات پہلے پائے جاتے تھے اور جن کی رابرٹ اووِن اور کابٹ نے تعریف کی تھی ان میں خوبیاں ضرور پائی جاتی تھیں لیکن ان میں سخت خرابیاں بھی تھیں۔ ان میں اکثر ظلم و سفاکی پائی جاتی تھی۔ کارخانوں کے نظام نے ان پرانے ذاتی تعلقات کو ختم کر دیا۔ اس کی وجہ سے شروع میں اگرچہ کھلا نقصان ہوا لیکن جب مزدوروں میں ایک مرتبہ تنظیم پیدا ہو گئی تو ان دونوں طبقوں میں ایسے قابل اطمینان تعلقات پیدا ہونے کا امکان نکل آیا جیسے پچھلے زمانے میں کبھی نہیں دیکھے گئے تھے۔ اس چیز کا مشاہدہ، ان مصالحتی بورڈوں کی ترقی کو سامنے رکھ کر کیا جا سکتا ہے جو ۱۸۶۰ء کے بعد بہت سی صنعتوں میں قائم کیے گئے۔ اور جن میں پچھلے رواج کے مقابلے میں

زیادہ ترقی یافتہ صورت میں مالک اور اس کے آدمی، ایک ہی میز پر اکٹھے[3] بیٹھ کر باہمی معاہدے کی گفت و شنید کر سکتے تھے۔ دولت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگی اگرچہ ابتدا میں بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے اس کے ظاہری اثرات اصل سے بہت زیادہ بڑھے چڑھے دکھائی دیتے تھے۔ بالائی طبقے کی دولتمندی بڑھ گئی لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ موجودہ رئیس زیادہ دولتمند ہوگئے بلکہ یہ تھی کہ ان کی تعداد کل آبادی کے مقابلے میں زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اس سے بھی زیادہ اہم یہ بات ہے کہ غریب ترین طبقوں کی تعداد کل آبادی کے مقابلے میں کم ہوگئی۔ دوسری طرف ان کی حالت اپنے ان نمایندوں کے مقابلے میں جو انیسویں صدی کے آغاز میں پائے جاتے تھے بہتر ہو گئی تھی۔ گو یہ صحیح ہے کہ سنہ ۱۸۵۰ء میں ان کی حالت، سنہ ۱۷۵۰ء کے مقابلے میں یعنی صنعتی انقلاب سے پہلے کے مقابلے میں اگر کچھ بہتر تھی تو بس بہت تھوڑی ہی بہتر تھی۔ اسی طرح اس بات کے یقین کرنے کی بھی کافی وجہ موجود ہے کہ بہت زیادہ غریب لوگوں کی تعداد جو فاقہ کشی کی نوبت کو پہنچے ہوئے تھے پہلے سے بہت کم ہوگئی تھی۔

اس مقابلے کو ہمیں حد سے زیادہ نہ بڑھانا چاہیئے کیونکہ سنہ ۱۹۰۰ء میں بھی افلاس و نکبت اور عرق ریز محنت ہر جگہ دکھائی دیتی تھی۔ اس قسم کا مقابلہ صرف اضافی حیثیت سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن تمام واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سنہ ۱۹۰۰ء میں، مزدور پیشہ طبقوں کی حالت انیسویں صدی کے آغاز کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر تھی۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں جس معاشری نظام اخلاق پر عملدرآمد تھا وہ جنگلی لوگوں کا نظام تھا لیکن سنہ ۱۹۰۰ء تک، رائے عامہ میں قطعی طور پر تبدیلی ہو گئی تھی اور جماعتی احساس بیدار ہو چکا تھا۔

۱۵۔ عوام کی اخلاقی ترقی

اس کے علاوہ، مزدوروں کے اندر ایک امیروں کا طبقہ بھی نمایاں ہونا شروع ہو گیا، ناشایستہ و غیر مہذب مزدور پیشہ طبقے میں کارلائل کے خیالات اور اوون اور ابتدائی اشتراکیین کے تصوریت[1]

[1] Idealism

کے زیر اثر آزادانہ ترقی کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں۔ بہت سی غلطیاں کی گئیں جن میں سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ مزدوروں نے متوسط طبقے کے ذہنی تجربے سے فائدہ اٹھانے سے انکار کر دیا۔ لیکن مزدوروں میں جو جذبہ کام کر رہا تھا وہ اپنی جگہ پر تندرستی کی علامتوں کو پوری طرح ظاہر کرتا تھا۔ وہ یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ محنت صرف زبردستی کا کام نہیں ہے بلکہ ان کے اندر کام کی خاطر کام کا پرانا جذبہ نمایاں ہونے لگا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مالکوں اور مزدوروں کے تعلقات بہتر ہو گئے اور اس بات میں تو شک شبہے کی کوئی گنجایش ہی نہیں رہی کہ پابندی اور ماتحتی کے پرانے تعلقات لازماً فنا ہو جائیں گے۔ حسب سابق یہاں بھی حالت جب بہتر ہوئی تو اس کی تحریک سے جو پابندیاں باقی رہ گئی تھیں ان کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی گئی اور یہ کشمکش ابھی تک جاری ہے اس کا انجام چاہے جو کچھ بھی ہو۔ صنعتی انقلاب نے مزدوروں کو، مالکوں کے مقابلے میں، (کم سے کم نام کے لیے) معاشی آزادی دی تھی لیکن اب ندبرستی کے نئے دور استبداد کے خلاف محاذ جنگ قایم کر دیا گیا ہے۔

اخلاقی ترقی کا عکس، امداد باہمی اور پس اندازی کی صورت میں نظر آنے لگا۔ پس اندازی میں خاص ترقی اس وقت ہوئی جب ۱۸۶۱ء میں سیونگس بنک قایم کیے گئے۔ امدادی انجمنوں[1] اور مزدوروں کی انجمنوں کے ایک شعبے کے مقاصد یکساں تھے۔ ان اصلاحات اور امداد باہمی کی وجہ سے (جس کی اہمیت انگلستان میں دولت کی پیدایش کے کام میں اتنی نہیں ہے جتنی دولت کی تقسیم کے کام میں ہے) مزدور پیشہ طبقوں کو اپنی اجرت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے اور موثر ترین طریقے پر خرچ کرنے کا موقع میسر آگیا ہے اور سرمایۂ محفوظ کی موجودگی کی وجہ سے انھیں نہ صرف اُدھار فروخت کرنے والے خردہ فروشوں کی گراں قیمتوں سے نجات مل گئی بلکہ اس کے ذریعے سے مصیبت کے ایام کو بھی آبرو کے ساتھ گزار سکتے تھے۔

[1] Friendly Societies

دوسری کارآمد علامت یہ تھی کہ مزدور اب ان صنعتوں کی طرف مائل ہیں جہاں اجرتیں اچھی ملتی تھیں اور یہ صنعتیں عام طور پر وہ تھیں جہاں مہارت کی زیادہ ضرورت ہوتی تھی۔ اس کے معنی مجموعی طور پر یہ تھے کہ ان کے کام کے حالات بھی بہتر ہو جاتے ہیں کیونکہ مالکان صنعت نے پیدائش کی ان شاخوں میں جہاں کام یکساں قسم کا ہوتا ہے اور جسے مشین کر سکتی ہے آدمیوں کے بدلے مشین ہی سے کام لینا شروع کر دیا۔

ترقی کی سب سے زیادہ صاف نشانی غالباً یہ ہے کہ کاریگروں کے طبقے کو آہستہ آہستہ وہ آسائشیں میسر آگئیں جو عہد وسطیٰ کے اعلیٰ ترین طبقوں کو بھی نصیب نہیں تھیں حالانکہ اس زمانے میں دولت کے خرچ کرنے کا خاص طریقہ نمود و نمائش کو ہی سمجھا جاتا تھا۔ عہد وسطیٰ کے نادر گرم مسالوں اور دوسری بہت سی بیش قیمت تعیشات پر ہر کس و ناکس کو دسترس حاصل ہو گیا۔ دوسری طرف آرام و آسائش کے بہت سے ایسے سامان جن کا پہلے کسی کو علم بھی نہیں تھا اب عام طور پر استعمال کیے جانے لگے۔ ایک کاریگر کا نہ صرف مکان گزشتہ زمانے کے ایک بادشاہ کے محل کے مقابلے میں زیادہ آرام رساں بن گیا بلکہ قومی دولت کے بہت سے ذرائع مثلاً ریل، سستی ڈاک (رولینڈ ہل نے ایک پنس کا ٹکٹ لگا کر، انگلستان کے اندر جہاں چاہو خط بھیجو کے انتظام کو ۱۸۴۰ء میں رائج کر دیا تھا) اور پارکوں کو سب طبقوں کے لوگ ان قیمتوں پر استعمال کر سکتے تھے جو ان مصارف کے مقابلے میں جو اسی قسم کے فوائد حاصل کرنے کے لیے پرانے زمانے میں کرنا پڑتے تھے بالکل بے حقیقت معلوم ہوتے ہیں۔

بد قسمتی سے اس ترقی کا ایک خراب پہلو بھی تھا یعنی دولتمند طبقوں میں جذبۂ نمود و نمائش لیکن اس کا اثر مزدوروں پر بہت کم پڑا، اگرچہ فضول خرچی ان میں بھی عام تھی۔ لباس کے لیے سستے کپڑوں کی وجہ سے فیشن میں تبدیلیاں تیزی کے ساتھ ہونے لگیں جن سے آخر میں سب ہی طبقے متاثر ہوئے دوسری طرف صناع بھی طلب کی ان تبدیلیوں سے فائدہ اٹھانے میں پیچھے نہ رہے اس کے

علاوہ سفر بھی تعطیلوں اور تفریحوں کے ساتھ ساتھ عام طور پر بہت مقبول ہو گیا اور اس کا برا پہلو یہ تھا کہ لوگوں میں جم کر کام کرنے کی طرف سے بیزاری اور روز افزوں بے چینی اور بے قراری پیدا ہو گئی۔ لیکن ان چیزوں کو ایک حقیقی ترقی کا ناگزیر لوازمہ قرار دیا جا سکتا ہے[1]۔

۱۶۔ مصنوعات کی ارزانی۔ اگر صنعتی انقلاب کے کسی ایک بلاواسطہ اثر کو سب سے زیادہ اہم مانا جا سکتا ہے تو وہ یہ تھا کہ بیشتر صنعتی اشیا بہت ارزاں ہو گئی تھیں۔ بقیہ جتنے اثرات تھے ان میں سے اکثر اسی کے نتیجے کے طور پر رونما ہوئے یعنی ٹھیک اس وقت جب کہ غلّے کے قوانین کی منسوخی کی وجہ سے گھر کے اخراجات میں گیہوں کی قیمت سب سے اہم عنصر نہیں رہی تھی مصنوعات ارزاں ہو رہی تھیں اگرچہ اس ترقی کو اس وقت جب کہ صنعتی اشیا ادنیٰ درجے کی ہوتی تھیں، یقینی طور پر محض نمائشی ہی کہا جا سکتا تھا۔ صنعت کی حالت اتنی درست ہو گئی تھی کہ کام کے روزانہ گھنٹوں کو کم کرنے کی وجہ سے جو نقصان ہوا اس کو اس نے آسانی سے جھیل لیا۔

جو چیزیں گھر پر تیار کی جاتی تھیں اگر وہ کسی اضافہ پذیر طلب کو پورا کرتی تھیں اور ان کی رسد قانون تقلیل حاصل کی پابند ہوتی تھی تو ان کی قیمت بڑھنے لگتی تھی۔ چنانچہ گوشت اور دودھ مکھن کی قیمت پر خصوصاً شہروں کے نزدیک اسی قسم کا اثر پڑا۔ کرایے بھی بڑھنے لگے لیکن ان کے اضافے کے ایک حصے کو دراصل صفائی کے بہتر انتظام اور حکومت کے دوسرے کاموں کی قیمت سمجھنا چاہیئے۔ شہر میں نقل و حمل کے تیز رفتار انتظامات کا جب رواج ہوا تو شہر میں کرایوں میں کمی ہونے لگی۔ ان نفع رساں اثرات کا خلاصہ اس بات کی طرف متوجہ کر کے کیا جا سکتا ہے کہ سنہ ۱۸۵۰ء اور سنہ ۱۹۰۰ء کے درمیان اجرت بصورت زر میں پچاس فی صدی اضافہ ہو گیا۔

۱۷۔ نئی صدی: بے روزگاری۔ نئی صدی جب شروع ہوئی تو بعض اعتبار سے

[1] اس موضوع پر ٹائن بی کے لکچر اب بھی مفید سمجھے جا سکتے ہیں۔

پچھلی ترقی کی رفتار معکوس ہو گئی اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ قیمتوں میں جو بہت زیادہ اضافہ ہو چکا تھا، اس کی تلافی، اجرتوں میں متناسب اضافہ کر کے نہیں کی گئی۔ تجارت میں جنگ سے پہلے بھی خاصی خوش حالی پائی جاتی تھی اگرچہ زراعت کی حالت پست تھی۔ لیکن مزدوروں کو اس ترقی کے حصے میں پوری طرح شریک نہیں کیا گیا اور بے روزگاری کا خاتمہ نہیں ہوا۔ قیمتوں میں اس اضافے کا کچھ حصہ ترقی یافتہ حالات کا نتیجہ تھا لیکن کچھ حصہ زر رائج کی افراط کی وجہ سے بھی پیدا ہوا تھا۔ (ملاحظہ ہو قیمتوں کا باب)۔

جب تجارت میں انحطاط ہوتا ہے تو بے روزگاری کا مسئلہ معاشرت کا اہم مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس کے اسباب کے بارے میں ہمیں اب کچھ واقفیت ہو گئی ہے۔ پچھلے زمانوں میں بے روزگاری کے مسئلے کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں تھی کیونکہ تجارت میں زیادہ ثبات و پائداری پائی جاتی تھی اور مزدوروں کے لیے زمین سے فائدہ اٹھانے کا امکان ہمیشہ موجود رہتا تھا۔ بے روزگاری کا پہلا سبب تو سرمایہ دارانہ صنعت میں اتار چڑھاؤ ہے جس کا پیدا ہونا اس حالت میں لازمی ہے جب کہ چیزیں فرمایش پر تیار نہیں کی جاتیں بلکہ اس متوقع طلب کو پورا کرنے کے لیے تیار کی جاتی ہیں جو ہو سکتا ہے کہ موجود نہ ہو۔ پھر ایک خاص صنعت و تجارت سے باہر بھی کچھ تبدیلیاں رونما ہو سکتی ہیں اور طلب پر اثر ڈال سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ سب صنعتوں میں ایک ساتھ اتار چڑھاؤ کا میلان بھی پایا جاتا ہے۔ یہ اتار چڑھاؤ کچھ تو مادی ہوتا ہے جس کا دارو مدار حقیقی طلب پر ہوتا ہے اور کچھ نفسیاتی جس کا دارو مدار صناع کی ذہنی حالت پر ہوتا ہے۔ ہر دو صورت میں جب کبھی کساد بازاری آئے گی تو مزدوروں کو نقصان پہنچے گا۔

دوسرا سبب، مزدوروں کی ایک محفوظ تعداد[1] کا وجود ہے۔ اس کی ضرورت تجارت کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر مالک کے پاس گرم بازاری

[1] Reserve of Labour

کے زمانے میں مزدوروں کی ایک خاص تعداد موجود ہو تو جب تجارت کم ہوگی تو اس میں سے کچھ کو برطرف کرنا ہی پڑے گا، اور یہ لوگ کسی دوسری صنعت وتجارت میں نہیں لگ سکیں گے کیونکہ وہ بھی غالباً کساد بازاری کا شکار ہونگی کچھ نہ کچھ محفوظ تعداد تو سرمایہ داری نظام میں ہونا لازمی ہے۔ لیکن حالات نے اس تعداد کو جتنا ہونا چاہیئے تھا اس سے زیادہ کر دیا۔ زمین سے بے تعلق ہو جانے کی وجہ سے اس مزدور کے لیے جو گاہ بگاہ فیکٹری میں کام کرتا تھا آمدنی کا ایک امکانی ذریعہ مفقود ہو گیا۔ اس کے علاوہ، سکونت پذیری اور کار آموزی کے قوانین کی منسوخی کی وجہ سے، سنہ ۱۸۱۴ء کے بعد سے، مزدوروں سے چھوٹی مدت کے واسطے کام کرنے کے معاہدے کیے جانے لگے۔ فرض کیجیے مزدوروں کی ایک کمترین تعداد ایسی ہے جو مستقل طور پر روزگار سے لگی رہتی ہے تو اس سے جو زیادہ تعداد، کاروبار کے ہماہمی کے زمانے میں درکار ہوگی، اس کو مزدوروں کی محفوظ تعداد قرار دیا جائے گا۔ لیکن جب چھوٹی مدت کے لیے ملازم رکھنے کے معاہدے مزدور سے کیے جائیں گے تو سالوں کی ایک خاص مدت کے دوران میں جن آدمیوں کو ملازم رکھا جائے گا ان کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔ چنانچہ اس کی وجہ سے مزدوروں کی محفوظ تعداد بھی زیادہ ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ، صنعتی انقلاب کے بعد ذاتی تعلقات کا رشتہ ٹوٹ گیا تھا۔ اتفاقی طور پر جو آدمی بھی مل جاتا تھا اسے کام پر لگا دیا جاتا تھا۔ مالک کے پاس اب کام کرنے والے لوگوں کی کوئی ایسی مقررہ کمترین جمعیت نہیں تھی جن سے وہ ذاتی طور پر واقف ہوتا تھا۔ بلکہ طویل مدت کے دوران میں جو لوگ واقعتہً اس کے یہاں ملازمت کر چکے تھے ان کی تعداد بڑھ گئی تھی کیونکہ اب آجر کسی ایک کام کرنے والے کے مقابلے میں دوسرے کو ترجیح نہیں دیتا تھا بلکہ مختلف اوقات میں مختلف آدمیوں کو بھرتی کرتا رہتا تھا۔

سرمایہ داری کے پیدا کردہ حالات میں یہ محفوظ تعداد ہمیشہ سے موجود رہی ہے۔ اسی طرح اتار چڑھاؤ بھی پیدا ہوتے رہے ہیں۔ سنہ ۱۸۶۶ء تک، مالی بحران ہر دسویں گیارھویں سال باقاعدگی کے ساتھ واقع ہوتے رہے اور انکے ساتھ ساتھ صنعتی اتار چڑھاؤ بھی رونما ہوتے رہے۔ اس کے بعد کساد بازاری اگرچہ اتنی سخت

تو نہیں رہی لیکن زیادہ جلد جلد واقع ہونے لگی۔ صنعتی گرم بازاری جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی یقینی طور پر، اس کے بعد، کساد بازاری رونما ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح آجر کو غیر معمولی منافع ملتے ہیں اسی طرح کساد بازاری کی سختیوں کو بھی اسے اچھی طرح جھیلنا پڑتا ہے۔ لیکن مزدوروں کے محفوظ دستے کو جلد یا بہ دیر نقصان ہی اٹھانا پڑتا ہے۔

۱۸۔ معاشی نظریے۔

(۱) فطراٹینین:- ایک دور کے معاشی خیالات اور نظریے[1] عام طور پر اسی دور کے حالات کا نتیجہ ہوتے ہیں یا ان سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اٹھارھویں صدی کے فرانسیسی فطراٹینین جن کی رہنمائی مٹرگو اور کوئنے نے کی، معاشیین، کی پہلی وہ جماعت ہیں جنھیں اہم سمجھا جاسکتا ہے۔ ان کے زمانے میں فرانس کے مزدور ظلم اور محاصل کے بوجھ سے پسے جارہے تھے اور زمین کی پیداوار، امرا کے ایک نکمے طبقے کو دولتمند بنا رہی تھی۔ اس لیے فطراٹینیوں نے یہ فرض کیا کہ صرف زمین ہی دولت پیدا کرتی ہے۔ تاجر اور دستکار دولت پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ دولت کی صرف شکل بدلتے ہیں اور درباری لوگ تو قطعی طور پر دولت کو ضایع کرتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی فرض کیا کہ اجرتیں اس نقطے کی طرف مایل رہتی ہیں، جس پر زراعتی مزدور اپنے آپ کو بس زندہ اور اپنی نسل کو قائم رکھ سکتا ہے۔

(۲) آدم اسمتھ:- (۱۷۲۳ء تا ۱۷۹۰ء) انگریزی علم المعیشت کا بانی تھا اور بہت سی باتوں کے لحاظ سے فطراٹینیوں کا شاگرد تھا۔ وہ چونکہ اس ملک میں رہتا تھا جہاں تجارت و صنعت کو فرانس کے مقابلے میں زیادہ اہمیت حاصل تھی اور جہاں کے ادنیٰ طبقے خاصے خوش حال تھے اس لئے اس نے تمام مزدوروں کو ایک واحد زمرے میں شامل نہیں کیا بلکہ کاریگروں اور مزدوروں کے مختلف طبقوں میں جو اختلافات پائے جاتے تھے ان کا تجزیہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ برطانیہ

[1] باب اول میں معاشیین کے فلسفیانہ نقطۂ نظر کا صرف ایک عام خاکا کھینچا گیا تھا۔ ذیل کی فصلوں میں زیادہ مخصوص تفصیلات پیش کی جائیں گی۔

تبدیلی کے دور سے گزر رہا ہے اور اس نے معاشی آزادی کی تبلیغ میں نظر آئینیوں کی پیروی کی۔ وہ سکونت پذیری کے قوانین کا جو مزدوروں کو اپنے کلیسائی حلقے کے اندر یا بندر رکھتے تھے اور تجارت کے تمام دوسرے موانعات کا مخالف تھا البتہ اس نے جہاز رانی کے قوانین کو اپنی اس مخالفت سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔

اس کا عقیدہ تھا کہ لوگ اپنے مفاد کا فیصلہ خود ہی بہترین طریقے پر کر سکتے ہیں اور اگر معاشی آزادی کو ایک قاعدۂ کلیہ بنا دیا جائے تو ملک مجموعی طور پر خوش حال ہو جائے گا۔ اگرچہ اس کے خیالات اپنے بہت سے ہم عصروں سے بہت آگے تھے لیکن پھر بھی اس کے اندر دوسرے مفکرین مثلاً ہیوم کے خیالات کا عکس نظر آتا ہے اور اس کے خیالات وہ تھے جن کی طرف کل قوم آہستہ آہستہ مائل ہوتی جا رہی تھی۔ گو اس کی زندگی کا زمانہ صنعتی انقلاب سے پہلے ختم ہو گیا لیکن اس کی تصنیف کو تیاری کے دور کا ماحصل سمجھنا چاہیے۔ جب اس کے خیالات کل قوم میں پھیل گئے تو ان علمی اور نظری معاشیات پر بہت زبردست اثر پڑا۔

تقسیم عمل کے طریقۂ کار کی جس پر موجودہ نظام صنعت مبنی ہے جس طرح اس نے تشریح کی تھی وہ بہت مشہور و معروف ہے اور اس سے آئندہ ہونے والی ترقیوں کی پیشین گوئی ہوتی تھی فطرآئینیوں کے خیالات میں اس نے یہ بات ثابت کر کے اصلاح و ترقی کی کہ اگر سرمایہ آبادی کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے بڑھے تو اجرتیں بھی کم از کم ایک مدت کے لیے بڑھ سکتی ہیں۔

(۲) مالتھس:- آدم اسمتھ کی پیروی ابتدا میں معاشیین کے ایک قنوطی گروہ نے کی جس کے نظریوں کی بنا مزدور پیشہ طبقوں کی نکبت و فلاکت تھی۔ مالتھس کو (۱۷۶۶ء تا ۱۸۳۴ء) شہرت اپنے اس مضمون کی وجہ سے حاصل ہوئی جو اس نے آبادی کے اصول پر لکھا تھا۔ قانون تقلیل حاصل اس کا اصول موضوعہ تھا۔ پچھلے قرن میں بہت سی مثالی[1] تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ مالتھس نے ان کے جواب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اگر ایک اشتراکی معاشرے

[1] Utopian

کو کامیابی کے ساتھ شروع بھی کر دیا جائے گا تو بھی آبادی کے اس اضافے کی وجہ سے جو حالات کی بہتری کے بعد رونما ہوگا، حالات دوبارہ خراب ہو جائیں گے۔ چنانچہ صنعتی انقلاب کی وجہ سے بہت فلاکت پیدا ہوئی کیونکہ آبادی بڑھ گئی تھی۔ ایک بڑی آبادی کے لیے زیادہ غذا کی ضرورت ہوتی ہے جس کو صرف خراب تر زمینوں کو کاشت میں لاکر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ اس لیے اس نے یہ فرض کیا کہ بہتر حالات کی وجہ سے آبادی اضافے کی طرف مایل ہو جاتی ہے یہاں تک کہ لازمی خورد و نوش کی پرانی حد تک دوبارہ پہنچ جاتی ہے۔ اپنی اس دلیل کی تائید میں اس نے تاریخی شواہد کو پیش کیا۔ اُس سے معلوم ہوا کہ آبادی کے اضافے کو دو ہی چیزیں روکتی ہیں یعنی عیوب اور فلاکت اور اس کے زمانے میں یہ موانع اپنے بُرے اثرات کے ساتھ، واقعی کارفرما تھے۔

بعد میں اس نے ایک نئی رکاوٹ کو بھی دریافت کیا جو اختیاری تھا وہ اس بات کا قائل تھا کہ شادی میں تاخیر کرنے سے بھی آبادی کو قائم حالت پر رکھا جا سکتا ہے اور بہتر حالات کو مستقل بنایا جا سکتا ہے۔ مثالی معاشرت[1] کی اسکیموں پر جو اعتراض کیا گیا تھا وہ ظاہر ہے اس سے رفع ہو گیا۔ دوسری طرف امید کی ایک کرن بھی نظر آنے لگی اور مالتھس کے نتایج نے زیادہ مکمل صورت اختیار کر لی۔

مالتھس نے دو بڑی غلطیاں کیں۔ ایک تو اس نے یہ نہیں سمجھا کہ آبادی کے بڑھنے کے ساتھ، دولت کے پیدا کرنے کی قوت میں بھی اضافہ ہوتا ہے اُسے غیر معمولی لاات کی وجہ سے دھوکا ہو گیا۔ بہت سے ملک ایسے ہیں جو ایک بڑی زراعتی آبادی کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں مثلاً چین۔ پھر وہ ان بڑی ترقیوں کے بارے میں بھی پیش بینی سے کام نہیں لے سکا جو نقل و حمل اور نئے ملکوں کے وسائل کے دروازے کھلنے اور زراعت کے نئے طریقوں کے دریافت ہو جانے کی وجہ سے رونما ہونے والی تھیں اور جنھوں نے مجموعی طور پر غذا کو سستا کر دیا۔ اس نے ایک بڑی آبادی کی اس زاید قوت پیدا آوری کا اندازہ بھی پوری طرح

---

[1] Utopian

نہیں کیا جو باہمی امداد تنظیم اور تقسیم عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ جب حالات بہتر ہوئے تو آگر یہ اشیائے خوراک کی حد پیچھے رہ گئی اور اس کے نظریے کا اطلاق کم از کم ملتوی ہو گیا۔

(۴) ریکارڈو:۔ (۱۷۷۲ء تا ۱۸۲۳ء)۔ ریکارڈو نے بھی اسمتھ کی پیروی کی۔ مالتھس کا اس پر اثر پڑا اور اس نے بھی اسی مایوسی کے دور میں زندگی بسر کی جس میں مالتھس نے کی تھی۔ جنگ عظیم کے دوران میں اس نے ادنیٰ قسم کی زمینوں کو زیر کاشت آتے اور لگانوں کو بڑھتے ہوئے دیکھا لگان کے ایک قانون کا نام اسی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ جن ادنیٰ ترین زمینوں کو کاشت میں لایا جاتا تھا ان کو بھی اپنا خرچ نکالنا ہی پڑتا تھا اس لیے قیمتوں میں اضافہ ہو گیا اس کی وجہ سے بہتر زمینوں کی کاشت زیادہ نفع بخش ہو گئی اور ان کے لیے زیادہ لگان ادا کرنا ممکن ہو گیا۔ معاشی لگان اس فرق کا نام ہے جو زیر بحث زمین کی قوت پیدا آوری اور خراب ترین زیر کاشت زمین کی قوت پیدا آوری میں پایا جاتا ہے[1]۔

ریکارڈو نے اجرت کے معاملے میں اسمتھ کی پیروی کی۔ لیکن مالتھس نے اس کے اندر جو اصلاح بعد میں کی تھی، اسے اس نے یہ کہہ کر قبول کر لیا کہ کمترین خورد و نوش کا مدار لوگوں کے رسم و رواج اور عادات پر ہوتا ہے جس کی بنا پر جب مزدور اپنے زندگی کے معیار کو بلند کر لیتے ہیں تو ان کو زیادہ معاوضہ ملنے لگتا ہے۔ اس نے بتایا کہ قدر کا رجحان یہ ہے کہ وہ مصارف پیدائش کی تابع رہتی ہے یعنی چند شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے یوں کہیے کہ جس قدر محنت صرف کی جائے اسی کے تابع رہتی ہے۔

ریکارڈو ایک یہودی تھا جس کا ذہن مالیات کے لیے قدرتی طور پر بہت موزوں تھا۔ چنانچہ اس نے زر اور بین الاقوامی تجارت کے نظریوں کی بنیاد رکھی۔

(۵) معاشیین کا اثر:۔ انفرادیت کی ترقی پر، معاشیین کا جو اثر پڑا

[1] جب کہ دونوں کی کاشت میں سرمایہ اور محنت کی مساوی مقدار کو استعمال کیا جائے۔

باب اول کے عام جائزے میں اس کو شامل کیا جا چکا ہے۔ لیکن یہاں اس کی طرف دوبارہ اشارہ کرنا ضروری ہے کیونکہ انیسویں صدی کے نصف اول میں' اسنادی معاشیئین کا اثر مزدوروں کے لیے بہت نامبارک ثابت ہوا۔ ریکارڈو اور مالتھس براہ راست یا اثر لوگ تھے۔ انھیں آدم اسمتھ سے ایک ایسا فلسفہ ترکے میں ملا تھا جس کے دو خاص اصول تھے۔ ایک تو انفرادی آزادی کی اعلیٰ قدر پر اعتقاد اور دوسرے اس بات کا یقین کہ فرد جب اپنے مفاد کے لیے کام کرتا ہے تو اس سے جماعت کے مفاد کو بھی ترقی ہوتی ہے۔ ان اصولوں میں ایک تیسرے اصول کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے جو صرف اسمتھ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا یعنی ناقابل تبدیل قانون پر عقیدہ۔

انفرادی آزادی پر اعتقاد رکھنے کی وجہ ہی سے' مملکت نے اشتراک کے قوانین وضع کیے جن کے ذریعے ایسی انجمنیں بنانا ممنوع قرار دیا گیا جن سے تجارت میں مداخلت ہوتی ہو۔ اسی طرح الزبتھ کے مزدوروں کے قوانین کو منسوخ کیا گیا ان طریقوں سے مملکت نے مزدور کو مقابلے کی اندھی قوتوں کے حوالے کر دیا۔ انیسویں صدی کے بیشتر حصے میں' مملکت کا جو خالص منفیانہ رویہ' مزدوروں اور صنعتی مسائل کی طرف رہا (جس سے صرف ایک فیکٹری کے قوانین کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے) وہ ریکارڈو اور مالتھس کی علم المعیشت کے اس غلبے کا نتیجہ تھا جو اُس زمانے کے پبلک رہنماؤں کے دماغ پر اس وقت بھی باقی رہا جب اس کے بہت سے اصول تجربے کی کسوٹی پر پورے نہ اترے۔

ناقابل تبدیل اصول اور ناگزیر معاشی قانون پر اعتقاد' مزدوروں کے نقطۂ نگاہ سے' اس سے بھی زیادہ اہم چیز تھی۔ اس کے ذریعے سے' موجودہ نظام کو علم کی طرف سے فتویٰ جواز مل گیا۔ ریکارڈو کی تعلیم یہ تھی کہ اجرتوں کا تعین انسان نہیں کرتے بلکہ وہ قدرتی اسباب کرتے ہیں جو انسان کے قابو سے باہر ہیں۔ مالتھس نے یہ تبلیغ کی کہ اگر آبادی کو انسانی ارادے کے ذریعے سے روکا نہ جائے تو اس کے اندر یہ قدرتی اور ناگزیر رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ دوڑ کر ذرائع خوراک سے آگے نکل جاتی ہے۔ ریکارڈو نے اس کے اندر یہ اضافہ کیا کہ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ

ادنیٰ سے ادنیٰ تر زمینوں کو زبردستی کاشت میں شامل کیا جاتا ہے اور اس وجہ سے از خود زمیندار کا حصہ، اجرت اور منافع کے مقابلے میں زیادہ ہو جاتا ہے۔

تمام کلاسیکی معاشیین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ غربت و افلاس کا علاج نہ تو خیرات کے سرکاری انتظامات ہو سکتے ہیں اور نہ قدرت کے مفید قوانین کے عملدرآمد میں مملکت کی طرف سے کوئی رخنہ اندازی کرنا سود مند ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ آبادی کے شرح اضافہ میں اختیاری طور پر کمی پیدا کی جائے۔ غرض غریبوں کو خود، اپنی حالت کا ذمہ دار قرار دے دیا گیا۔ علم کی اس شہادت نے کہ معاشری خرابیاں ناگزیر ہیں اور ان کا علاج، مملکت کے اختیار میں نہیں ہے، عوام کے ضمیر کو مطمئن کر دیا۔

ہمیں یہاں اس بات سے سروکار نہیں ہے کہ رکارڈو اور مالتھس کے قوانین، صرف مخصوص حالات (یعنی غیر پابند مقابلے کی صورت) میں ناقابل تبدیل قرار دیے گئے تھے نیز یہ کہ ان کے بہت سے نظریوں کی صداقت، ان کے زمانے کے مخصوص حالات کے ساتھ ایک اضافی نسبت رکھتی تھی۔ ہمارے لیے جو بات سب سے اہم ہے، وہ یہ کہ ان کے وضع کردہ اصولوں کو رائے عامہ کے ذمہ دار رہنما صحیح مانتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس صدی کے بیشتر حصے میں معاشیات کا اخلاقیات سے اور دولت کا فلاح و بہبود سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔

(۶) مخالفوں کی جماعت:۔ لیکن مزدور پیشہ طبقے نے اپنی تباہ حالی کے اس معاشی جواز کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بغاوت نے مختلف شکلیں اختیار کیں۔ انتہا پسندی، اشتراکیت، مزدور سبھا تحریک اور منشوریت۔ ان تحریکوں کو جدا کرنا مشکل ہے کیونکہ یہ ایک دوسرے سے بالکل آزاد نہیں تھیں مختلف جماعتوں کے رہنماؤں کے درمیان شدید اختلاف رائے پایا جاتا تھا لیکن ہر خیال کے اعتدال پسندوں میں بہت سی مشترک باتیں تھیں مزدوروں کی انجمن کی اصل تحریک سے آئندہ ایک جداگانہ باب میں بحث کی جائے گی لیکن ایسا صرف سہولت کے خیال سے کیا جائے گا۔

۱۹- افراطیت انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں، افراطیت کا کوئی مقررہ مسلک نہیں تھا۔ افراطیوں کی کئی جماعتیں، متوازی اور ایک حد تک آزاد راہ پر کام کر رہی تھیں۔ ایک طرف وہ فلسفی تھے جن کا رہنما بنتھم تھا۔ دوسری طرف پارلیمنٹ کی وہ جماعت تھی جس کا سر فرانسس برڈٹ مخصوص نمائندہ تھا اور آخر میں ٹام پین سے لے کر کابٹ اور رہنٹ تک۔ سب طرح کے بازاری لیڈر اور شورش پسند رہنما تھے۔ ایک لحاظ سے ان مختلف گروہوں کے منفرد اراکین میں، بہت کم مشترک باتیں پائی جاتی تھیں مثلاً پین ان قدرتی حقوق کا ماننے والا تھا جن کے نام کو سن کر بنتھم کے پیرو مشتعل ہو جاتے تھے۔ کابٹ، صنعتی انقلاب کی ناکام مخالفت میں لگا ہوا تھا جسے بقیہ تمام افراطیوں نے قبول کر لیا تھا۔ اور وہ اصل میں ایک زرعی مصلح تھا۔ بنتھم کے وہ پیرو جن کا تعلق متوسط طبقے سے تھا۔ اشتراکی خیالوں کے ایسے ہی سرگرم مخالف تھے جیسے کہ کاروباری طبقے کے لوگ تھے اور فرانسس پلیس تک نے رکارڈو کی معاشیات کو قبول کر لیا تھا لیکن ایک بات ضرور ایسی تھی جس پر ہر خیال کے لوگ متحد تھے اور وہ پارلیمنٹ کی اصلاح اور حق رائے دہی کی توسیع کا مسئلہ تھا۔

جزئیات سے قطع نظر، معاشری مسئلے کا جو حل افراطیوں نے پیش کیا تھا وہ یہ تھا کہ سیاسی اقتدار کو وسیع کیا جائے۔ کابٹ نے اس بات کی خاص طور پر تبلیغ کی کہ پارلیمنٹ کی اصلاح، معاشی اصلاح کی اولین شرط ہے اور افراطیوں کی کل جماعت میں وہی شخص ایسا تھا جس کا اثر انیسویں صدی کی ابتدا میں، مزدوروں کے طبقوں میں سب سے زیادہ تھا۔

کابٹ کا خاص طور پر ذکر کرنا اس لیے بھی مناسب ہے کہ وہ اپنے وقت کا بہت بڑا صحافت داں تھا۔ سولے نے اس کا شمار ان جادو بیان مقرروں میں کیا ہے جو عیسائیت کی تبلیغ کا کام کیا کرتے تھے۔ اس کا اخبار پولیٹیکل رجسٹر جسے ۱۸۱۶ئہ کے بعد محصول ڈاک سے بچنے کے لیے ایک خاص شکل میں نکالا جاتا تھا اور اس وقت دو پنس میں فروخت ہوتا تھا جس کی بنا پر اس کا مزاحیہ نام "دوانی کی ردّی" رکھ دیا گیا تھا، ہر مزدور کے گھر میں پہنچتا تھا۔ کابٹ نے نہ صرف

معاشیین کے خیالات کی علانیہ مذمت کی بلکہ ملک کے مالی نظام میں ایک مکمل تبدیلی کا مطالبہ کیا۔ قرضۂ عامہ، ذخیرۂ ادائی کا نظام، زر کاغذی، بنک آف انگلینڈ، غیر ملکی مصارف میں، سرمایے کی مصروفیت، قرضہ فروشوں اور تمسکات کے دلالوں کے منافع ۔ غرض، ان سب پر، اس کے عقیدے کے مطابق غریبوں کے مصائب کی ذمہ داری عاید کی جاسکتی تھی۔ وہ چھوٹے زمینداروں اور کسانوں کا بڑا حامی تھا اور زمینداروں کے طبقۂ امرا کا خاص طور پر مخالف تھا۔ اس کی زندگی کے آخری سال، محتاجوں کے نئے قانون کی مخالفت کو تنظیم دینے میں صرف ہوئے جس کے ذریعے اس کا عقیدہ تھا کہ مزدوروں کو ان کے پرانے حقوق زمین سے محروم کردیا گیا ہے۔

۲۰۔ اشتراکیت

(۱) ابتدائی اشتراکیت :- واٹرلو کی امن کے بعد جو فلاکت پھیلی، اس نے انگلستان کی اشتراکیت کو پیدا کیا۔ فلسفیانہ لحاظ سے، اسے رکارڈو کی معاشیات کا ردِ عمل کہا جاسکتا ہے۔ اشتراکیوں کے پہلے فرقہ اسپنسانیوں کا تھا جو ابرڈین کے ایک باشندے ٹامس اسپنس نامی شخص کے پیرو تھے۔ اسپنس ایک زرعی اشتمالی تھا۔ وہ اس بات کی تبلیغ کرتا تھا کہ زمین کو جماعت کی ملکیت بنادیا جائے اور اس کا انتظام کلیسائی حلقے کے سپرد کردیا جائے جو اسے کسانوں کو لگان پر اٹھایا کرے۔ یہی لگان صرف ایک واحد محصول ہو اور معاشرے کی تنظیم، جمہوری دیہی پنچایتوں کے وفاق کی صورت میں کی جائے۔ اسپنس کے خیالات کا کبھی کوئی حقیقی اثر نہیں ہوا۔ لیکن اس کے پیروؤں نے لندن کے نامہ نگاروں کی انجمن کی معرفت، مزدور طبقے کے افراطیوں سے تعلقات قائم کرلیے اور ۱۸۱۹ء کی کیٹو سٹرک کی سازش میں یہ بھی ملوث سمجھے گئے۔

اس سے زیادہ اہم گروہ وہ تھا جو رکارڈو پرست اشتراکیین کہلاتے ہیں یعنی چارلس ہال، ولیم ٹامپسن، جان گرے اور فرانسس برلے۔ انسانی خیال کی تاریخ میں کوئی بات اتنی عجیب نہیں ہے جتنی یہ کہ اشتراکیت ان خیالات سے پیدا ہوئی جن کو جب ابتداءً ظاہر کیا گیا تھا تو ان کے اندر اس مسلک کے ساتھ

اشتراک کا کوئی پہلو نہیں نکلتا تھا۔ مانٹسکو نے جب سنہ ۱۷۴۸ء میں اس بات کا اعلان کیا کہ ملکیت[1] اجتماعی زندگی کا صرف ایک ایسا معاہدہ ہے جو کبھی باقاعدہ طور پر تو نہیں کیا گیا لیکن جسے افراد جماعت کی رضا یا سکوت حاصل ہے، تو اس نے ملکیت کے آلہی حق پر پہلی ضرب لگائی۔ بنتھم نے جب زیادہ سے زیادہ تعداد کے لیے زیادہ سے زیادہ مسرت کے اصول کو شایع کیا تو اس نے غیر شعوری طور پر دولت کی عدم مساوات کو بھی دعوت مقابلہ دے دی لاک، اسمتھ اور رکارڈو نے جب اشیا کی قدر کو، محنت کی اس مقدار سے ناپنا شروع کیا جو ان کے تیار کرنے میں لگتی ہے تو انھوں نے اشتراکیت کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔

سنہ ۱۸۲۰ء اور سنہ ۱۸۳۰ء کے درمیان، رکارڈو کے ہم خیال اشتراکیین نے معاشی نظریے کی دکھتی رگ کو پکڑ لیا اور سرمایہ داری کے خلاف اسے حربے کے طور پر استعمال کرنا شروع کردیا۔ ان کے ہاتھوں میں پہنچ کر، محنت جو تمام قدر کا منبع ہے، اجرت پانے والے کی محنت پیدا وار بن گئی اور سرمایہ دار کے سود اور منافع کے مطالبوں کو ادا کرنے سے انکار کردیا گیا۔ ان اشتراکیوں نے مارکس کو اس کا نظریۂ قدر زاید فراہم کیا لیکن یہ لوگ بعد کے اشتراکیوں سے دو معاملوں میں اختلاف رکھتے تھے۔ ان کا خاص نظریہ یعنی محنت کو اپنی پیداوار پر پورا حق ملنا چاہئے واضح طور پر انفرادیت پر مبنی تھا اور انھوں نے مملکت کی مداخلت کو اتنی ہی سختی کے ساتھ مسترد کیا جتنا کہ خود راسخ العقیدہ معاشیین نے کیا تھا۔

(۲) اوون کا مسلک:- رابرٹ اوون نے ایک اور ہی راستہ اختیار کیا۔ اس نے واضح طور پر انفرادیت سے قطع تعلق کر لیا۔ انفرادیت کی فلسفیانہ بنیاد اس عقیدے پر قائم تھی کہ معاشرہ خود مختار افراد کا ایک میکانی مجموعہ ہے جس کی شیرازہ بندی عقل یا مفاد ذاتی کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

[1] Property is Merely Acomeention of Civil Society

اووِن نے فرانس کے ابتدائی اشتراکیوں کی طرح عقل کی جگہ ہمدردی کو، معاشری رشتہ اور فرد کی جگہ جماعت کو معاشری اکائی قرار دیا۔ کابٹ کے برعکس، جو ماضی کی طرف واپس جانا چاہتا تھا، اووِن نے کارخانے کے نظام کو اگر اُسے مناسب طریقے پر تنظیم دی جائے، جماعت کے سب لوگوں کے لیے دولت کا منبع سمجھا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ صنعتی انقلاب کی خرابیاں مشین کی وجہ سے نہ تھیں بلکہ غیر محتاط مقابلہ اور لالچ کی وجہ سے جنھیں مزدوروں کے طبقے کے معیار کو پست و ذلیل کرنے کا موقع دے دیا گیا تھا اس کے نزدیک پیدائش دولت کی نئی قوتوں کو اس طرح قابو میں رکھنے اور تنظیم دینے کی ضرورت تھی کہ وہ صرف چند لوگوں کے لیے نہیں بلکہ سب کے فایدے کے لیے بہت بڑی دولت پیدا کریں۔ مزدوروں کا مقصد نئی صنعتی تحریک کو تباہ کرنا نہ ہونا چاہیے بلکہ جماعت بندی کے ذریعے اس پر قابو پانا ہونا چاہیے۔

دوسرے ابتدائی اشتراکیوں کی طرح، اووِن کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ معاشرے کی ہیئت کو رضاکارانہ امداد باہمی کے ذریعے مملکت سے آزاد رہ کر تبدیل کیا جا سکتا ہے؛ وہ اس عقیدے کا پرجوش حامی تھا کہ لوگوں کی سیرت میں اختلافات، ماحول کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ ماحول انسان کے قبضے کی چیز ہے۔ اسی بنا پر وہ مزدوروں کی تعلیم کا بہت زبردست مبلغ تھا۔ اس نے "امداد باہمی کے دیہات" قائم کرنے کی بھی تبلیغ کی جن سے اس کی مراد ایسی انجمنیں تھیں جو بارہ سو آدمیوں پر مشتمل ہوں، اور جن کے پاس بارہ سو ایکڑ زمین ہو، جو جماعتی عمارتوں کے اندر رہتی ہوں اور جب ان کے افراد زمین پر کام کرنے میں مصروف نہ ہوں تو انھی جماعتی عمارتوں کے اندر، مشین کی مدد سے مصنوعات کو تیار کریں۔ یہ اسکیم چونکہ بے روزگاری کے علاج کے طور پر پیش کی گئی تھی، اس لیے اسے متوسط طبقے کے بہت سے لوگوں کی حمایت حاصل ہو گئی یہاں تک کہ یہ محسوس کیا جانے لگا کہ اگر یہ کامیاب ہو گئی تو موجودہ نظام کو تہ و بالا کر کے رکھ دے گی۔ بدقسمتی سے اووِن نے منظم مذہب کی بھی مخالفت کرنا شروع کر دی اور اس طرح بہت سے ارکانی

حامیوں کو اپنی تحریک سے برگشتہ کر دیا۔

لیکن اوون نے مزدور پیشہ طبقے کے سامنے ایک نصب العین ضرور رکھ دیا۔ مزدوروں کی نئی نسل نے اس کے امداد باہمی کے اصول کو مزدور پیشہ طبقے کا بنیادی عقیدہ بنا لیا۔ ۱۸۳۲ء تک، امداد باہمی کی تحریک، لندن میں مستحکم بنیاد پر قائم ہو گئی۔ لیکن اس کام کو زیادہ موثر طریقے پر ۱۸۴۴ء میں راشڈیل پایونیرز نے بعد میں شروع کیا۔ راشڈیل پایونیرز' اوون کے ہم خیال اشتراکی تھے جو صنعت و زراعت دونوں کو امداد باہمی کے اصول پر چلانا چاہتے تھے۔ ان کی ابتدائی کوششیں بہت حقیر پیمانے پر شروع کی گئیں جو غذا کا سامان فراہم کرنے اور خریداری کے مطابق منافع کو تقسیم کرنے تک محدود رہیں۔ ان کی تحریک کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی اور اس صدی کے وسط تک راشڈیل کے نمونے پر ایک سو انجمنیں انگلینڈ کے شمال اور اسکاٹ لینڈ کے نشیبی علاقے میں ترقی پا گئیں۔ ۱۸۵۰ء کے بعد سے برابر' امداد باہمی کی تحریک مزدور پیشہ طبقے کی زندگی میں، تعلیمی' معاشرتی اور معاشی لحاظ سے' ایک حیات بخش قوت کی طرح کام کرتی رہی ہے۔

(۳) بعد کی اشتراکیت:۔ فرانس میں بھی' انیسویں صدی کے نصف اول میں' اشتراکیت انھی راہوں پر ترقی کرتی رہی جن پر اوونزم نے انگلستان میں ترقی کی تھی۔ فوریئے نے بھی ایک اشتراکی نظام بنایا جس میں عقل کی جگہ' ہمدردی اور محبت سے جماعت کی شیرازہ بندی کا کام لیا گیا تھا۔ اس کی مثالی انجمن' پانچ سو خاندانوں پر مشتمل تھی اور اس میں پیشوں کے درمیان تخصیص کار انفرادی ذوق کے مطابق کی گئی تھی۔ محنت کی محرک' جبر کی جگہ' حصول مسرت کی خواہش رکھی گئی تھی۔ اوون کے برخلاف اس کو صنعت کے مقابلے میں' زراعت سے زیادہ دلچسپی تھی۔ سینٹ سائمن نے بھی انفرادیت اور مقابلے کی جگہ سب کے فائدے کے لیے' امداد باہمی کو رواج دینا چاہا۔ اس نے دولت آفریں طبقوں کا مرتبہ نکمے لوگوں کے مقابلے میں بہت بلند کر دیا اور ترکے کی منسوخی اور مزدوروں کو ذرائع پیدائش دولت کا مالک قرار دینے کی

تبلیغ کی۔ لوئی بلانک اور پرودہان نے، رکارڈو کی پیروی کرنے والے اشتراکیوں کی طرح، محنت کی پیداوار کا پورا مالک مزدوروں کو قرار دینے کے لیے دلیلیں پیش کیں لیکن بلانک نے مملکتی اشتراکیت کا مطالبہ کرکے اپنے ہم عصروں سے علاحدگی اختیار کرلی۔ اس سے ایک نئے راستے کا آغاز ہوا اور اس کے بہت سے خیالات کے اہم حصوں کو بعد میں بسمارک اور لائیڈ جارج نے عملی جامہ پہنایا۔

سن۱۸۵۰ئہ اور سن۱۸۶۰ئہ کے درمیان، معاشرتی اصلاح کی تبلیغ ایک طرف ماریس اور کنگسلے نے کی جنھیں بعض اوقات عیسائی اشتراکیین کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے اور دوسری طرف جان رسکن نے کی۔ یہ لوگ پرانی یونیورسٹیوں کے رکن تھے اور اپنے زمانے کے مزدور طبقے کی نکبت و فلاکت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ ماریس اور کنگسلے نے تو اووِن کے امداد باہمی کے نصب العین کی حمایت کی اور رسکن نے حکومت کی طرف سے مزدور طبقوں کے لیے تعلیم اور رہائشی مکان مہیا کیے جانے اور غریبوں کے لیے بڑھاپے میں پنشنیں مقرر کیے جانے کی حمایت کی۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں، اشتراکیت نے کارل مارکس کے ہاتھ میں پہنچ کر ایک نئی راہ اور نئی قوت اختیار کی۔ ایک لحاظ سے مارکس نے صرف قدر کے نظریۂ محنت کو جس کے اصل مصنف رکارڈو اور رکارڈو کی پیروی کرنے والے اشتراکی تھے، پیش کیا۔ لیکن اس نے اشتراکیت کی بحث میں ایک نئے موضوع کا اضافہ تاریخ کا ایک فلسفہ پیش کرکے کیا۔ مارکس نے ہیگل کے جدلیات کو معاشیات اور صنعتی تاریخ کے مناسب حال بنا کر یہ ثابت کیا کہ اشتراکیت ناگزیر ہے اور خانگی سرمایہ داری خود اپنے اندر اپنی تباہی کے جراثیم کی پرورش کر رہی ہے انگلستان کے صنعتی انقلاب کے مخصوص حالات سے عمومی نتائج نکال کر اس نے سرمائے کے اجتماع کے بارے میں اپنا ایک کلیہ بنایا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ نئے صنعتی نظام کا منطقی طور پر یہ انجام یہ ہوگا کہ متوسط طبقہ فنا ہو جائے گا اور وسائل دولت کے مالکوں کی تعداد

چھوٹی سی رہ جائے گی جس کے مقابلے میں مزدور پیشہ لوگوں کی ایک زبردست فوج ہوگی۔ مارکس کے نزدیک تاریخ کے مسلسل چکر کو معاشی طبقوں کی کشمکش کا ایک آئینہ سمجھا جاسکتا ہے اسی بنا پر اشتمالی محضر کے ذریعے للکار کر یہ پکارا گیا تھا ”سب ملکوں کے مزدور! متحد ہو جاؤ اور تیاری کرو اس معاشری انقلاب کی جو آنے والا ہے“۔

مارکس کا اثر انگلستان کے مقابلے میں یورپ میں بہت زیادہ تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انگلستان کے مزدور پیشہ طبقے کی تحریک پر انقلابی روح کبھی بھی حاوی نہیں ہو سکی۔ ہنڈمین نے ۱۸۸۱ء میں سوشل ڈیماکریٹک فیڈریشن کی بنیاد مارکسی اصولوں پر رکھی لیکن فیبین جماعت نے جسے سڈنی ویب اور برنارڈ شا نے ۱۸۸۳ء میں قایم کیا تھا اپنی زاید ترقی کی وجہ سے اس کی اہمیت کو کمزور کر دیا۔

فیبین کے مسلک نے جو انگلستان کی اشتراکی تحریک پر گزشتہ چالیس سال سے قابض ہے، طبقہ وارانہ جنگ اور انقلاب کو مسترد کر دیا اور اپنا مطمح نظر متوسط طبقے کے خیالات کی اس تربیت کو قرار دیا جس کے ذریعے زمین اور صنعتی سرمایہ آہستہ آہستہ، انفرادی اور طبقہ وارانہ ملکیت سے آزاد ہو جائیں گے اور منفعت عامہ کے حاصل کرنے کے لیے جماعت کی ملکیت میں پہنچ جائیں گے۔ فیبین مسلک کے پیرووں کا اختلاف، مقاصد میں اتنا نہیں تھا جتنا ذرایع کے سلسلے میں تھا۔ ان کا نصب العین یہ تھا کہ تشدد آمیز انقلاب کے ذریعے نہیں بلکہ تدریجی طور پر سب چیزیں مملکت کی ملکیت میں داخل ہو جائیں۔ فیبین جماعت کے شایع کردہ رسالوں کا انگلستان کے خیالات اور لندن کی کاؤنٹی کاؤنسل کے ابتدائی کاموں پر واقعی اثر پڑا۔

۱۸۸۰ء اور ۱۸۹۰ء کے درمیان، ہنری جارج کی تصنیف ”ترقی و افلاس“ کی اشاعت کے بعد، لوگوں کی توجہ، زمین کو قومی ملکیت بنانے کی طرف بہت مایل رہی۔ اس تصنیف کی دلیل یہ تھی کہ زمین کی خانگی ملکیت دوسری قسم کی ملکیتوں سے بنیادی طور پر مختلف ہے اور معاشری مسئلے کا حل یہ ہے کہ زمین کو

قومی ملکیت بنا دیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے ذرایع کے طور پر، جارج نے پر زور طریقے پر اس بات کی حمایت کی کہ زمین کی قدروں پر محصول عاید کیا جائے اور تدریجی طور پر پوری غیر اکتسابی آمدنی کو قومی قبضے میں لے لیا جائے اس کی تائید بہت سے ان لوگوں نے کی جنھیں مروجہ اشتراکیت سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ زمین کی اصلاح کا مسئلہ اس کے بعد سے لبرلوں کی سیاسیات میں داخل ہو گیا۔ چیمبرلین نے اپنے غیر منظور شدہ پروگرام میں زمین کی ملکیت کے واجب التعظیم حقوق پر حملے کئے اور اس کے بعد لائیڈ جارج نے جب ۱۹۰۹ء کا موازنہ پیش کیا تو اس کے اندر بھی "ترقی و افلاس" کا ایک مدھم سا عکس نظر آتا ہے۔

۲۱۔ منشوریت۔ اب ضروری ہے کہ ہم دوبارہ ۱۸۳۰ء کی طرف واپس جائیں اور مزدور طبقے کی ایک اور تحریک یعنی منشوریت کا مطالعہ کریں۔ ابتدائی اشتراکیت کی طرح، منشوریت کے تعلقات بھی مزدور سبھا کی تحریک کے ساتھ قایم رہے لیکن اسے ایک علحدہ تحریک سمجھنا ہی بہتر ہے۔ منشوریت، ایک معاشی اور سیاسی دونوں طرح کی تحریک تھی لیکن اس کا معاشی پہلو زیادہ بنیادی حیثیت رکھتا تھا اور سیاسی پروگرام صرف مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ تھا۔ ایک لحاظ سے منشوریت ۱۸۳۰ء میں بھی کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ اس کے جو مطالبے تھے ان سب کو پیورٹین جمہوریت پسند ۱۶۴۲ء تا ۱۶۵۰ء کے زمانے میں پیش کر چکے تھے لیکن کچھ حالات ایسے جمع ہو گئے جن کی وجہ سے ان مطالبوں کو ۱۸۳۲ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان ایک نئی قوت حاصل ہو گئی۔ سب سے اول تو مڈلینڈز اور شمال کے پارچہ بافی کے اضلاع میں بے چینی بہت پھیلی ہوئی تھی جو بے روزگاری کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی اور جس کو محتاجوں کے نئے قانون نے تقویت پہنچائی تھی۔ دوسرے ۱۸۳۲ء کے مسودۂ قانون اصلاح کی طرف سے، ادنیٰ متوسط طبقے کے دوکانداروں اور لندن اور پرانے شہروں کے دستکاروں میں، بے اطمینانی پائی جاتی تھی۔ پھر اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کابٹ کے سیاسی رسالے، مزدور پیشہ طبقے کو برسوں سے اس بات کی

تعلیم دے رہے تھے کہ معاشی شکایتوں کو صرف سیاسی اصلاحات ہی دور کر سکتی ہیں۔
منشوریت کے پہلے رہنما وہ تھے جو اس سے پیشتر اس شورش کی رہنمائی کر چکے تھے جو مزدور پیشہ طبقے کے افراطیوں کی طرف سے پارلیمنٹ کی اصلاح کے لیے برپا کی گئی تھی۔ لندن میں، اس تحریک کے اندر، لووٹ، ہیدرنگ ٹن، او براٹن، واٹسن، اور کارپنٹر، جو مزدور پیشہ طبقوں کے قومی اتحاد کے رہنما تھے، پوری طرح شامل ہو گئے۔ برمنگھم میں، جو مڈلینڈ کا بڑا محاذ جنگ سمجھا جاتا تھا۔ یہ تحریک ایٹ وود کے گرد مجتمع تھی جو بینکر بھی تھا اور پارلیمنٹ میں افراطی رکن کی حیثیت سے بھی کام کرتا تھا۔ لیکن ایٹ وود کو خاص دلچسپی زر رائج کی اصلاح سے تھی۔ اس تحریک کو لڑنے والے لوگ شمال سے ملے جہاں اسٹیفنس، اور رچرڈ اوسٹلر کی آتشیں خطابت نے عوام کو عمل کے لیے بیدار کر دیا تھا لیکن ان لوگوں کے پاس، سوائے اس کے کہ یہ محتاجوں کی امداد کے نئے نظام پر نظر ثانی چاہتے تھے کوئی اور صاف اور واضح پروگرام نہیں تھا۔
۱۸۳۷ء میں، شمال میں، ایک اور لیڈر نمودار ہوا۔ یہ آئرلینڈ کا رہنے والا فرگس او کونر تھا جس نے ایک افراطی خیال کا اخبار "شمالی ستارہ" لیڈز سے نکالنا شروع کیا۔ مزدور پیشہ طبقوں پر او کونر کا بے انتہا اثر تھا اور محتاجوں کے قانون کے خلاف شمال میں جو شورش جاری تھی اس کو سیاسی اصلاح کی تحریک میں منتقل کرنے میں اسے کامیابی حاصل ہوئی۔
اصل منشور، لندن کے مزدوروں کی انجمن کے اس جلسے میں تیار کیا گیا جو "کراؤن اور اینکر" کے شراب خانے میں ۱۸۳۷ء میں منعقد کیا گیا تھا۔ پارلیمنٹ کے سامنے ایک عرضداشت پیش کرنے کی ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں ہمہ گیر حق رائے دہی، ملکیت کی بنا پر اہلیت رائے کی منسوخی، سالانہ اجلاس پارلیمنٹ، مساوی نمائندگی، اراکین پارلیمنٹ کی تنخواہ اور پوشیدہ رائے دہی کے مطالبے کئے گئے۔ لووٹ نے روبک اور پلیس کی مدد سے منشور کا مسودہ تیار کیا اور یہ ۱۸۳۸ء میں شایع کیا گیا۔ اسی زمانے میں، برمنگھم کی انجمن نے بھی ایک قومی عرضداشت پیش کی جس میں بالکل ایسے ہی مطالبے

کیے گئے تھے۔

اس کے دوسرے سال منشوریوں کی عرضداشت پارلیمنٹ میں پیش ہوئی۔ ایٹ ووڈ، فیلڈن اور ہیوم نے اس کی حمایت کی۔ لارڈ جان رسل اور ڈزریلی نے اس کی مخالفت کی اور اس عرضداشت کو کافی اکثریت نے مسترد کر دیا۔ منشوری رہنماؤں نے قومی ہڑتال کرانا چاہی لیکن اس کام کے لیے جتنے روپے اور تنظیم کی ضرورت تھی وہ موجود نہیں تھی۔ رائے کے شدید اختلاف کی وجہ سے رہنماؤں میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ دو گروہوں میں منقسم ہو گئے یعنی ایک اخلاقی قوت کے ماننے والے اور دوسرے جسمانی قوت کے ماننے والے لیکن قبل اس کے کہ انتہا پسند کوئی کارروائی کریں حکومت نے لووٹ، بین بو، ونسنٹ اور اسٹیفنس کو گرفتار کر لیا۔ اس پر جنوبی ویلز اور یارک شائر نے بغاوت کی گفتگو شروع کی اور نیوپورٹ پر ایک ناکام بلوہ ہو بھی گیا لیکن منشوری حکومت کا مقابلہ کرنے کے لیے کسی طرح تیار نہیں تھے اس لیے ۱۸۴۱ء میں یہ تحریک عارضی طور پر دب گئی۔

۱۸۴۱ء کے بعد، منشوریت میں نئی زندگی کے آثار ظاہر ہوئے لیکن مزدور پیشہ طبقے کی جاں نثاری میں ایک دوسری اور متعدد اعتبارات سے مخالف تحریک، یعنی غلہ قوانین کی مخالف لیگ کے قایم ہو جانے کی وجہ سے کمزوری پیدا ہو گئی۔ لیگیوں نے منشوریوں کے بارے میں یہ شبہہ کیا کہ وہ معاشرت کو تہ و بالا کرنا چاہتے ہیں۔ منشوریوں نے اپنی جگہ پر یہ سمجھا کہ سستے غلے کا مطالبہ اجرتوں کو کم کرنے کی ایک تدبیر ہے۔ لیکن مجموعی طور پر لیگیوں کو زیادہ سہولتیں حاصل تھیں۔ ان کا پروگرام سادہ اور معین تھا اور اس میں موجودہ نظام معاشرت پر کوئی کھلا ہوا یا پوشیدہ حملہ نہیں تھا۔ اس لیے انتہا پسند منشوریوں کی ہر پیش قدمی نے 'اعتدال پسندوں کو' لیگ کے زمرے میں دھکیلنا شروع کر دیا۔ ۱۸۴۲ء میں جوزف سٹرج نے جو برمنگھم میں ایٹ ووڈ کا جانشین بن گیا تھا منشوریوں اور غلہ قوانین کے مخالفوں کو ایک اصلاحی پروگرام پر جو بہت معتدل تھا متحد کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں اُسے

کامیابی نہیں ہوئی۔ ڈنکن کومب اور او کونر نے تب ایک دوسری عرضداشت پارلیمنٹ میں پیش کی لیکن ہمہ گیر حق رائے دہی کی میکالے نے نہایت سخت مخالفت کی اور اس کو مسترد کر دیا گیا۔

۱۸۴۶ء تک منشوریت پوری طرح او کونر کے مکمل اثر میں آگئی لیکن دوسری قوتیں اس کی جڑ کو ساتھ ہی ساتھ کاٹ بھی رہی تھیں۔ قوانین غلہ کی منسوخی کی وجہ سے مزدور طبقے کی وہ شکایت جو مہنگی غذا سے متعلق تھی رفع ہو گئی۔ فیکٹری کے قوانین نے (۱۸۴۷ء کا دس گھنٹے کا قانون) کام کے حالات کو بہتر کر دیا اور شمال کے مستعد لوگوں کو حیلے سے لگائے رکھنے کے لئے امداد باہمی کی نئی تحریک نے ایک راہ عمل پیدا کر دی۔ او کونر نے ان انتشار انگیز رجحانات کا تدارک کرنے کی کوشش، رابرٹ اووِن کے طرز پر، زمین بسانے کی ایک اپنی اسکیم بنا کر کی۔ ۱۸۴۸ء میں جب تمام یورپ میں انقلاب کی ایک لہر دوڑ رہی تھی، او کونر نے ایک نئی قومی پارلیمنٹ کا اجتماع بلا حکم شاہی کرنا چاہا۔ انقلابی بغاوت کی اضطراری گفتگو ہوتی رہی اور پارلیمنٹ میں ایک تیسری ناکام درخواست بھی پیش کی گئی۔ لیکن لندن کی حفاظت کا انتظام اتنا اچھا تھا کہ جسمانی قوت کے آزمانے کا موقع نہیں تھا، اس لیے آخر میں یہ تحریک بیٹھ گئی۔

منشوریت کی تحریک مختلف وجوہ سے ناکام رہی۔ اول، قوانین غلہ کی منسوخی اور دس گھنٹے کے فیکٹری قانون کی منظوری کی وجہ سے مشقت کرنے والے عوام کو مستقبل کی معاشی بہبود کے بارے میں بہت سی خوش آیند توقعات قایم کرنے کا موقع ملا۔ امداد باہمی کی تحریک نے بھی دلچسپی کو دوسرے راستے پر لگا دیا۔ لیکن زیادہ بنیادی وجہ یہ تھی کہ منشوریت کی تحریک کے پیچھے مقاصد اور خیالات کی یک جہتی موجود نہیں تھی۔ اشتراکیین، زر کے مصلحین اور زراعتی مصلحین، محتاجوں کے قانون اور فیکٹری نظام کے مخالف۔ یہ سب لوگ منشوریت کی تحریک کو اپنے مخصوص فایدے کی طرف لے جانا چاہتے تھے جب سیاسی اور معاشرتی خیالات میں تدریجی طور پر ترقی ہوئی تو منشور کے

مطالبے تقریباً سب منظور کیئے گئے۔ لیکن ۱۸۴۸ء میں اس تبدیلی کے لیے زمانہ تیار نہیں تھا۔ مزدور پیشہ طبقے، غیر تعلیم یافتہ، غیر منضبط اور غیر منظم حالت میں تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ انھیں مناسب رہنمائی نہیں مل سکی۔ غرض، یہ بنیادی وجوہ تھے جن کی بنا پر منشوریت کی تحریک ناکام رہی۔

باب ۸

قوانین مفلسین معاشری بیمہ کے قوانین اور سرکاری تعلیم

۱۔ قوانین مفلسین

۱۔ تمہید۔ انگلستان میں محتاجوں کے قانون کے آغاز اور اس کی ابتدائی ترقی کا پچھلا سلسلہ سولھویں صدی تک ملتا ہے۔ سنہ ۱۶۰۱ء میں جو قانون ملکۂ الزبتھ کے زمانے میں بنایا گیا۔ اس سے تجربی دور ختم ہو گیا۔ اس قانون میں محتاجوں کے تینوں بڑے طبقوں، یعنی بے روزگاروں، کاہلوں اور معذوروں پر علیحدہ علیحدہ توجہ کی گئی۔ بے روزگاروں کو، موثر نگرانی کے ماتحت، خاص کام کرنے کے لیے دیے گئے۔ کاہلوں کو اصلاح گھر میں سزا دی گئی یا ناخوشگوار حالات میں کام کرنے کے لیے مجبور کیا گیا اور ان کو اس طرح تعلیم دینے کی کوشش کی گئی کہ جس سے ان کے اندر محنت کرنے کی عادت دوبارہ پیدا ہو جائے۔ بچوں کو کار آموز بنایا گیا اور اس طرح ملک کی خاطر انھیں گمراہ ہونے سے محفوظ رکھا گیا۔ دوسری طرف معذور بوڑھوں کی خبر گیری کی جانے لگی۔

اس قانون کی بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ کلیسائی حلقے کو قانونی طور پر، محتاجوں کا ذمہ دار بنا دیا گیا۔ چنانچہ کلیسائی حلقوں کے مفاد میں یہ بات داخل

ہوگئی کہ اگر ہو سکے تو اپنے یہاں سے محتاجوں کو خارج کر دیا جائے۔ اختیاری طریقہ چونکہ ناکام رہا تھا اس لیے یہ جبریہ طریقہ ناگزیر ہو گیا تھا۔

تمام کلیسائی حلقوں میں، ہر ایک قابض مکان پر محصول لگایا جاتا تھا اور اس طریقے پر جو رقم جمع ہوتی تھی اسے نگراں، کلیسائی کی طرف سے مقرر کئے ہوئے حلقہ دار اور دوسرے لوگ جن کا تقرر مجسٹریٹ کرتے تھے خرچ کیا کرتے تھے۔ جاگیردار کی اجازت سے، شاملات دیہہ کی زمینوں پر، محتاجوں کے لیے، نگراں، مکانات تعمیر کرا سکتے تھے۔ محتاجوں پر جو کچھ خرچ کیا جاتا تھا اس کے ذمہ دار، ان کے ماں باپ، بچے، دادا دادی، نانا نانی قرار دیے جاتے تھے۔

کلیسائی حلقوں نے، مجموعی طور پر اپنی ان نئی ذمہ داریوں کو اتنا ہی کم پسند کیا جتنا کہ اختیاری مطالبوں کو کیا تھا اور ان کے فرائض پورا کرانے کے لیے ان پر اکثر دباؤ ڈالنا پڑتا تھا۔ نیز مختلف کلیسائی حلقوں میں محتاجوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا جاتا تھا، اس میں بھی بہت فرق پایا جاتا تھا۔ ایک لحاظ سے، اس قانون کی وجہ سے وہ لوگ نقصان میں رہتے تھے جو اپنا کام محنت سے کرتے تھے۔ جو کلیسائی حلقہ اپنی فیاضی کے لیے سب سے زیادہ مشہور ہوتا تھا آوارہ گرد لوگ، اسی کی طرف منتقل ہونا شروع کر دیتے تھے۔ دوسری طرف چونکہ محتاج لوگوں کو یہ امید ہوتی تھی کہ انھیں یہاں امداد مل سکے گی اس لیے وہ بھی نقل سکونت کر کے آنا شروع کر دیتے تھے۔ ان کلیسائی حلقوں کے تحفظ کے لیے جن پر اس کا اثر پڑ رہا تھا ۱۶۶۲ء میں سکونت پذیری کا قانون منظور کیا گیا۔ اس قانون کی رو سے اگر اس بات کا امکان پایا جاتا تھا کہ کسی نو وارد کا وجود کلیسائی حلقے کے محاصل پر ایک بار ثابت ہوگا تو وہ کلیسائی حلقہ اس نو وارد کا چالیس دن کے اندر اندر اخراج کر سکتا تھا۔

گو یہ اصول صنعتی اعتبار سے برا تھا لیکن چونکہ کلیسائی حلقوں کو شکایت تھی اس لیے انھوں نے اپنی یہ بات منوا ہی لی۔ ۱۶۹۷ء کے قانون سے کچھ اصلاح ہوئی اور اس میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی کہ کسی نو وارد کا اخراج

اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس کا وجود محاصل پر فی الواقعی ایک بار نہ بن جائے۔

خانہ جنگی کے بعد، مقامی حکومتوں پر، مرکز کی انتظامی نگرانی زیادہ تر ختم ہوگئی اور مجسٹریٹوں اور نگرانوں کے ہاتھ میں، محتاجوں کے قانون کا انتظام چھوڑ دیا گیا کہ وہ مقامی احساسات کے مطابق اس کام کو انجام دیں آہستہ آہستہ اس نظام کا اختیار نگرانوں کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انتظام میں بے پروائی کی جانے لگی۔ ان خرابیوں کی وجہ سے ۱۶۹۱ء کا قانون منظور کرنا پڑا اور اب اختیار مجسٹریٹوں کے ہاتھ میں پہنچ گیا جو اپنی مرضی کے مطابق امداد دے سکتے تھے اور ان کے فیصلے کی کوئی اپیل نہیں تھی۔

اس کی وجہ سے معاملات پہلے سے بھی زیادہ خراب ہوگئے کیونکہ نگرانوں میں تو پھر بھی ایک کلیسائی حلقے تک محدود ہونے کی وجہ سے کچھ ذمہ داری کا احساس پایا جاتا تھا لیکن مجسٹریٹ مقامی حالات سے بالکل بے خبر ہوتے تھے اور ان کی زیادہ عیش پسند زندگی نے، ضروری مقدار امداد کے بارے میں، ان کے اندر ایک غلط تصور قائم کرا دیا تھا۔

۱۶۹۷ء میں، برسٹل کے تجربی کام گھر کی کامیابی نے ۱۷۲۳ء کا زیادہ سخت قانون منظور کرایا۔ ۱۷۲۳ء کے بعد جب تک نگران امداد کو نامنظور نہ کر دے اس وقت تک مجسٹریٹ امداد منظور نہیں کر سکتے تھے۔ اس کی وجہ سے اول الذکر کے اختیار اور ذمہ داری میں اضافہ ہوگیا اور ان لوگوں کی راہ میں ایک رکاوٹ پیدا ہوگئی جو ایک کمزور مجسٹریٹ سے ناکافی وجوہ کی بنیاد پر امداد کا مطالبہ کیا کرتے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے مجسٹریٹ کا فیصلہ اب بھی آخری سمجھا جاتا تھا اور اس میں آیندہ کی خرابیوں کے نشو و نما پانے کے جراثیم موجود تھے۔

اس کے علاوہ، اب کلیسائی حلقوں کو (بغیر مخصوص قانون منظور کرائے) اس بات کی اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ متحد ہو کر کام گھر بنوا سکتے تھے اور انھیں برسٹل کی طرح جانچ کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ جو شخص ان کے اندر

رہ کر امداد قبول کرنے کے لیے راضی نہیں ہوتا تھا، اسے امداد کا مطالبہ کرنے اور قبول کرنے کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ابتدا میں قانون پر قابل اطمینان طریقے پر عملدرآمد ہوتا رہا۔ لیکن مرکزی نگرانی کا چونکہ کہیں کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا اس لیے ہر افسر حاکم مطلق بن گیا۔

ہم نے صنعتی انقلاب کے آغاز کی تاریخ ۱۷۶۰ء کو مانا تھا جب جارج سوم تخت نشین ہوا تھا۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ اس کے دور حکومت میں زندگی کے ہر شعبے میں تیزی کے ساتھ تبدیلیاں واقع ہوئیں اور ان مختلف اثرات کا باہم، ایک دوسرے پر بھی اثر ہوتا رہا۔ یہ فرض کرنا مشکل ہے کہ ان تمام تبدیلیوں کے اسباب محض مشین کا رواج اور قدرت کی تسخیر ہی تھے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ قوم میں ایک ایسی روح کام کر رہی تھی جو مختلف سمتوں میں ترقی کا سبب بنی ہوئی تھی کیونکہ ملکۂ الزبتھ کا عہد، ہر لحاظ سے، ہماری تاریخ کا سب سے زیادہ قابل توجہ زمانہ ہے۔ لیکن پھر بھی صنعتی انقلاب مخصوص طور پر ایک نمایاں مظہر ہے اس لیے ضروری ہے کہ جتنی بھی تبدیلیاں ہوئیں، ان سب کے سلسلے میں، صنعتی انقلاب ہی کا جائزہ لیا جائے۔

افلاس کا مسئلہ ایسا ہے جس کے مطالعہ کرنے میں غالباً سب سے زیادہ دشواری پیش آتی ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ محتاجوں کے قانون سے جو مصیبتیں پیدا ہوئیں ان کا سبب صنعتی کمزوریاں تھیں اور ان سے زیادہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ محتاجوں کے قانون کے انتظام کی خرابی ہی کی وجہ سے صنعت کی مصیبتیں پیدا ہوئیں۔ ان دونوں انتہا پسند نظریوں کو مسترد کرنے کی ضرورت ہے لیکن دونوں میں ایک حد تک صداقت پائی جاتی ہے اس مسئلے میں کئی متضاد عوامل پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ سکونت پذیری کے قوانین اور مزدوروں کی نقل پذیری کا کل مسئلہ پیش نظر رہنا چاہیے۔ صنعتی انقلاب کے اخلاقی اثرات اور زرعی اضلاع میں گزشتہ زمانے کے ظلم نے جو اخلاقی ترکے چھوڑے تھے ان کی اہمیت بھی توجہ کی مستحق ہے۔

۲۔ صنعتی تبدیلی سے افلاس کا تعلق۔

اگر اس مسئلے کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس زمانے کا افلاس صنعتی تبدیلی سے بہت کچھ غیر متعلق تھا افلاس کا انحصار نظم ونسق اور قانون سازی پر تھا۔ یہ صنعت سے بڑھ کر قانون اراضی کے تابع تھا جو ہمیشہ آزاد رہا ہے۔ محتاجوں کا قانون حکومت کا پیدا کردہ ہے جو در اصل صنعت کی اصلاح اور اس میں مداخلت کی نوعیت رکھتا ہے۔ لہذا افلاس بڑی حد تک مصنوعی چیز ہے جو قوانین کے تابع ہوتا ہے جن کی ایک قدیم تاریخ ہے۔ اس کے علاوہ، انتظام برائے نام ناظروں کے ہاتھ میں تھا لیکن رفتہ رفتہ سائلین نے ان کی طاقت کو محسوس کر لیا اور مجسٹریٹوں سے اپیل کی نیز مفلس اپنے مجسٹریٹ کا انتخاب کر سکتا تھا۔ مجسٹریٹ کا تعلق قدامت پسند طبقے سے تھا جو صنعتی انقلاب سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔

محتاجوں کے قانون نے کسی حد تک اپنی ترقی کا ایک راستہ اختیار کیا اور ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ اسی قسم کی تبدیلیاں اگرچہ کم درجے کی واقع ہو سکتی تھیں اگر انقلاب نہ بھی ہوتا یعنی اگر ترقی آہستہ آہستہ ہوتی۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مزدور طبقے کی حالت پر محتاجوں کے قانون کے راست آزادانہ طور پر بھی کچھ اثرات پڑے۔ بہر حال صنعتی تبدیلیوں نے تنظیم میں ایسی ترمیم کر دی کہ عوام کی مصیبتیں محتاجوں کے قانون میں تبدیلیوں کا راست محرک ثابت ہوئیں اور ان تبدیلیوں نے مزید برے اثرات پیدا کر دئے۔ غرض جذبات پرستی کی فطری ترقی، مجسٹریٹوں کے بڑھتے ہوئے مواقع اور اس وقت کے مصائب نے مل جل کر آئندہ نہ ای تباہی کو پیدا کر دیا۔

پہلی اہم تبدیلی ۱۷۸۲ء میں گلبرٹ کے قانون کے ذریعے کی گئی۔ بلا شبہ بلا تنخواہ ناظرین رشوت ستانی وغیرہ میں مبتلا ہو گئے تھے اور کام خراب کرتے تھے۔ محتاج خانوں کی جانچ ڈھیلی پڑتی جا رہی تھی لوگوں کو گھر بیٹھے امداد ملتی تھی اور ناظروں سے کام فراہم کرنے کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ مجسٹریٹوں کو طاقتور سمجھ کر دوبارہ ابتدائی اختیارات دے دیئے گئے۔ اور اب انھوں نے سرپرستوں کے توسط سے

کام کرنا شروع کر دیا۔ قانون مزاحم نہیں تھا۔
کلیسائی حلقے اپنی ناکارکردگی اور اسراف کی وجہ سے مورد الزام تھے لہٰذا کلیسائی حلقوں کی جمعیتیں قائم کی گئیں اور محتاج خانوں کو درست کیا گیا گرچہ اب سے اس کا استعمال صرف ناکاروں کے لیے قرار پایا جو جانچ کے مسلک کا بالکل برعکس تھا۔ سرپرستوں کا کام یہ تھا کہ غریب بے روزگاروں کے لیے کام مہیا کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دم سے مصارف بڑھ گئے۔ اور بیس برس میں یہ دوگنے ہوگئے اور سنہ ۱۸۱۷ء میں اپنی انتہائی حد کو پہنچ گئے۔

۳- اسپنہم لینڈ کے مجسٹریٹ۔

برک شائر کے مجسٹریٹ نے سنہ ۱۷۹۵ء میں اپنے نام کو نیوبری کے نزدیک اسپنہم لینڈ میں رہنے والی آیندہ نسل کے حوالے کر دیا۔ یہاں بھتے کا طریقہ شروع کیا گیا اگرچہ یہ کہنا درست ہے کہ یہ کم از کم جنوبی حصے کے لوگوں کے مرضی کے مطابق تھا۔ مجسٹریٹوں نے اس طریق کے تحت مزدوروں کو امداد اس لیے دیتے تھے کہ ان کی اجرت بہت کم تھی۔ گیہوں کی قیمت کے مطابق ایک معیار مقرر کر کے خاندان کے زیر پرورش بچوں کی تعداد کے لحاظ سے اجرت کا ایک تخمینہ کیا گیا۔ دوسرے سال ایک نئے قانون کے ذریعے سنہ ۱۷۲۲ء کے قانون کو منسوخ کر دیا گیا۔ تندرست لوگوں کی خارجی امداد کو قانونی طور پر جائز قرار دیا گیا۔ جانچ کو غریب لوگوں کے آرام و آسایش کے لیے غیر مفید سمجھا جانے لگا۔ محنتی لوگوں کو گھر بیٹھے امداد کا حکم دے دیا گیا اور اس طرح آنے والے واقعات کے لیے دروازہ کھل گیا۔

۴- ان کی پالیسی کا اثر۔

اسپین ہم لینڈ کی پالیسی، انگلستان کے جنوب بلکہ شمال تک میں ہر جگہ پھیل گئی اور اپنے نتائج کے لحاظ سے جو سنہ ۱۷۹۰ء اور سنہ ۱۸۳۰ء کے درمیان خوب ظاہر ہو گئے تھے بہت ہلاکت ثابت ہوئی۔ یہ پالیسی غیر منصفانہ اور مخرب اخلاق تھی۔ جس طبقے کو اس سے فائدہ پہنچانا مقصود تھا اسی کو اس کی وجہ سے نقصان پہنچا ممکن ہے نیت نیک رہی ہو اگرچہ اکثر رعایتوں کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا

محرک یا تو خوف تھا یا لوگوں میں مقبول بننے کی خواہش اس پالیسی نے شمال کے مزدوروں کو مفلس بنا دیا جس کے اثرات ہنوز محسوس کیئے جاتے ہیں۔

چونکہ مزدوروں کی اجرتوں کی کمی کو کلیسائی حلقہ پورا کیا کرتا تھا اس لیے آجر انھیں وہ اجرت دے سکتے تھے جو کمترین سامان خورونوش کے فراہم کرنے کے لیے بھی بالکل ناکافی ہوتی تھی۔ چنانچہ اس نظام کا سب سے اول اثر تو یہ ہوا کہ محاصل ادا کرنے والوں سے جو رقم وصول کی جاتی تھی وہ آجروں کی امداد پر صرف کی جانے لگی۔ اس انتظام نے پھیل کر ایک رواج کی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ اجرتیں گرتے گرتے محض برائے نام رہ گئیں۔

ظاہر ہے، اس کی وجہ سے محصول ادا کرنے والے لوگ سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے اور ان میں جو لوگ نسبتاً غریب تھے ان کی حالت قابل افسوس ہو گئی۔ جب اجرتیں گرنے لگیں اور ناداری میں اضافہ ہوا تو محصول کی شرح بڑھنا شروع ہوئی یہاں تک غریب زمیندار تباہ ہو گئے رفتہ رفتہ محاصل یہاں تک بڑھے کہ وہ جائداد کی آمدنی کے برابر ہو گئے۔ اس حد کے بعد زمیندار کو اسی میں نفع نظر آنے لگا کہ اگر کوئی شخص لینے کے لیے آمادہ ہو تو اپنی زمین اس کے حوالے کر دے اور یہ صورت واقعتاً رونما بھی ہوئی۔ بکس میں چولسبری کے مقام پر جو محاصل سنہ۱۸۰۱ء میں دس پونڈ تھے وہ سنہ۱۸۱۶ء میں بڑھ کر سو پونڈ ہو گئے اور سنہ۱۸۳۱ء میں ایک سو پچاس پونڈ۔ یہ ایک انتہائی مثال تھی لیکن اس سے اس سمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس کی طرف واقعات کا رجحان تھا۔

یہی نظام ایک حد تک صنعت میں بھی رونما ہوا لیکن نادار مزدوروں کو براہ راست بھی ملازم رکھا جاتا تھا۔ بچوں کی ٹولیاں فیکٹریوں میں بھیجدی جاتی تھیں اور ان کو رہنے کے لیے نہایت خراب جگہ دی جاتی تھی یہاں تک کہ کام کرتے کرتے ان کی تندرستی بالکل برباد ہو جاتی تھی۔ مشین کی نگرانی کرنے کے کام میں یہ بچے، بڑی عمر کے مزدوروں کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ اسی طرح ''پھیری والوں''[1] کے

---

[1] Roundsmen

نظام کے ماتحت اگر کوئی پٹہ دار کسان نادار مزدوروں کو ملازم رکھ لیتا تھا تو وہ محاصل کے ایک حصے سے بری ہو جاتا تھا۔

اس نظام کی خرابیاں بہت سی تھیں۔ زراعت میں اس کی وجہ سے کچھ زمین عین اس وقت آہستہ آہستہ استعمال کرنا ترک کر دی گئی جب بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے زیادہ غذا کی ضرورت تھی۔ مزدور غیر کارگزار تھے وہ قوانین سے واقف تھے، اپنے مجسٹریٹ کا خود انتخاب کر سکتے تھے اور قانون کا دباؤ ڈلوا سکتے تھے اور اس طرح امداد کو حق کے طور پر وصول کر سکتے تھے۔ اس لیے وہ سرکش ہو گئے تھے اور جتنا دن بھر میں اچھی طرح کام کرنا چاہئے اتنا نہیں کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آجر انھیں اتنی اجرت دیتے ہیں جو ان کا پیٹ بھرنے کے لیے کافی نہیں ہوتی اس لیے ان کے واسطے سخت کام کرنے کا کوئی محرک موجود نہیں تھا۔ مزدور چاہے کیسا ہی ماہر اور محنتی کیوں نہ ہو اسے اس نظام سے کوئی فایدہ نہیں پہنچتا تھا کیونکہ بھتے کا انحصار اجرت پر تھا۔

مزدوروں میں انحطاط شروع ہو گیا۔ ان کے اخلاق بھی بگڑ گئے۔ روزی کمانے کے لیے ایمانداری کے ساتھ محنت کرنا ضروری نہیں رہا بلکہ ایک کمینہ پن کی چالاکی ترقی پانے لگی جس کا مقصد یہ ہو گیا کہ کام سے بچا جائے۔ آزاد مزدور کو بیوقوف سمجھ کر حقارت کے ساتھ دیکھا جانے لگا۔ فریب اور دھوکا دہی وہ ذرایع تھے جن سے عام طور پر کافی بھتہ حاصل کیا جا سکتا تھا۔ مجسٹریٹوں کی یا تو خوشامد کی جاتی تھی یا ان کو دھمکی دی جاتی تھی احسان مندی کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔

آزاد مزدوروں کا طبقہ سب سے زیادہ قابل رحم حالت میں تھا۔ جو آدمی اتنا ایماندار ہوتا تھا کہ اپنی آزادی کو قائم رکھنا چاہتا تھا اور کمینہ پن کی حیلہ بازی پر اتر کر اپنی اجرتوں کو بڑھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا اسے نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ اول تو وہ کام چاہے جتنی سخت محنت سے کیوں نہ کرے پھر بھی اپنے نادار حریف کے مقابلے میں بہتر حیثیت کا مالک نہیں بن سکتا تھا۔ دوسرے آجر، واقعۃً ناداروں ہی کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ ان کے لیے اس بات کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ انھیں کم تر بن سامان خورونوش کے لایق اجرت ادا کی جائے۔

اس معاملے میں آجر، اکثر تنگ نظری سے کام لیتے تھے کیونکہ اکثر صورتوں میں سستے نادار مزدور کی جگہ، اگر ایک آزاد کارگزار مزدور کو ملازم رکھا جاتا تو وہ زیادہ بہتر ثابت ہوتا لیکن قبل اس کے کہ اس حقیقت کو پوری طرح سمجھا جاتا، سارا ملک تقریباً مکمل طور پر نادار ہو گیا۔

کفایت شعار لوگوں کو سزا ملنے لگی۔ انھیں کام نہیں ملتا تھا۔ ان کی پس انداز کی ہوئی رقمیں ختم ہونے لگیں اور وہ ناداروں کے لیے جو محاصل وصول کیے جاتے تھے ان کی امداد لینے کے لیے مجبور ہو گئے۔ بھتہ چونکہ خاندان کی وسعت کے لحاظ سے دیا جاتا تھا اس لیے غیر شادی شدہ آدمی گھاٹے میں رہنے لگا چنانچہ اس کا فایدہ اسی میں تھا کہ وہ شادی کرے اور خاندان کو بڑھائے۔ یہی مخرب اخلاق نظام آبادی کے بدترین حصے کے بہت زیادہ اضافے کا ایک خاص سبب تھا۔ جو لوگ سب سے زیادہ بیوقوف اور فضول خرچ تھے ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ جتنی زیادہ سے زیادہ اولاد پیدا کی جا سکے کرائی جائے۔ اولاد کے جائز یا ناجائز ہونے کے سوال نے ثانوی حیثیت اختیار کرلی تھی۔ اولاد نے اپنے ماں باپ کی ابن الوقتی کے نتائج کو چونکہ اچھا پایا اس لیے ناداری کے علاوہ کسی دوسرے بہتر نصب العین کو، پیدائش کے وقت سے اپنی نگاہ کے سامنے نہیں رکھا۔ چنانچہ یہ چیز موروثی بن گئی۔

آجروں تک کو اس سے نقصان پہنچا اگرچہ وہ ہمدردی کے بہت کم مستحق تھے۔ انھوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ نادار مزدور آخر میں تو نقصان رساں ثابت ہوتے ہی ہیں فوری طور پر بھی ان کے رکھنے میں غالباً کوئی نفع نہیں تھا۔ انھیں مفاد عامہ کو نقصان پہنچا کر فوری نفع کمانے کا ایک موقع نظر آیا اور وہ اس پر گر پڑے۔ لیکن زراعت کے لیے زیادہ بلند اخلاقی اور دماغی صفات کی ضرورت ہوتی ہے اگرچہ اس بات کو ان صفات کی مخصوص نوعیت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ زراعت میں ایمانداری کی ضرورت ہوتی ہے اور سخت و مسلسل کام کی۔ ایک سیدھی لیک میں جتائی کرنے کے لیے بہت زیادہ ذہانت چاہیئے۔

لیکن یہی صفات تھیں جن کی نادار مزدوروں میں سب سے زیادہ کمی تھی۔ بھتہ کمانے کے لیے جو تربیت حاصل کی جاتی تھی اس کے ذریعے ایمانداری مشکل ہی سے ترقی پا سکتی تھی۔ ایک واقعی ذہین آدمی جو اپنے مستقبل کے بارے میں بھی کچھ سوچتا سمجھتا ہو کبھی رضامندی سے نادار بننا قبول نہیں کرے گا کیونکہ ناداری کی حالت میں اس کی اہلیت کو ترقی پانے کا کبھی موقع نہ مل سکے گا۔ اس واقعے کی وجہ سے کہ کام پر ترقی کا انحصار نہیں تھا، کام کی اہمیت کم ہوگئی اور جن لوگوں کو محنت کی عادت تھی ان کی دلشکنی ہونے لگی۔ آجرنے کام کی پوری مقدار وصول کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مزدور نے جسے آجر کے مقابلے میں کامیابی کا موقع زیادہ حاصل تھا، انکار کر دیا۔ اس کی وجہ سے دشمنی پیدا ہوئی اور مالک و مزدور دونوں کی سیرت میں انحطاط رونما ہوگیا۔

صناع خود اپنے لحاظ سے بہتر حالت میں تھے۔ بے ایمانی کی روک تھام کرنے کے لیے جمعدار مقرر کئے جا سکتے تھے جو مزدوروں کے کام پر اس وجہ سے کہ وہ ایک چھوٹی سی جگہ پر مجتمع رہتے تھے، آسانی سے نگرانی رکھ سکتے تھے۔ چنانچہ سزا دینا آسان اور یقینی تھا۔ انھی جمعداروں کے ذریعے کام کو تن دہی سے بھی کرایا جا سکتا تھا۔ جمعدار ایک خاص نمونے کے لوگ تھے، اکثر بے حس اور وحشی اور یہ لوگ زیادہ سے زیادہ مال تیار کرانے کے کام کے لیے خوب موزوں تھے۔ ذہانت کو اہم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مزدور صرف ایک مشین تھا جو بعض کاموں کو اکتا دینے والی باقاعدگی کے ساتھ کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ صناع کے لیے، نادار مزدور زیادہ مستقل طور پر نقصان رساں ثابت نہ ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صنعتیں بالکل غیر موزوں جگھوں میں (مثلاً اے سکس میں) جہاں اس قسم کے مزدور سستے اور بافراط موجود تھے اور جہاں قدرتی سہولتوں کی کائی سے زیادہ تلافی "مصارف کی کمی کی صورت میں ہو جاتی تھی"، ترقی پانے لگیں۔ غرض، اس نظام نے غیر موزوں صنعتوں کو ان کے حریفوں کے مقابلے میں امداد دی۔

خاندانی رشتے ٹوٹ گئے اور ایک حقیقی پرولتاریہ وجود میں آگیا۔ خاندان کے ارکین تقریباً بچپن کے زمانے ہی سے بالکل خود مختار ہو گئے اور اس کے بدیہی

نتائج رونما ہوئے۔ ایک بیٹے کو اگر وہ ہر طریقے سے خود مختار ہو جاتا تھا چودہ سال کی عمر میں امداد مل سکتی تھی۔ اس کی وجہ سے محبت کے رشتے عام طور پر کمزور ہو گئے۔

آخر میں سب سے زیادہ نقصان خود نادار مزدوروں کو پہنچا۔ جس طرح کوئی مزدور چاہے وہ کتنا ہی سخت کام کیوں نہ کرے، معمولی حالات میں، کمترین سامان خور و نوش سے زیادہ نہیں کما سکتا تھا، اسی طرح ادنیٰ نصب العینوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام مزدور ایک خاص سطح تک گرے ہوئے رہنے کے لیے مجبور ہو گئے اور اس سطح سے اپنے آپ کو وہ اس وقت تک بلند نہیں کر سکتے تھے جب تک کہ یہ نظام انھیں پست رکھنے میں مدد دے رہا تھا۔ کارکردگی کے نقصان سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے جس کے بارے میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں ہے، تو بھی خود مختاری اور محنت کی عادتوں کی کمی نے آیندہ کی ترقیوں کو مسدود کر دیا۔ چنانچہ اس دور کے جتنے مصائب تھے ان سب کا مزدور کو چاروناچار شکار بننا پڑا اور غیر معمولی خوش حالی نے اس کی زندگی میں کبھی امید کی روشنی پیدا نہیں کی۔ نادار مزدور کو جب تک کمترین سامان خور و نوش ملتا رہتا تھا وہ زیادہ کام کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرنوں تک موافق ترین حالات میں بھی مزدوروں کو اتنی ہی اجرتیں ملتی رہیں جن سے ان کی کمترین ضرورتیں پوری ہو سکتی تھیں۔ اس مثال سے اس قانون کی مزید تائید ہوتی ہے کہ جہاں کہیں قدرتی رجحانات میں مداخلت ایک طبقے کو فائدہ پہنچانے کے لیے کی جاتی ہے وہاں ایسی قوتیں اپنا کام شروع کر دیتی ہیں جو پیش نظر مقصد کو پورا نہیں ہونے دیتیں۔

اس خرابی کا اصل سبب یہ تھا کہ آجروں کا طبقہ ابھی تک ملازمت کے ان طریقوں پر قائم تھا جن کا رواج عہد وسطیٰ میں پایا جاتا تھا۔ اب بھی زمینداروں نے پہلے کی طرح یہ فرض کر رکھا تھا کہ اپنے ماتحتوں کے لیے روزگار مہیا کرنا ایک خیر و خیرات کا کام ہے اور وہ اسی بات کو بھولے ہوئے تھے کہ مزدور بھی اس کے معاوضے میں مساوی خدمت انجام دیتے ہیں۔ ملکۂ الزبتھ کے زمانے کے قوانین نے، ملازمت اور خیرات میں کوئی تفریق نہیں کی تھی۔ (محتاجوں کے قانون کو پیچیدہ مسائل سے دوچار ہونا پڑا تھا) جنوب کے مزدوروں نے اپنے روایتی

سیدھے پن کے ساتھ اس زاویۂ نگاہ کو بلاچون وچرا تسلیم کر لیا اور خود مختاری کا احساس جو صنعتی انقلاب کی لازمی خصوصیت تھی فنا ہو گیا تھا۔ ملکۂ الزبتھ کے قوانین کا مقصد یہ تھا کہ مزدور کو قانونی طور پر اپنے کلیسائی حلقے تک محدود رکھا جائے اور امداد کے وعدے کر کے اس کو خوش رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اس سے دوہرا نقصان ہوا۔ ایک طرف تو پرولتاریہ پیدا ہو گیا لیکن دوسری طرف اس کے اندر وہ نقل پذیری پیدا نہ ہو سکی جو (معاشی لحاظ سے) اس کے وجود کو فائدہ رساں بنانے کا موجب ہوتی ہے۔

نقل پذیری کا یہ مسئلہ ایک مشکل مسئلہ ہے، لیکن ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جب تمام آدمیوں کو اپنی جائے سکونت کے اندر، خارجی قوتوں کے زیر اثر، مقید کر دیا جاتا ہے تو اس سے بالکل ایسا ہی یقینی نقصان پہنچتا ہے جیسا کہ ہم مزدوروں کے اس طبقے کے سلسلے میں دیکھ چکے ہیں جس کی زندگی وطن کے مستقل رشتوں کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے غیر طبعی ہو گئی تھی یہ بات دوبارہ یاد رکھنی چاہیے کہ ایک مقام پر مزدوروں کے زائد اجتماع کو روکنے یا جہاں مزدوروں کی ضرورت ہو اس مقام پر ان کی رسد فراہم کرنے کے لیے، آبادی کی ایک چھوٹی اقلیت کی نقل وحرکت کافی ہوتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ معاشی زندگی کو تندرست رکھنے کے لیے مزدوروں کی کچھ نہ کچھ گردش ضروری ہے اور اس کی راہ میں کسی رکاوٹ کو نہ ڈالنا چاہیے۔ جبری سکونت پذیری سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ مسلسل نقل وحرکت کی خرابیوں سے زیادہ سخت ہوتی ہیں۔

اسپین ہم لینڈ کی پالیسی کو سنہ ۱۸۲۳ء تک غلبہ حاصل رہا۔ سنہ ۱۸۱۹ء میں مجسٹریٹوں کو زمرہ بندی کے اختیارات دیئے گئے اور حسب سابق یہ خیال کیا گیا کہ یہ لوگ نگرانوں کے مقابلے میں زیادہ اثر پذیر ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۸۱۷ء میں دارالعوام کی ایک کمیٹی نے مفید تجاویز پیش کیں لیکن ان سے کوئی کام نہیں بنا۔ کچھ مقامات پر کلیسائی حلقے کے نمایندوں کی مجلس کا تقرر کیا گیا۔ سنہ ۱۸۲۹ء میں ناداریا گلوں کے رہنے کی جگہ کو بہتر بنایا گیا۔ ان کی طرف سے گزشتہ زمانے میں لاپروائی برتی گئی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجسٹریٹوں کی رحمدلی کچھ زیادہ گہری نہیں تھی۔

۱۸۱۸ء کے بعد خرچ میں کچھ کمی ہو گئی لیکن ۱۸۳۲ء میں جب محتاجوں کے قانون کے کمیشن نے اپنی تحقیقات شروع کی تو اس وقت معاملات بہت خراب ہو گئے تھے۔

۱۸۳۴ء کی رپورٹ مرتب کردہ کمیشن تحقیقات قانون محتاجان۔

۱۸۳۴ء میں کمیشن نے اپنی مشہور و معروف رپورٹ پیش کی۔ اس کمیشن کی روح رواں دو شخص تھے ایک تو معاشیات کا ماہر سینیر اور دوسرے انتظامی قابلیت رکھنے والا چیڈوک۔ اس رپورٹ میں سب سے اول تو یہ بات ثابت کی گئی کہ جو لوگ اس وقت محتاجوں کے قانون کو عملی جامہ پہنانے کا کام کر رہے تھے وہ سب کے سب نا اہل تھے۔ نگراں جن کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں تھی جاہل لوگ تھے اور ان کے اندر کام کا کوئی محرک موجود نہیں تھا۔ ان کے پاس حساب کتاب کے کوئی رجسٹر نہیں تھے۔ دوسری طرف ان میں جانب داری، دھوکا دہی اور خیانت عام تھی۔ اپنے کام کے سلسلے میں وہ کسی قسم کی کوئی زحمت نہیں اٹھاتے تھے۔ جب وہ ایمانداری سے کام کرتے تھے تو مجسٹریٹوں کے سامنے انہیں آسانی سے ذلیل کیا جا سکتا تھا۔ یا ان کے ساتھ تشدد کا برتاؤ کیا جا سکتا تھا۔ کلیسائی حلقے کے نمایندوں کی مجلس کا حال بھی ایسا ہی تھا۔

مجسٹریٹوں کے بارے میں جتنی آسانی کے ساتھ فیصلہ سنا دیا گیا غالباً اس کے وہ مستحق نہیں تھے کیونکہ یہ ثابت کیا گیا تھا کہ وہ اپنی ناواقفیت کی بنا پر غفلت کرتے تھے۔ بہر حال بھتے کے نظام کی سخت مذمت کی گئی اور اسی طرح منتظموں کی طرف سے جو رعایتیں کی جاتی تھیں ان کی بھی مذمت کی گئی۔ اس بات کی شکایت کی گئی کہ ان لوگوں سے قابل اطمینان طریقے پر کام لینے کے لیے کوئی مرکزی دباؤ موجود نہیں تھا۔ مزدور پیشہ طبقوں کی حالت کی ہو بہو تصویر کھینچ دی گئی۔

اصلاح کا طریقہ یہ تجویز کیا گیا کہ مرکز کی طرف سے سخت دباؤ ڈال کر سارے قومی انتظام میں یکسانیت پیدا کی جائے۔ اس سے بے چینی میں اور آبادی کی غیر ضروری نقل و حرکت میں کمی واقع ہو جائے گی اور زیادہ نگرانی

قائم کی جا سکے گی اس یکسانیت کا اشارا اضلاع کی طرف تھا یعنی جتنے ایک حیثیت کے نادار ہیں ان کے ساتھ ہر جگہ یکساں سلوک کیا جائے۔ مختلف درجوں کے ناداروں کی علٰحدہ علٰحدہ تقسیم کی گئی تھی اور ہر طبقے کے لیے علٰحدہ علاج تجویز کیا گیا تھا۔

۶۔ امداد کے اصول۔ امداد کا پہلا اصول یہ تھا کہ نادار کی حالت ایسی ہونی چاہئے یا بظاہر ایسی معلوم ہو کہ وہ ادنیٰ ترین طبقے کے خراب سے خراب آزاد مزدور کے مقابلے میں کم اہلیت رکھتا ہے۔

امداد کے اس اصول کی معقولیت کو ثابت کیا گیا اور کہا گیا کہ اگر اس کے حدود کو ٹھیک طرح مقرر کر دیا جائے گا تو پھر کاہلوں کے پاس بے کار رہنے کا کوئی حیلہ باقی نہیں رہے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ کلیسائی حلقے کو "کام زیادہ سے زیادہ لینا چاہئے اور اجرت کم سے کم ادا کرنا چاہئے" تاکہ امداد کی طرف لوگ سب سے آخر میں مجبور ہو کر ہی آئیں۔

دوسرا اصول یہ تھا کہ جو لوگ تندرست ہوں ان کو امداد صرف کام گھروں میں رکھ کر دی جائے اور ان کام گھروں کا انتظام سنہ ۱۶۰۱ء کے قانون کے مقصد و منشاء کے مطابق کیا جائے۔ کام گھروں کے باہر جو امداد، تندرست لوگوں اور ان کے خاندانوں کو دی جا رہی تھی اسے بند کر دیا جائے، سوائے اس صورت کے کہ بیمار ہوں یا ان کے بچے کارآموز بن گئے ہوں۔ امداد کا مقصد چونکہ غربت کو رفع کرنا نہیں بلکہ ناداری کو دور کرنا قرار دیا گیا تھا اور ناداری کی تعریف یہ کی گئی تھی کہ نادار وہ ہے جو ایک ایسے کام گھر میں جس کو اچھی طرح چلایا جا رہا ہو داخل ہونے کے لیے آمادہ ہو، اس لیے گیرندہ کے گھر پر امداد دینا، صحیح اصولوں کے منافی سمجھا جاتا تھا۔

کمیشن کے ممبروں کا یہ خیال تھا کہ خارجی امداد کی صورت میں، اہلیت کے مطابق تفریق کرنا خلاف مصلحت تھا کیونکہ اسی کی وجہ سے گزشتہ زمانے میں دھوکا دہی نے ترقی پائی تھی۔ مخصوص مصیبت کے معاملوں پر (قانون کے) سر رشتوں کو توجہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ انھیں نجی خیرات کی توجہ کے لیے چھوڑا جا سکتا تھا۔

کام گھروں میں جو کام لیا جائے اسے مفید ہونا چاہئے اور غیر ضروری طور پر نفرت انگیز نہ بنانا چاہیے۔ کام گھر میں رہنے والوں کو چار گروہوں میں

تقسیم کیا گیا تھا اور ہر گروہ کے لوگوں کو علٰحدہ عمارت میں رکھنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ تندرست مردوں اور تندرست عورتوں کی تعداد سب سے کم ہونی چاہئے۔ یہ امید کی گئی تھی کہ اس طرح کے مرد و عورت اور باہر کے نادار مکمل طور پر غائب ہو جائیں گے اس کے بعد بوڑھوں اور معذوروں کی تقسیم تھی اور آخر میں بچوں کی۔

۷۔ مفلسوں کے قانون کے بارے میں پارلیمنٹ کے ایکٹ۔

اس موضوع پر اس لیے تفصیل سے بحث کی گئی ہے کہ سفارشوں کو مسودۂ قانون کی شکل نہیں دی گئی تھی اگرچہ ان پر عملدرآمد فوری اور فیصلہ کن طریقے پر کیا گیا تھا۔ اسی سال (یعنی ۱۸۳۴ء) کے قانون مفلسین کے ترمیمی ایکٹ میں مرکزی افسر کو وسیع اختیارات دیے گئے کیونکہ پارلیمنٹ نے تفصیلی قانون بنانے کے لیے اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھا۔ یہ پالیسی ابھی تک جاری ہے۔ مرکزی دباؤ جتنا محتاجوں کے قانون کے سلسلے میں محسوس کیا جاتا ہے اتنا کسی دوسرے معاملے میں نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ خیال ہے یا تھا کہ اس میں یکسانیت سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اس محکمے کو غیر سیاسی بنا دیا گیا۔

ایک بات کا اس ایکٹ میں خاص طور پر ذکر کیا گیا تھا اور وہ یہ کہ تندرست لوگوں کو بجز کام گھر کے امداد دینا غیر قانونی تھا اور اس مقصد کے لیے کام گھر کی جانچ کو دوبارہ جاری کر دیا گیا تھا۔

تین موزوں آدمیوں کا ایک مرکزی بورڈ مقرر کیا گیا تھا جنھیں کمشنران قانون محتاجان کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ان کے اختیارات عملاً صرف پارلیمنٹ کے قانون کے اور اس بات کے پابند تھے کہ انھیں انفرادی معاملوں میں امداد کا اختیار حاصل نہیں تھا۔ ان کی پارلیمنٹ میں نمایندگی نہیں تھی اس لیے ان کے کام کی جانچ پارلیمنٹ کے کمیشن کے ذریعے ہی کرائی جا سکتی تھی۔ مقامی انتظام (قانون کے) سرپرستوں کے بورڈ کے ہاتھ میں دیا گیا تھا۔

کمشنروں کو اختیار دیا گیا تھا کہ کام گھر تعمیر کرانے کے لیے 'کلیسائی حلقوں' کو ملا کر ان کی انجمن اتحاد بنا دیں اگرچہ ہر کلیسائی حلقے کو اپنے محتاجوں کا خرچ خود ہی ادا کرنا پڑتا تھا۔ افسروں کے تقرر اور برطرفی پر وہ نگرانی رکھتے تھے

اسی طرح رسد کی تفصیلات پر بھی ان کی نظر رہتی تھی۔ حساب کا نظام یکساں بنا دیا گیا تھا۔ آوارہ گردوں کی امداد کے نظام میں بھی تبدیلیاں کردی گئی تھیں کیونکہ مسافروں کے ساتھ معمولی ناداروں کا سا برتاؤ کرنا ممکن نہیں تھا۔ سکونت پذیری کے قوانین عملاً منسوخ کردیے گئے تھے۔

۸۔ نیا نظام۔ اس نئے نظام میں ۱۸۳۴ء کی رپورٹ کی روح کام کر رہی تھی اور جو نتائج برآمد ہوئے ان سے اس کے مرتب کرنے والوں کی دانشمندی کا پتا چلتا ہے۔ آبادی کے اضافے کی رفتار (جو ناداروں میں سب سے زیادہ نظر آتی تھی) کم ہوگئی۔ "زاید" آبادی تقریباً غائب ہوگئی۔ کسان اور صناع یہ ثابت کرنے کے لیے مجبور ہوئے کہ اجرتیں کمترین سامان خورونوش سے بھی زیادہ بڑھائی جاسکتی ہیں۔ اکثر ناداروں کو اپنے کلیسائی حلقے ہی میں کام ملنے لگا اور بعض نے ترقی پسند اضلاع کے لیے ترک سکونت شروع کردی۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کی زندگی محتاجوں کے قانون کے اس زیادہ سخت نظام کی وجہ سے زیادہ مصیبت میں گزرنے لگی لیکن بحیثیت مجموعی اس کی وجہ سے مزدوروں کے طبقے کے اندر خودداری کا احساس دوبارا پیدا ہونے لگا۔

اس نظام پر جو تنقید ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ سینیر اور چیڈوک کے خیالات سے غیر مطمئن تھے۔ اول الذکر جو "کلاسیکی" معاشیین کے زمرے میں شامل تھا چند بنیادی انسانی محرکات پر اعتقاد رکھتا تھا اور اپنے گروہ کے تمام دوسرے افراد کی طرح اپنے نظریوں میں انتہاپسندی سے کام لیتا تھا۔ اس کے نزدیک خودمختاری ایک بڑی چیز تھی لیکن اس کی کمزوریوں سے وہ پوری طرح واقف نہیں تھا۔ ناداری کو جو ایک مستقل حیثیت حاصل تھی اس کو وہ مشکل سے محسوس کرتا تھا اور جو بیچارے واقعی بدنصیب تھے ان کے ساتھ اسے بہت کم انسانی ہمدردی تھی۔

چیڈوک مرکزیت کا قائل تھا اور وہ چند لوگوں کے جذبات کو کل نظام کا تابع بنا کر رکھنا چاہتا تھا۔ اس میں اگرچہ دوراندیشی پائی جاتی تھی لیکن وہ اپنے اصولوں کی مخالفت کا مفہوم سمجھنے میں ناکام رہا کیونکہ وہ ان انسانی

جذبات کو نہیں سمجھ سکتا تھا جو اس مسئلے کی تنقیح میں مخفی طور پر کام کر رہے تھے۔ یہ بات یقینی تھی کہ مرکزی افسروں کا اقتدار جیسے ہی ختم ہوگا، رائے عامہ ان کے کام کو برباد کر دے گی۔ وہ اپنے آپ کو سب سے اول ایک افسر سمجھتا تھا۔ لیکن اصلاح کی جو کوششیں نیک نیتی پر مبنی ہونے کے باوجود، احساس برتری کے ساتھ کی جاتی ہیں ان پر تنقید ہوتی ہی ہے۔

غرض، سینیر اور چیڈوک کا نقطۂ نظر جس کے ماننے والے ہمارے زمانے میں اب بھی موجود ہیں یہ تھا کہ محتاجوں کے نئے قانون نے اس نگرانی کو دوبارہ قائم کر کے جو اس نظام کے منتظمین پر سے اٹھارویں صدی کی احمقانہ ہمدردی کی وجہ سے اٹھالی گئی تھی، الزبتھ کی پالیسی کو دوبارہ رواج دیا اور اسی طرح انگلستان کے مزدور پیشہ طبقے کے اخلاقی انحطاط کو روک دیا۔

لیکن یہ نقطۂ نظر اس بنیادی فرق کو نظر انداز کر دیتا ہے جو سنہ ۱۶۰۱ء کے انگلستان اور سنہ ۱۸۳۴ء کے انگلستان میں پایا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ گلبرٹ کے قانون سے پالیسی کی تبدیلی نمایاں ہو جاتی ہے اور سنہ ۱۷۹۵ء کے قانون نے ارادۂ سنہ ۱۷۲۲ء کی پالیسی کے برعکس پالیسی کو اختیار کیا۔ لیکن یہ تبدیلی غلط ہمدردی کی بنا پر نہیں تھی بلکہ یہ ان نئی معاشی قوتوں کا نتیجہ تھی جن کے مستقبل میں ترقی پا جانے کا، الزبتھ کے زمانے کے قانون سازوں کو کبھی وہم و گمان بھی نہیں ہوا تھا۔

بے روزگاروں کے لیے، امدادی کاموں کو نکالنے کے لئے جو تدبیریں الزبتھ کی حکومت کے آخری سالوں میں اختیار کی گئی تھیں وہ زراعتی مزدوروں پر اس لیے منطبق نہیں کی جا سکتی تھیں کہ جن زراعتی مزدوروں کو روزگار نہیں ملتا تھا انھیں یا تو کاہل سمجھا جاتا تھا یا آوارہ گرد۔ لیکن اٹھارھویں صدی کے خاتمے تک احاطہ بندی کے نتیجے کے طور پر جو نئے معاشی معاملات پیدا ہوئے تھے اور زراعتی اجرتوں میں ان کے ساتھ جو مطابقت پیدا نہ ہو سکتی تھی۔ اس نے دیہاتی مزدوروں کو اس بدنصیبی کی حالت میں مبتلا کر دیا تھا جس میں بغیر امداد لیے ان کی زندگی دشوار تھی۔ اس کے بہت سے عارضی علاج تجویز کئے گئے تھے جن میں وہیٹ بریڈ کے کمترین اجرت کے مسودۂ قانون سے لے کر ہر مزدور کے

جھونپڑے کے ساتھ ایک قطعۂ اراضی دیے جانے اور گیہوں کی روٹی کی جگہ آلو کھانے کی تجاویز تک سب ہی شامل ہیں۔ لیکن اس کا صحیح علاج یہ تھا کہ اجرتوں کو بڑھایا جائے اور اگر یہ نہیں تو پھر اسپین ہم لینڈ کی پالیسی کے علاوہ کوئی دوسرا چارۂ کار نہیں تھا۔

محتاجوں کے نئے قانون کا مقصد، جنوب کے دیہی علاقوں میں تو پورا ہوگیا کیونکہ بٹنے کے نظام کے التوا کے ساتھ ساتھ، ریلوں کی تعمیر اور ارکان کنی کی صنعتوں میں مزدوروں کی طلب بھی پیدا ہوئی اور کام گھر یا فاقے کا دوسرا بدل صرف نقل سکونت ہی نظر آتا تھا۔ لیکن یہ قانون مڈلینڈس اور شمال کے شہری اور صنعتی علاقوں میں جہاں اس نے نشویت کی تحریک کے پھیلانے میں براہ راست مدد پہنچائی بہت کم کامیاب ثابت ہوا۔

وجہ یہ تھی کہ غریبی کے مسئلے کے اسباب، جس کی اہمیت صنعتی شہروں میں بڑھتی جارہی تھی، دیہی علاقوں کے اسباب سے، جن کا مقابلہ کرنے کے لیے نیا قانون بنایا گیا تھا بہت زیادہ مختلف تھے۔ ۱۸۳۴ء تک فیکٹری میں کام کرنے والے مزدور بین الاقوامی بازار کے اس اتار چڑھاؤ کے پابند ہوگئے تھے جس کا تلون ان کے ذاتی اختیار سے بالکل باہر تھا۔ مشین کے ذریعے جو مال پیدا کیا جاتا تھا اس میں کام کے ہر جزو کا انحصار دوسرے پر ہوتا تھا۔ اس کی وجہ سے محنت کی تخصیص کار میں جو اضافہ ہو رہا تھا، اس نے روزگار میں ایسا عدم ثبات پیدا کر دیا تھا جس سے سولھویں اور سترھویں صدی کے لوگ بالکل ناواقف تھے۔ اس لیے یہ فرض کرنا ایک ظلم آمیز مغالطہ تھا کہ روزگار ان سب لوگوں کو میسر آسکتا ہے جو اس کے حاصل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور اس کی تلاش کے لیے آمادہ ہیں۔ دراصل یہی وہ مغالطہ تھا جس کی وجہ سے محتاجوں کے قانون کی بعد کی تاریخ ۱۸۳۴ء کے بنیادی اصولوں سے برابر منحرف ہوتی چلی گئی۔

۹۔ بعد کی تاریخ؛ لوکل گورنمنٹ بورڈ نئے قانون کے انتظام کے لیے، جو مرکزی حاکم با اختیار جواب دہ بنایا گیا تھا، اس کا تقرر، ابتدا میں، صرف پانچ سال کے لیے کیا گیا۔ اس زمانے میں اس کی مخالفت اتنی شدید رہی

کہ اس کو برابر سخت جنگ جاری رکھنا پڑی اور یہ اپنے اثر کو پارلیمنٹ میں محسوس نہیں کرا سکا۔ سنہ ۱۸۴۷ء میں محتاجوں کے قانون کا ایک بورڈ بنایا گیا۔ اس کو ایک زوردار صدر مل گیا، پارلیمنٹ میں اس کی نمائندگی ہونے لگی اور گورنمنٹ کے ساتھ اس کا تعلق قائم کر دیا گیا۔ یہ بورڈ، پارلیمنٹ کے ارکین باعتبار عہدہ[1] پر مشتمل تھا۔ سنہ ۱۸۷۱ء میں محتاجوں کے قانون کا انتظام اس لوکل گورنمنٹ بورڈ کے ماتحت کر دیا گیا جو نیا نیا بنایا گیا تھا۔ یہ بورڈ ماہروں کی کمیٹی نہیں تھی بلکہ اس کا صدر برسر اقتدار سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا زمانۂ صدارت با اقتدار حکومت کے زمانے کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔

گزشتہ صدی میں محتاجوں کے قانون کے حالات، خارجی تبدیلیوں کے پابند رہے۔ سنہ ۱۸۳۲ء کے اصلاحی مسودۂ قانون کے بعد، لوگوں نے، زیادہ تعداد میں پبلک معاملات سے دلچسپی لینا شروع کر دی جس کی وجہ سے نیا انتظام زیادہ روشن خیال لوگوں کے زیر نگرانی چلایا جانے لگا۔ پرانی غیر ذمہ دارانہ تنقیدیں بھی کم ہو گئیں۔ زمانہ سخت تھا۔ پھر بھی ایک مشکل اصلاح کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ سنہ ۱۸۴۲ء کے بعد کے ابتدائی سالوں میں جب حالات کچھ بہتر ہوئے تو سنہ ۱۸۴۴ء میں خارجی امداد کی ممانعت کا حکم جاری کیا گیا۔ سنہ ۱۸۴۷ء کے بحران کی وجہ سے جو مصیبت نازل ہوئی اس نے ناداری کو بڑھا دیا اور اس کے لیے محتاجوں کے قانون کا بورڈ بنانا پڑا۔ سنہ ۱۸۵۰ء کے بعد کے ابتدائی سالوں میں تجارت کی ترقی کی وجہ سے، خارجی امداد پر نگرانی رکھنے کا حکم جاری کیا گیا۔ لیکن کریمیا کی جنگ کی وجہ سے ناداری میں دوبارہ اضافہ ہو گیا۔

لیکن سنہ ۱۸۳۴ء کے بنیادی اصولوں پر کبھی بھی پوری طرح عمل نہیں ہوا۔ کمشنر، برتاؤ میں یکسانیت پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے اور خارجی امداد کو منسوخ کرانے میں بھی وہ ناکام رہے۔ برتاؤ کا کوئی ایسا معیار مقرر کرنا، جس کے ذریعے سے ایک نادار شخص کو محنت کش مزدور کے مقابلے میں خراب

[1] Ex- Officis (Parliamentary) Members

حالت میں رکھا جا سکتا، عملاً ناممکن ثابت ہوا۔ اسی طرح محتاجوں کے قانون کی رپورٹ میں جو یہ اصول رکھا گیا تھا کہ، بوڑھوں، معذوروں اور بچوں کو علٰحدہ علٰحدہ جگہوں میں رکھا جائے اس پر بھی عمل نہیں ہوا۔ مڈلینڈس اور شمال کے صنعتی شہروں میں جو اسباب افلاس کے موجب تھے وہ جنوب کے دیہی مسائل سے اس درجے مختلف تھے کہ کمشنر اس قانون کو عملی جامہ پہنانے کے لیے درمیانی طریقہ اختیار کرنے کے لیے مجبور ہو گئے اور اس لحاظ سے سنہ ۱۸۴۷ء سے لے کر سنہ ۱۸۷۱ء تک پالیسی میں کوئی ہمہ گیر تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

سنہ ۱۸۷۱ء اور سنہ ۱۹۰۵ء کے درمیان "سرپرستوں کے بورڈ" پر، جن کے ذمے سنہ ۱۸۳۴ء کے ایکٹ کے ذریعے، محتاجوں کی امداد کا مقامی انتظام منتقل کیا گیا تھا، مرکزی افسروں نے دو مخالف طریقوں سے اثر ڈالا۔ سنہ ۱۸۷۱ء تا سنہ ۱۸۸۵ء کے زمانے میں تو لوکل گورنمنٹ کے بورڈ نے اپنے انسپکٹروں کے ذریعے یہ کوشش کی کہ سنہ ۱۸۳۴ء کے اصول کی سخت پابندی کرائے۔ چنانچہ خارجی امداد کو کم اور مختلف اتحادی مرکزوں کے حالات یکساں کرنے کے لیے مستقل اور مسلسل طور پر دباؤ ڈالا گیا۔ سنہ ۱۸۸۶ء کے بعد اس پالیسی میں ترمیم کی گئی۔ ایک طرف اگر آوارہ گردوں اور عام مسافروں کے خلاف سنہ ۱۸۳۴ء کے اصول سختی کے ساتھ عائد کئے گئے تو دوسری طرف ان طبقوں کے ساتھ جو وقتاً فوقتاً تجارت کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے محتاج ہو جاتے تھے، زیادہ ہمدردی کا سلوک کیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ہمدردانہ جذبے کو ترقی دینے میں مسٹر بوتھ کی ان علمی تحقیقاتوں نے بہت مدد دی جو انھوں نے لندن کے غربا کے درمیان رہ کر کیں۔ انھوں نے یہ ثابت کیا کہ لندن کی تیس فی صد آبادی مستقل طور پر غریبی کی حالت میں زندگی بسر کر رہی ہے اور محنت کش طبقوں میں جن لوگوں کی عمر ۶۵ سال سے زیادہ ہے، ان میں سے چالیس فی صدی سے زیادہ لوگ، سال کے کسی نہ کسی حصے میں محتاجوں کے قانون کے ماتحت امداد حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اس کے کچھ سال بعد سنہ ۱۹۰۱ء میں "راؤنٹری" نے اسی قسم کی ایک تحقیقات کے نتائج کو جو شہر یارک سے متعلق تھے شایع کیا اور اس میں انھوں نے دکھلایا کہ معقول

زندگی کا جو کمترین معیار ہو سکتا ہے، اٹھائیس فی صدی آبادی اس سے کمتر زندگی بسر کر رہی ہے۔ دنیا کے سب زیادہ دولت مند ملک کی سماجی زندگی میں جو گھن لگا ہوا تھا اس کے ان انکشافات سے بڑی اخلاقی بے چینی پیدا ہوئی۔ افلاس کے پورے مسئلے کی دوبارہ تحقیقات کرنے کے لیے ایک کمیشن ۱۹۰۵ء میں مقرر کیا گیا جس نے ۱۹۰۹ء میں اپنی رپورٹ شایع کی۔ اس میں نظام کی خرابی کا ذمہ دار کمزور انتظام نظم کا فقدان۔ اور مرکزی قوت پر عدم اعتماد کو قرار دیا گیا۔ لوکل گورنمنٹ کا بورڈ اگر چاہتا تو کام میں باقاعدگی اور معائنہ اور حساب کی جانچ پڑتال کا انتظام کر کے بہت کچھ نگرانی کر سکتا تھا۔ لیکن اسے مقامی حکام سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

رپورٹ نے بلند تر نصب العینوں کو پیش کیا۔ اس نے علاج اور پیشگی تحفظ پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت بتلائی۔ چنانچہ اسی بنا پر یہ سفارش کی گئی کہ اگر امداد لینے والے کے رہنے سہنے کی عادتیں ایسی ہوں کہ جن سے اصلاح کا امکان پایا جاتا ہو تو خارجی امداد ضرور دینا چاہیے۔ لیکن اس قسم کی امداد تندرست آدمیوں کو آیندہ سے بغیر شرائط کے ہرگز نہ دی جائے۔

کچھ سفارشیں تمام اراکین کمیشن نے کی تھیں۔ یعنی سرپرستوں کے بورڈ کو منسوخ کیا جائے۔ انتظام کے رقبے کی توسیع اس طرح کی جائے کہ "متحدہ علاقہ" کی جگہ ضلع اور ضلع نما علاقے لے لیں اور مشترکہ کام گھروں کی جگہ طبقہ وارانہ اداروں کا انتظام کیا جائے۔ دوسری ایسی سفارشیں جن پر کامل اتفاق رائے تھا یہ تھیں کہ بوڑھوں کے لیے پنشن کا انتظام کیا جائے مزدور صرافہ[1] قائم کی جائے اور اس کے ساتھ سرکاری طور پر بیماری اور بے روزگاری کا بیمہ کیا جائے اور کام گھروں سے بچوں کو علیحدہ کرایا جائے۔

ان کے علاوہ اکثریت نے جن سفارشوں کو منظور کیا وہ یہ تھیں کہ سرپرستوں کے بورڈ کی جگہ، سرکاری امداد کے افسروں کا تقرر کیا جائے رضاکارانہ امدادی کونسلوں اور رضاکارانہ امدادی کمیٹیوں کو قائم کیا جائے تاکہ وہ امداد عامہ اور خیرات کے

[1] Labour Exehanges

درمیان واسطے کا کام انجام دیں۔ ضلع اور مقامی طبی امداد کی کمیٹیاں بنائی جائیں تاکہ عاقبت اندیشی کے اصول پر طبی امداد کا انتظام کیا جا سکے۔ خارجی امداد ضرورت کے مطابق ہو اور مناسب نگرانی کے ماتحت کی جائے کیس پیپر سسٹم[2] کو اختیار کیا جائے اور ایک محکمۂ امداد عامہ[1] قائم کیا جائے۔

اقلیت والی رپورٹ کی سفارش یہ تھی کہ معذور لوگوں کے معاملات کا فیصلہ، ضلع اور ضلع نما علاقوں کی کونسلوں کی موجودہ کمیٹیوں یعنی تعلیم کمیٹی، صحت کمیٹی اور معذور خانہ کمیٹی وغیرہ کے ہاتھ میں رہے۔ ان کمیٹیوں کے کام پر حکومت کے مناسب محکمے نگرانی کرتے رہیں۔ تندرست محتاجوں کے بارے میں اقلیت کی سفارش یہ تھی کہ ان کو ایک جداگانہ اور مخصوص افسر کے سپرد کر دیا جائے۔ بے روزگاری پر نگرانی مزدوروں کے وزیر کے سپرد کی جائے اور امداد عامہ کے رجسٹرار، مقامی علاقوں کے لیے مقرر کیے جائیں تاکہ افسروں کے کام مخلوط نہ ہو جائیں۔

اقلیت کی رپورٹ میں، اکثریت سے اصولی اختلاف کیا گیا تھا۔ یہ اقلیت امداد کے نظام سے ناداری کے شائبے تک کو دور کرنا چاہتی تھی۔ اس کی رائے یہ تھی کہ اگر کوئی بدنصیب شہری، ان صنعتی اسباب کی وجہ سے جن پر اس کا کوئی اختیار نہیں ہے اپنی روزی سے محروم ہو جائے تو اس کو مملکت سے امداد کا مطالبہ کرنے کا پورا حق حاصل ہونا چاہیے۔

لیکن اس رپورٹ کی سفارشوں کی بنیاد پر، بحیثیت مجموعی کوئی نیا قانون اس وقت تک نہیں بنایا جا سکا جب تک کہ جنگ عظیم نے نئے مسائل کو پیدا نہیں کر دیا۔

---

[1] Public Assistance Service

[2] Case paper System

۲۔ تعلیم

۱۰۔ سنہ ۱۸۰۲ئہ میں تعلیم کی حالت، بل اور لنکاسٹر

مزدور پیشہ طبقوں کی ابتدائی تعلیم کا آغاز اس وقت ہوا جب اٹھارویں صدی کے شروع میں پلی متعہ کے کام گھر میں نادار بچوں کو تعلیم دینے کے لیے ایک سمجھ دار استاد کا تقرر کیا گیا۔ پیل کے فیکٹری کے قانون کے ذریعے جس میں آجر کے لیے یہ بات ضروری قرار دی گئی تھی کہ وہ کارآموزی کے ابتدائی چار سالوں میں، پڑھنے لکھنے اور حساب سکھانے کا مناسب انتظام کرے، ترقی کی طرف ایک اور اہم قدم اٹھایا گیا۔ قانون کی اس دفعہ کا نفاذ عام طور پر نہیں کیا گیا۔ لیکن اس سے اس بات کا ضرور اظہار ہوتا تھا کہ حکومت تعلیم کے معاملے میں اب اپنی ذمہ داری کو تسلیم کرنے لگی ہے۔

تعلیم کے معاملے میں جن لوگوں نے پیش قدمی سے کام لیا، ابتدائی مدرسوں کے قیام کو ضروری سمجھا اور ایک ہمہ گیر نظام کو ترقی دینا چاہا ان میں بل اور لنکاسٹر کے نام نہایت نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان لوگوں کو تعلیم کے دو بڑے تنظیمی اداروں سے جن کی بنیاد انیسویں صدی کے شروع میں رکھی گئی تھی بہت بڑی مدد ملی۔ ایک تو برطانوی اور غیر ملکی اسکولوں کی انجمن (سنہ ۱۸۰۸ئہ) اور دوسری قائم کلیسا کے اصولوں پر غریبوں کی تعلیم کو ترقی دینے والی قومی انجمن (سنہ ۱۸۱۱ئہ)۔

۱۱۔ تعلیمی عطیے ۱۸۳۳ئہ: اعلیٰ تعلیم۔

جو ابتدائی مدرسے پہلے پہل قائم ہوئے ان کو پوری طرح رضا کارانہ چندوں اور مدرسوں کی فیس سے چلایا جاتا تھا۔ سنہ ۱۸۳۳ئہ میں، حکومت نے پہلی مرتبہ بیس ہزار پونڈ کا

ایک علیہ، مدرسے کی نئی عمارتیں بنانے کے لئے منظور کیا اور اس علیے کو ان دو تعلیمی انجمنوں کی سفارش پر جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے تقسیم کیا گیا۔

یہ ابتدائی مدرسے ایک حد تک پیشہ ورانہ تعلیم کے مدرسے تھے۔ عام تعلیم کے مبادیات کی تعلیم دینے کے علاوہ، یہ بچے کے آیندہ ہونے والے ذریعۂ معاش کی طرف بھی کچھ توجہ دیا کرتے تھے۔ یہ خیال نیا نہیں تھا۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے محتاجوں کے قانون کے نظریے کا یہ ایک لازمی جزو تھا۔ ۱۸۳۹ء میں تعلیمی علیے کو بڑھا کر تیس ہزار پونڈ کر دیا گیا اور اس کا انتظام پریوی کونسل کی ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا اور امدادی اسکولوں کا معائنہ بھی شروع کر دیا گیا۔

۱۸۳۰ء تا ۱۸۵۰ء کے زمانے میں، ان دو تعلیمی انجمنوں نے ملک کے مختلف حصوں میں، استادوں کی تعلیم کے کالج قائم کیے تاکہ مدرسوں کے اسٹاف میں، اعلیٰ تعلیم پائے ہوئے اور تعلیم کے طریقوں سے باقاعدہ طور پر واقف استادوں کو رکھا جا سکے۔ اسی کے ساتھ ساتھ، بنتھم اور پلیس کے زیر اثر، نئے گریڈ کے مدرسے کھولنے کی تحریک کو بھی چلایا گیا جن کا نصاب پہلے ابتدائی تعلیم کے مدرسوں سے زیادہ بلند تھا۔

۱۲۔ تعلیم ۱۸۷۰ء تا ۱۸۷۰ء ۱۸۶۱ء کا مرممہ ضابطہ۔

آیندہ کے تیس سالوں میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوا کہ قائم کلیسا اور غیر مقلدوں کے درمیان، نظام تعلیم پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے، ایک کشمکش جاری رہی۔ اس باہمی رقابت اور حکمراں طبقے کے عدم مداخلت کے رویے کا مشترکہ نتیجہ یہ نکلا کہ سرکاری مدرسوں کا قیام تاخیر میں پڑ گیا اور یہ ۱۸۷۰ء تک قائم نہ ہو سکے۔

۱۸۴۴ء میں جب فیکٹری کا قانون منظور ہوا تو اس کے ساتھ نصف وقت کے مدرسوں کا نظام بھی آہستہ آہستہ فیکٹری کے انسپکٹروں کے زیر اثر نمودار ہونے لگا۔ اور ۱۸۶۰ء تک تعلیم کی مانگ ان کی رپورٹوں کے بموجب اتنی زیادہ ہو گئی کہ اختیاری طریقے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے

ناکافی ثابت ہوا۔ ۱۸۵۸ء میں تعلیمی تحقیقات کے لیے ایک شاہی کمیشن کا تقرر کیا گیا اور کمیشن کی سفارشوں کو رابرٹ لو کے جاری کیے ہوئے ترمیم شدہ ضابطے میں شامل کر دیا گیا۔ نئے ضابطے نے ابتدائی مدرسوں کو پابند کر دیا کہ وہ صرف تعلیم کے مبادیات تک اپنی توجہ کو محدود رکھیں اور نتائج کے مطابق امداد دینے کے طریقے کو رائج کر دیا۔

۱۳۔ ۱۸۷۰ء کا ابتدائی تعلیم کا قانون۔

نئے ضابطے پر ابھی صرف چند ہی سال عمل ہوا تھا کہ ایک اہم ترین معاشری تبدیلی رونما ہوئی یعنی ۱۸۶۷ء کا ڈزرئیلی کا قانون اصلاحات۔ جس کی وجہ سے سیاسی طاقت کا پلڑا مزدوروں کی طرف جھک گیا۔ چنانچہ جمہوریت کے اس آغاز کا عکس ڈبلیو۔ ای۔ فارسٹر کے ۱۸۷۰ء کے تعلیمی نظام میں نظر آیا۔ اس کے اندر پرانے طبقے وارانہ نظام کے پہلو بہ پہلو، اسکول کے انتخابی بورڈ بھی قائم کیے گئے اور ان بورڈوں کو مقامی محاصل کے ذریعے مدرسوں کو بنانے اور چلانے کا بھی اختیار دیا گیا اور پانچ سال سے تیرہ سال تک کی عمر کے تمام بچوں کے لیے مدرسے کی حاضری کو لازمی قرار دے دیا گیا۔ ابتدائی تعلیم کے مقصد کو سامنے رکھ کر، سارے ملک کو ضلعوں، ضلع نما علاقوں، کلیسائی حلقوں کے گروہوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر ایک کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ اپنے ضلع کی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب ضمنی قوانین تیار کریں۔ ابتداً ان لازمی حاضری کی دفعات کے نفاذ کی صرف اجازت دی گئی اور جہاں ان پر عملدرآمد شروع کیا گیا وہاں بے شمار قسم کی معافیوں کو جائز رکھا گیا۔ بورڈ کے یہ مدرسے غیر مذہبی ہوتے تھے اور ان میں تھوڑی سی فیس لی جایا کرتی تھی۔

۱۸۷۵ء اور ۱۸۸۰ء میں اجازتی دفعات میں ترمیم کی گئی اور جبری طریقۂ تعلیم براہ راست اختیار کر لیا گیا۔ ۱۸۹۱ء میں، لارڈ سالسبری کی حکومت نے ان ابتدائی مدرسوں میں جن کو سرکاری امداد ملتی تھی، تعلیمی فیس منسوخ کر دی۔ اور ۱۸۹۶ء میں سرکاری امداد ان خانگی مدرسوں کو دی جانے لگی جو انسپکٹر کی

پہنچ چکے تھے۔

رپورٹ کے مطابق کارگزاری کے ایک خاص معیار تک
انیسویں صدی کے گزشتہ تیس سالوں میں، زیادہ تر ہربرٹ اپنسر اور ہکسلے کی تصانیف کے زیر اثر، ابتدائی تعلیم کے نصاب کو دوبارہ وسعت دی گئی اعلیٰ تر درجوں کے ایسے مدرسے بنائے گئے جن میں طلبہ کے اندر سائنس کا رجحان پیدا کیا جاتا تھا اور اس تحریک کو ۱۸۸۹ء کے ٹیکنیکل تعلیم کے ایکٹ سے اور زیادہ تقویت حاصل ہو گئی۔ اس کی رو سے نئے قائم شدہ ضلع کونسلوں اور دوسرے مقامی اداروں کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ فنی یا دستی تعلیم کا یا تو خود انتظام کریں یا اس کے انتظام کی بہم رسانی میں امداد دیں۔ ۱۸۹۵ء کے شاہی کمیشن نے ثانوی تعلیم کے سرکاری نظام کی سفارش کی اور یہ بھی سفارش کی کہ تعلیمی نگرانی کے لیے ایک مرکزی حاکم کا تقرر کیا جائے۔ ۱۸۹۹ء کے بورڈ آف ایجوکیشن ایکٹ کے ذریعے اس سفارش کو عملی جامہ پہنایا گیا اور تعلیمی محکمہ، سائنس اور آرٹ کے محکمے اور (تعلیمی اوقاف کے سلسلے کے) خیراتی کمیشن — ان سب کو نئے قائم کیے ہوئے تعلیمی بورڈ میں متحد کر دیا گیا۔

۱۹۰۲ء کا تعلیمی ایکٹ۔

۱۹۰۱ء میں کاکرٹن کے مقدمے میں جو عدالتی فیصلہ سنایا گیا اس سے اعلیٰ تعلیم کی ترقی میں بری طرح رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ فیصلہ یہ تھا کہ اسکول کے بورڈوں نے محاصل کے ذریعے جمع کی ہوئی رقم کو ان کاموں پر خرچ کر کے جن کا ذکر ضابطے میں نہیں کیا گیا تھا اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے۔ اس مشکل کو ۱۹۰۲ء کے تعلیمی ایکٹ نے حل کر دیا۔ اس کے ذریعے سرکاری امداد پائے ہوئے مدرسوں کی مقامی نگرانی کو ضلع اور ضلع نما علاقوں کی کونسلوں کے سپرد کر دیا گیا۔ اور ان کی طرف سے جو تعلیمی کمیٹیاں مقرر کی جاتی تھیں وہ اب اسکول کے ان بورڈوں کی جگہ کام کرنے لگیں جن کا انتخاب خاص طور پر کیا جایا کرتا تھا۔ اونچے درجے رکھنے والے پرانے درسوں کو، کونسل کے ثانوی مدرسوں میں تبدیل کر دیا گیا جو پرانے گریمر اسکولوں سے اس لحاظ سے مختلف ہوتے تھے کہ ان میں جدید علوم کے مطالعے پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔

سنہ ۱۹۰۲ء کے ایکٹ کی اہمیت پر جتنا بھی زور دیا جائے وہ کم ہے۔ اس سے ایک حقیقی قومی تعلیم کے نظام کا آغاز ہوتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں جسمانی زوال کے کمیشن کی سفارشوں پر جب عملدرآمد شروع کیا گیا تو غذا فراہم کرنے والے ایکٹ کے ذریعے، مقامی حکام کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ ان بچوں کو جو ابتدائی مدرسوں میں تعلیم کی غرض سے آتے تھے، غذا فراہم کریں اور ان والدین سے جو ادا کرنے کے اہل ہوں اس کی قیمت وصول کرلیں۔ ایک اور دوسری دور رس اصلاح سنہ ۱۹۰۷ء میں اس ایکٹ کے ذریعے سے کی گئی جس میں ابتدائی مدرسے کے بچوں کے لیے طبی امداد اور علاج کا انتظام معنت کردیا گیا۔ یہ نیا انتظام اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ جسمانی زوال کے کمیشن کی تحقیقات سے یہ ثابت ہوا تھا کہ طالب علموں کی ایک بہت بڑی تعداد خراب تغذیہ اور آنکھوں، کانوں اور دانتوں کی خرابی میں مبتلا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک دوسری کڑی سنہ ۱۹۰۸ء کا بچوں کا ایکٹ تھا جس میں بچوں کے ہاتھ شراب اور تمباکو فروخت کرنا ممنوع قرار دیا گیا تھا اور جس کے ذریعے، نو عمر جرم کرنے والوں کے لیے مخصوص عدالتوں اور آزمائشی رہائی کے افسروں کا تقرر کیا گیا تھا اور صنعتی اسکولوں پر نگرانی قائم کی گئی تھی۔ اس کے بعد پھر سنہ ۱۹۱۸ء تک کوئی اہم تعلیمی تبدیلی نہیں ہوئی۔

۴۔ صحت عامہ اور فراہمی مکان

۱۵۔ تمہید صنعتی انقلاب کی ابتدائی منزلوں میں، نئے شہروں کی جو بے روک ٹوک ترقی ہوتی رہی، اس نے صحت عامہ کے مسئلے اور کسی منظم کارروائی کو اختیار کرنے کی ضرورت کی طرف سب لوگوں کو متوجہ کردیا۔ سنہ ۱۸۳۸ء میں ڈاکٹر ارناٹ، سر جیمس کے ٹنل ورتھ اور ساؤتھ ووڈ اسمتھ نے، محتاجوں کے قانون کے کمشنروں کے پاس، لندن کی بیماریوں اور اموات کے اسباب کی رپورٹ روانہ کی۔ اس کے دوسرے سال، ان کمشنروں نے

لارڈ جان رسل، وزیر داخلہ کو دار السلطنت کی غیر صحت بخش حالت کی طرف متوجہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۳۹ء میں ایک سلیکٹ کمیٹی کا تقرر کیا گیا جس نے ۱۸۴۳ء میں ایک رپورٹ صحت اور صفائی کے ان حالات کے بارے میں جن میں برطانیۂ عظمیٰ کے مزدور پیشہ طبقے زندگی گزار رہے تھے پیش کی۔

اس رپورٹ پر پارلیمنٹ میں جو مباحثے ہوئے ان کی بنا پر انگلستان کے شہروں کی تندرستی کی حالت کے بارے میں تحقیقات کرنے کے لیے ایک شاہی کمیشن کا تقرر کیا گیا جس نے ۱۸۴۵ء میں اپنی رپورٹ پیش کی۔ جب رپورٹ شایع ہوئی اتفاق سے ان ہی دنوں میں ایشیائی ہیضے کی سخت وبا بھی پھیلی اور بنتھم کے پیرؤوں کے زیر اثر ۱۸۴۵ء اور ۱۸۴۷ء کے درمیان ماڈل کلازیز کے قوانین منظور کیے جن میں کا ایک قانون مثال کے طور پر ٹاون امپروومنٹ کلازیز ایکٹ بھی تھا۔

۱۶۔ ۱۸۴۸ء کا صحت عامہ کا قانون دوسرے قوانین۔

لیکن صحت وصفائی کے بارے میں باقاعدہ قانون سازی کا سلسلہ ۱۸۴۸ء کے حفظان صحت کے قانون ہی سے شروع ہوا جس کا محرک زیادہ تر ایڈون چیڈوک تھا جو ایک زمانے میں جرمی بنتھم کا پرائیوٹ سکریٹری رہ چکا تھا۔ اس قانون کی رو سے ایک جنرل بورڈ آف ہیلتھ پانچ سال کے لیے بنایا گیا اور اس کو اختیار دیا گیا کہ وہ ایسے مقامی بورڈ آف ہیلتھ بنائے جن کے اختیارات صحت وصفائی کے سلسلے میں خاصے وسیع ہوں۔ اس کے دس سال بعد، مرکزی بورڈ کے اختیارات کو ہوم آفس اور پریوی کونسل کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ جو تجارتی بورڈ کے ذریعے اپنا کام انجام دیتے تھے۔ ۱۸۷۵ء کے صحت عامہ کے قانون کے ذریعے شہری علاقوں میں، صحت وصفائی کے اختیارات، لوکل بورڈوں، ضلع نما علاقوں اور ٹاؤن امپروومنٹ کمیشنوں کو تفویض کر دیے گئے۔ اور دیہی علاقوں میں، سرپرستوں کے بورڈوں کو صفائی کا افسر بنا دیا گیا۔ ۱۸۸۲ء میں جب منوسپل کارپوریشن کے قانون نے شہر کی مقامی حکومت کو از سر نو تعمیر کیا تو ضلع نما

علاقوں کی کونسلوں کو صفائی کے اختیارات سپرد کیے گئے اور سنہ ۱۸۹۴ء میں ضلعوں میں سرپرستوں کو جو صفائی کے اختیارات ملے ہوئے تھے وہ شہری اور دیہی ضلع کونسلوں کو منتقل کر دیے گئے۔

۱۷۔ سنہ ۱۸۷۵ء کا صحت عامہ کا قانون۔

موجودہ زمانے میں ہمارے یہاں صفائی کا جو ضابطہ پایا جاتا ہے وہ سنہ ۱۸۷۵ء کے قانون پر مبنی ہے جس کے ذریعے پچھلے تیس سالوں کے صفائی کے جملہ قوانین کو یک جا کر دیا گیا ہے۔ اس قانون نے ان مقامی بورڈوں کی ذمہ داریوں میں جنھیں سنہ ۱۸۹۴ء کے قانون کے ذریعے، شہری ضلع کونسل بنا دیا گیا تھا، اور زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔ اس قانون کے تحت افسران متعلقہ کا یہ فرض ہے کہ وہ نالیوں اور موریوں کی نگرانی اور انتظام کریں، گلیوں، سڑکوں اور گڑھوں کی صفائی کرائیں، رہائشی مکانوں اور غذا کا معائنہ کرائیں، غلاظت اور ناگوار صنعتوں کی نگرانی کریں، پانی کی بہم رسانی کا انتظام کریں اور وبائی بیماریوں کے تدارک کے لیے ذرایع استعمال کریں۔

سنہ ۱۸۸۹ء اور سنہ ۱۹۱۰ء کے درمیان، متعدی بیماریوں کے بارے میں بہت سے قوانین منظور کیے گئے۔ متعدی بیماریوں کی اطلاع کو قانونی طور پر لازمی قرار دیا گیا اور دواخانے امراض متعدی قائم کیے گئے۔ زچگی، نگہداشت اطفال اور انسداد تپ دق کا کام بھی، صحت عامہ کی خدمات میں، سنہ ۱۹۰۸ء اور جنگ عظیم کے آغاز کے درمیانی سالوں میں شامل کر دیا گیا۔

۱۸۔ مزدور پیشہ طبقوں کی رہائش کا انتظام۔

ان نئے شہروں کی گندگی اور غیر صفائی کی وجہ سے جو صنعتی انقلاب کے زمانے میں برساتی مینڈکوں کی طرح نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے اور جن کی وجہ سے شہروں کے اندر وہ غلیظ اور تاریک محلے پیدا ہوئے جو آج بھی موجود ہیں، مکانوں کی اصلاح کا مسئلہ، صحت عامہ کے قانون کی طرح، نہایت ضروری ہو گیا تھا۔ سنہ ۱۸۴۴ء میں جب مزدور پیشہ طبقوں کے رہائشی مکانوں کی اصلاح کے لیے دار السلطنت میں ایک انجمن قائم کی گئی تھی، مزدور طبقے کے رہائشی

مکانوں کی اصلاح کا مسئلہ لوگوں کی نگاہ کے سامنے آگیا تھا۔ لارڈ شیفٹسبری اور شوہر ملکہ، دونوں نے اس تحریک سے دلچسپی ظاہر کی اور ۱۸۵۱ء میں ایک قانون منظور کیا گیا جس میں مقامی حکام کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ کاریگروں کے لیے منوسپلٹی کی طرف سے رہائشی مکانوں کا انتظام کریں۔ اسی سال مشترکہ رہائشی مکانوں کو سرکاری نگرانی کے ماتحت لے آیا گیا تھا اور ۱۸۵۵ء میں غلاظت کو دور کرنے کے قانون کے منظور ہو جانے کی وجہ سے یہ ممکن ہوگیا کہ تھوڑی سی جگہ میں مکانوں کی تعداد کو کثیر کرنے کے خلاف پابندی لگائی جائے اور ایسے مکانوں کو جنھیں انسانی بود و باش کے لیے غیر موزوں سمجھا جائے بند کر دیا جائے۔

اسی کے ساتھ ساتھ ایسے قوانین بھی بنائے گئے جن سے ان مکان بنانے والوں کی ہمت افزائی ہوتی تھی جو مزدوروں کی رہائش کے لیے مکان بناتے تھے۔ ۱۸۶۴ء میں رسکن اور مس آکٹے ویا ہل نے کرایہ وصول کرنے کی اپنی مثالی اسکیم کو شروع کیا اور پی باڈی اور واٹرلو نے ایک ہی عمارت میں بہت سے کرایے کے مکانوں[۱] کے نظام کو شروع کیا۔ ان میں ۱۸۸۱ء تک دو ہزار پانسو آدمی رہنے لگے تھے۔ ۱۸۶۸ء میں ٹارنس کے قانون کا منشا یہ تھا کہ موجودہ مکانوں کی اصلاح میں امداد دی جائے لیکن اس میں کوئی نمایاں کامیابی نہیں ہوئی اگرچہ لورپول کی کارپوریشن نے کچھ کوششیں گندے محلوں کو صاف کرنے کے لیے ضرور کیں۔

اس کے بعد دوسرا اہم قانون ۱۸۷۵ء کا کراس کا قانون تھا جس کی وجہ سے تعمیر اور انہدام کے وسیع اختیارات مقامی حکام کو مل گیے۔ برمنگھم میں چیمبرلین نے ان اختیارات سے خوب فایدہ اٹھایا۔ اس نے نہ صرف گندے مکانوں کے ایک کثیر الآباد علاقے کو ختم کر دیا بلکہ تعمیر کے ذیلی قوانین کا ایک اٹل نظام بھی رائج کر دیا۔ رہائشی مکانوں کے حالات کے بارے میں، شاہی کمیشن کی تحقیقات ہو جانے کے بعد، ۱۸۸۵ء اور ۱۸۹۰ء میں مزید قوانین بنائے گئے اور انیسویں صدی کے خاتمے تک، اصلاح کی اسکیموں کے سلسلے میں، تقریباً

[۱] Block Tenements

بیس لاکھ پونڈ کا قرضہ لیا جا چکا تھا۔

منصوبے کے مطابق شہر تعمیر کرنے کا قانون جو سنہ ۱۹۰۹ء میں منظور کیا گیا، فراہمی مکان کی تاریخ میں نہایت اہم مرتبہ رکھتا ہے۔ اس قانون کے محرک نجی اقدام کے مندرجۂ ذیل کارنامے ہوئے:- پورٹ سن لائٹ (سنہ ۱۸۸۸ء) بورن ویلا (سنہ ۱۸۸۹ء) اور مضافات شہر میں ہمپ سٹیڈ گارڈن (سنہ ۱۹۰۴ء)۔ اس قانون کی خاص دفعوں کے ذریعے مقامی حکام کو اختیار دیا گیا تھا کہ ایسی زمینوں کو خرید کر ترقی دیں جن میں مکانوں کے تعمیر کیے جانے کا امکان نظر آئے۔ فی ایکڑ زمین پر مکانوں کی تعداد مقرر کر دیں اور ان کی بلندی اور عام شکل کا بھی تعین کر دیں۔

چھوٹے مکانوں کی نجی تعمیر میں جو تخمین کی بنیاد پر کی جا رہی تھی، اس قانون نے اور اس سال کے بجٹ نے کس حد تک رکاوٹ پیدا کی۔ اس بات کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ لیکن سنہ ۱۹۱۲ء تک رہائشی مکانوں کی قلّت رسد کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے اور جنگ کے سالوں میں چونکہ مکانوں کی تعمیر بالکل رکی رہی تھی اس لیے مملکت مجبور ہوئی کہ سنہ ۱۹۱۸ء کی عارضی صلح کے بعد، محنت کش آبادی کی رہائش کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے لے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بڑی منوسپلٹیوں میں سے بیشتر نے سرکاری روپے کی کثیر رقموں کو رہائشی مکانوں کی ان جایدادوں کو ترقی دینے پر صرف کیا جو مضافات شہر میں پائی جاتی تھیں۔

۴۔ تندرستی اور بے روزگاری کا بیمہ

۱۹۔ معاشری بیمہ موجودہ زمانے میں تندرستی اور بے روزگاری کے بیمے کی جن دو خدمات کو شروع کیا گیا ہے انھیں دراصل ناداروں کی امداد کے مسئلے کا ہی تتمہ سمجھنا چاہیئے۔ انسداد ناداری کا مسئلہ، اگر اسے محض امداد دینے

سے علیحدہ کر کے دیکھا جائے، ٹیوڈر خاندان کے حکمرانوں ہی کے زمانے میں شروع ہو گیا تھا۔ کاریگروں کے قانون میں جو بنیادی اصول رکھے گئے تھے ان میں سے ''کم سے کم''، ایک یہ بھی تھا۔ صنعتی انقلاب کے زمانے میں محنت کے اندر جو تخصیص واقع ہوئی اور مشینی پیداوار میں جو ترقی ہوئی ان کی وجہ سے اس مسئلے نے اپنی موجودہ صورت اختیار کر لی۔ لوئی بلانک نے ۱۸۴۸ء میں پہلی مرتبہ، بے روزگاری کی برائیوں کو کم کرنے کی ایسی ٹھوس تجاویز پیش کیں، جن سے جماعت کی نگاہ میں آدمی ذلیل نہیں ہو جاتا تھا۔ ان تجاویز کی روح کو بسمارک نے اس لیے اختیار کر لیا تاکہ جرمنی میں اشتراکیت کا زور جو کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا اسے دور کر دیا جا سکے۔ اور سنہ ۱۹۱۱ء کی لبرل حکومت نے لائیڈ جارج کی سرکردگی میں جن قوانین کو منظور کیا ان کے سامنے بھی یہی نمونہ موجود تھا۔

پہلے بوڑھوں کے لیے پنشن منظور کی گئی۔ بوتھ کی تحقیقات اور جوزف چیمبرلین کی تقریروں نے، انیسویں صدی کے آخری ربع میں، جماعتی شعور کو بیدار کر دیا تھا۔ سنہ ۱۸۸۹ء میں پراویڈنٹ انشورنس کی ایک سلیکٹ کمیٹی کا تقرر زیادہ تر چیمبرلین کی تحریک پر کیا گیا اور سنہ ۱۸۹۳ء میں بوڑھے غریبوں کی تحقیق حالات کے لیے ایک شاہی کمیشن مقرر کیا گیا۔ دارالعوام نے ان بوڑھے غریبوں کی کفالت کو منظور کر لیا لیکن جنوبی افریقہ کی پریشانیوں کی وجہ سے یہ معاملہ التوا میں پڑ گیا۔

سنہ ۱۹۰۶ء میں حکومت میں جو غیر معمولی تبدیلی ہوئی اس کی وجہ سے یہ مسئلہ پھر اٹھایا گیا اور سنہ ۱۹۰۸ء میں بڑھاپے کی پنشن کے اولین مسودۂ قانون نے قانونی جامہ پہن لیا۔ حکومت نے برطانوی رعایا کے تمام ان افراد کے لیے جن کی عمر ستر سال تک پہنچ چکی ہو اور انگلستان میں جن کی سکونت بیس سال کی ہو اور جن کے ذرائع آمدنی اکیس پونڈ سالانہ سے زیادہ نہ ہوں پانچ شلنگ فی ہفتہ پنشن عطا کرنا منظور کر لیا۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں رشتۂ ازدواج میں منسلک مرد و عورت کے لیے کچھ اور رعایتیں منظور کی گئیں اور اہلیت کی مدت کو کم کر کے بارہ سال کر دیا گیا۔

سلاوائہ میں، قومی تندرستی کے بیمہ نے، قانونی شکل اختیار کرلی۔ لائیڈ جارج کی اسکیم، چند ستثنیات اور معافیات کے ساتھ، تمام صنعتی آبادی پر عام اور لازمی طریقے پر عائد کردی گئی۔ اس اسکیم کے مصارف کا بار مزدوروں، آجروں اور مملکت تینوں پر ڈالا گیا۔ اور اس ایکٹ کے ماتحت، طبی امداد، بیماری کے بھتے، زچگی کے زمانے کی مراعات وغیرہ کا انتظام کیا جانے لگا۔

بے روزگاری کے بیمے کا پہلا تجربہ بھی سلاواءٴ ہی میں کیا گیا۔ یہ قانون صرف ان صنعتوں پر عاید کیا گیا جن کے اندر روزگار میں بہت زیادہ اُتار چڑھاؤ ہوتا رہتا تھا مثلاً تعمیر، جہاز سازی اور مشین سازی کی صنعتیں۔ اس میں ۵ اشلنگ فی ہفتہ کے بھتے کی اجازت دی گئی اور زیادہ سے زیادہ پندرہ ہفتے فی سال کا بیمہ کیا گیا۔ اس قانون کا انتظام مزدور صرافہ کی معرفت کیا جاتا تھا جس کو اس سے پہلے سنہ۱۹ائہ میں قائم کیا جاچکا تھا۔

باب ۹

مزدور سبھا تحریک کی تاریخ

۱۔ اجرتیں۔ ابتدائی زمانے میں سب آدمی اپنی روزی زمین سے حاصل کرتے تھے۔ غذا اور رہائے قیام کو اپنی ذاتی کوشش سے براہ راست حاصل کیا جاتا تھا۔ بعد کو جب تخصیص یافتہ روزگار نمودار ہوئے تو دستکاروں کو رسمی اجرتیں ادا کی جاتے لگیں۔ لیکن اس کے بعد بھی جب کبھی وہ چاہتے تھے زمین کے کام پر دوبارہ واپس جا سکتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی اجرتیں اپنے ساتھیوں کے مقابلے میں کبھی بھی مستقل طور پر نہیں گھٹنے پاتی تھیں۔ مہذب ملکوں میں تقسیم عمل کو ہر جگہ اتنی وسعت حاصل ہوگئی تھی کہ آبادی کا ایک بڑا حصہ اجرت یا اس کے مساوی معاوضے پر کام کرنے لگا تھا۔ رومیوں کے زمانے میں، غلاموں کو اپنے آقا کی فرماں برداری کرنا پڑتی تھی اور ان کو غذا اور رہنے کی جگہ براہ راست طریقے پر، زر کے وسیلے سے کام لئے بغیر، آقا کی جیسی مرضی ہوتی تھی اس کے مطابق ادا کی جاتی تھی۔ جب انھیں غلام کی جگہ رعیت کی حیثیت نصیب ہوئی جیسا کہ انگلستان کی تاریخ کے ابتدائی زمانے میں ہوا تو بھی رعیت کے افراد اس پر مجبور رہے کہ اپنے مالک کے مطالبوں کو محنت کی صورت میں ادا کریں۔ اس کے علاوہ باقی دوسرے کاموں میں وہ معاشی لحاظ سے خود مختار ہوتے تھے اور اب بھی وہ زمین سے روزی حاصل کرتے تھے۔ ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ چھپر نشین کسان کس طرح

مزدور بن گئے۔ جب یہ تبدیلی ہو چکی تو پھر اجرت کا نظام وجود میں آگیا۔

ہر زمانے میں اجرتیں تین باتوں کے ماتحت مقرر ہوتی رہی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ زیر اثر طبقے کا معیار زندگی رواج کے مطابق کیا ہے دوسری یہ کہ کام کرنے والے لوگوں کی سیاسی یا معاشی طاقت کتنی ہے اور تیسری یہ کہ طلب و رسد کی قوتوں کا عمل کس طریقے پر ہو رہا ہے۔ انفرادی طور پر اجرتوں میں ہمیشہ فرق پایا گیا ہے لیکن اس سے ہمیں یہاں کوئی مطلب نہیں ہے اور اس کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے قائم حالت میں یا ایسی حالت میں جب زمین بافراط موجود ہو مثلاً نئے ملکوں میں یا مرکزی ایشیا جیسی کھلی جگہوں میں طلب اور رسد کے اثرات کا انحصار زیادہ تر موسموں، جنگوں اور وباؤں پر ہوا کرتا ہے اور ان کی وجہ سے جو تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں انھیں لانبی مدت کے مطالعے میں نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد اجرتوں کا دارومدار صرف معیار زندگی اور کام کرنے والے لوگوں کی طاقت پر رہ جاتا ہے۔

(۱) اجرت میں تبدیلیاں:۔ اوپر کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیاست کی زبردست تبدیلیوں یا دوسری تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ مزدوروں کی اجرتوں میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں، لیکن رسمی سطح میں تبدیلی اسی وقت تدریجی طور پر رونما ہوتی ہے جب لوگوں کی عادتوں میں مسلسل کوئی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ پر سکون زمانوں میں معاشی بے چینی بہت کم ہوتی ہے۔ ایک طبقے پر ظلم ہوتا رہتا ہے لیکن چونکہ اس کو اس سے بہتر حالت کا کوئی علم نہیں ہوتا اس لئے وہ مقابلہ کر کے نہیں دیکھ سکتا ہے۔ بدلتے ہوئے حالات یا تو ایک طبقے کو یہ بتلا دیتے ہیں کہ وہ کس طرح اپنی حالت کو بہتر بنا سکتا ہے یا پھر کچھ ایسی تبدیلیاں پیدا کر دیتے ہیں جو آبادی کے دوسرے اجزا کے لئے مضرت رساں ثابت ہوتی ہیں۔ دونوں حالتوں میں بے چینی رونما ہو سکتی ہے اور اجرتوں کو بڑھوانے کی کوششیں کی جا سکتی ہیں۔ مطالبے کی بنیاد یا تو یہ ہوتی ہے کہ رسمی معاوضہ یعنی معمولی یا "منصفانہ" اجرت ادا نہیں کی جا رہی ہے یا یہ ہوتا ہے کہ حالات ایسے بدل گئے ہیں کہ اب پرانی اجرتیں،

انصاف پر مبنی نہیں رہی ہیں چنانچہ مزدور کبھی قدامت پسند بن جاتا ہے اور کبھی انقلاب پسند۔

اجرتوں کی تبدیلی کی ایک مثال کا مشاہدہ تو ہم نے اس وقت کیا تھا جب یہ دکھلایا گیا تھا کہ کس طرح تدریجی طور پر اضافہ پذیر آبادی نے کاریگروں کی اتنی بڑی فوج کو پیدا کر دیا جس کو خواص پسند جرگے اپنے اندر جذب نہیں کر سکے۔ چنانچہ نوکاروں نے استاد کاریگروں کو نقصان پہنچا کر اپنی حالت کو بلاشبہ بہتر بنانے کی کوشش کی۔ اور یہ کام انھوں نے بالکل اسی انداز سے کیا جیسے اس سے پہلے استاد کاریگروں نے تاجر جرگے داروں کے اجارے کو توڑنے کے لیے کیا تھا۔ نوکاروں میں جب بے چینی پیدا ہوئی تو ایسے زمانے میں جب حالات بدل رہے تھے، انھیں اس بات کا حوصلہ ہوا کہ اپنے معیار زندگی کو قائم رکھنے یا بلند کرنے کی کوشش کریں۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ تقریباً اٹھارھویں صدی کے آغاز کے وقت، صنعت کو زیادہ واضح طور پر، سرمایہ داری کے طریقے پر چلایا جانے لگا تھا۔ کاریگر لوگ، روپے کے معاوضے میں، ان مستطیع لوگوں کے ہاتھ، اپنا تیار کیا ہوا مال بیچنے لگے تھے جنھیں مال کو جلد فروخت کرنے کی کوئی حاجت نہیں تھی اور جو انتظار کر سکتے تھے۔ مال کے معاوضے میں دستکاروں کو جو روپیہ ملتا تھا اس سے وہ اپنی ضرورت کی ان چیزوں کو خرید سکتے تھے جن کو دوسرے آزاد مزدور، محنت کر کے اسی طرح فراہم کیا کرتے تھے۔ غرض، ذرائع پیدائش سے ادنیٰ طبقے کے لوگوں کا براہ راست تعلق ختم ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ان کے مالک اپنے باپ دادا کی دستکاری کو بھولتے جا رہے تھے اور انھوں نے دوسروں کی محنت کے ماحصل کو فروخت کرنا اپنا ذریعۂ معاش بنا لیا تھا۔ اب ادائیاں ضروری سامانوں کی شکل میں نہیں کی جا سکتی تھیں بلکہ اب زر کو واسطے کے طور پر استعمال کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

۲۔ تبدیلی کی ضرورت:۔ رسمی اجرتیں پوری طرح اطمینان بخش نہیں تھیں۔ پرانے زمانے میں جو اجرتیں ادا کی جاتی تھیں، ان کی قدر کا اندازہ فوراً کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اب زر ایک وسیلہ

بن گیا تھا اور اس کی حقیقی قدر بدلتی رہتی تھی۔ جن لوگوں کو ان کی ضروریات بالواسطہ ملنے لگی تھیں ان کی اجرت محض ظنی و قیاسی رہ گئی تھی۔ ایک نئے اصول کو وضع کرنے کی ضرورت تھی۔ وقت کی سب علامتیں، تبدیلی کی رہنمائی ایک ہی سمت میں کر رہی تھیں۔ اگر محض سرمایہ داری میں اضافہ ہوتا تو بھی وقت گزرنے پر تبدیلی کی وجہ سے موجودہ حالات ہی رونما ہوتے۔ اس سے قبل، استاد کاریگر اور نوکار، ایک دوسرے سے قریبی طور پر منسلک رہتے تھے اور آسانی کے ساتھ ایک کی جگہ دوسرا لے سکتا تھا۔ لیکن نئی سرمایہ داری کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مزدوروں اور آجروں کا باہمی رشتہ منقطع ہوگیا۔ دونوں میں زیادہ تخصیص پیدا ہوگئی۔ شروع میں بچولیہ (جو اکثر دست کار بھی ہوتا تھا) اپنے ساتھیوں سے قریبی تعلق رکھتا تھا۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ وہ کس طرح آجر بن گیا اور دستکار کس طرح اس کے ماتحت بن گئے۔

اس تبدیلی کو حقیقتہً سرمایہ داری نے تنہا پیدا نہیں کیا بلکہ جس چیز نے کاریگر کی حیثیت کو یکبارگی بدل ڈالا وہ صنعتی انقلاب تھا۔ اس کے بعد کاریگر نہ صرف اپنے آقا کا ماتحت ہوگیا بلکہ ذاتی طور پر اس سے وابستہ بھی نہیں رہا۔ کاریگروں کی حیثیت اکائیوں یا مشینوں جیسی ہوگئی جن کا کام اپنے آقا کے لیے روپیہ پیدا کرنا ہوگیا۔ عہد وسطیٰ کی رعیت کو جس اصول پر اجرت ادا کی جاتی تھی مزدور طبقہ کے اس فرد کو اس طرح ادا نہیں کی جاسکتی تھی۔ مزدور محکوم تو اب بھی رہا لیکن وہ کسی شخص کا محکوم نہیں تھا بلکہ سرمایے کا محکوم ہوگیا تھا۔

۳۔ کارآموزوں کے قانون کا زوال:۔ کارآموزوں کے قانون کو اب نافذ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس طرح کے بدلتے ہوئے زمانے میں مجسٹریٹ، آجروں کو مقرر نہیں کر سکتے تھے۔ سکونت پذیری کا قانون بھی آہستہ آہستہ متروک ہوتا جارہا تھا۔ ان باتوں کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ چونکہ مزدور کے ساتھ مشین جیسا سلوک کیا جانے لگا تھا اس لیے اس کی قیمت کا تعین بھی، مشین ہی کے اصولوں کے مطابق کیا جانے لگا

ایک مزدور کی محنت کو سستی سے سستی قیمت پر خریدا جاتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ جو اجرت جو آجر ادا کرنے کے لیے آمادہ ہوتا تھا' اس کا انحصار' مزدور کی دولت آفرینی پر ہوتا تھا۔ مزدوروں کی رسد میں یکبارگی اضافہ ہوجانے کی وجہ سے ثبات و پائداری ختم ہوگئی تھی یعنی اجرتیں طلب و رسد کی پابند ہوگئی تھیں اور ان میں تھوڑا بہت اعتدال' متعلقہ فریقوں کی سیاسی طاقت کی وجہ سے پیدا ہوتا رہتا تھا۔ آجروں کا طبقہ اپنے مفاد کو ترقی دینے کے لیے نئے قوانین کو منظور کرا سکتا یا پرانوں کو باقی رکھ سکتا تھا۔ آقا اور مزدور اب ایک ہی خاندان کے افراد نہیں رہے تھے بلکہ ان کے درمیان ایک مہلک مخالفت پیدا ہوگئی تھی۔

اس کے علاوہ مشترک مفاد کے رشتے بھی ٹوٹ گئے تھے جب عہد وسطیٰ کے کسی جاگیردار کی رعیت میں کچھ لوگ شامل ہوجاتے تھے تو چونکہ اس کی حکومت اس زمانے میں ان ہی لوگوں تک محدود ہوتی تھی اس لیے وہ اپنا فائدہ اسی بات میں سمجھتا تھا کہ ان میں سے ہر شخص کے ساتھ انفرادی طور پر کچھ نہ کچھ سلوک کرتا رہتا ہے۔ لیکن جب شخصی تعلقات ٹوٹ گئے تو آقا مطلق العنان ہوگیا کیونکہ اب وہ ایسے بہت سے ماتحتوں کا مالک بن گیا جو غیر منظم تھے اور جن میں سے ہر ایک پر وہ فرداً فرداً ظلم کر سکتا تھا۔ جتنے زیادہ آدمیوں کو وہ ملازم رکھتا تھا اتنا ہی شخصی طور پر وہ زیادہ طاقتور ہوتا جاتا تھا اور اس کے ملازم انفرادی طور پر کمزور ہوتے جاتے تھے۔ جب ماتحت غیر مطمئن ہوتا تھا تو وہ کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا تھا کیونکہ ذرائع آمد و رفت کی سہولت کے اس زمانے میں' مزدوروں کا حاصل کرنا آسان تھا۔ ناداروں کے بچوں سے بھی کام لیا جا سکتا تھا۔

اس کے علاوہ دستی پارچہ بافوں کے مقابلے میں بھی' آجر' اجارہ دار کی حیثیت رکھتے تھے۔ دستی پارچہ باف کے مقدر میں فنا لکھی جا چکی تھی۔ دولتمند لوگوں کے علاوہ کوئی دوسرا شخص بیش قیمت مشینوں کو استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف قانون تکثیر حاصل کی رو سے بھی بڑے صناع کو زیادہ سہولت حاصل

تھی۔ جب کارخانے کے مزدور انفرادی طور پر کام کرنے کے موقع سے اور اپنے کھیتوں اور اپنی بنجر زمینوں سے محروم ہو گئے تو انھیں مجبوراً اپنے آقا کی سرداری قبول کرنا پڑی۔ روپے کا اقتدار سب چیزوں پر چھا گیا۔ دوسرے، اس بدلتے ہوئے زمانے میں قابل ترین لوگ آجر بن گئے۔ یہ مقابلہ غیر منصفانہ تھا۔ ایک طرف اہلیت بھی تھی اور سرمایہ بھی تھا۔ دوسری طرف اوسط درجے کے ایسے آدمی تھے جن کا تمام تر تکیہ ہفتے وار اجرت پر تھا۔

۴۔ سیاسی امیدیں:۔ غرض، معاشی لحاظ سے مزدور، محکوم بن گئے تھے۔ ان کے لیے آزاد ہونے کا صرف ایک موقع تھا یعنی سیاسی (یا انتظامی) بدقسمتی سے آدم اسمتھ کے خیالات کو جو عوام تک نہیں پہنچ سکے تھے، مزدور پیشہ طبقوں کے خلاف استعمال کیا جا رہا تھا۔ اسمتھ نے عہد وسطیٰ کی پابندیوں کے خراب اثرات کو، اپنے زمانے کی آہستہ آہستہ ترقی کرنے والی زندگی پر کارفرما دیکھا تھا۔ وہ انقلاب کے بارے میں پیش بینی سے کام نہیں لے سکا تھا۔ اس کا خاص موضوع بحث یہ تھا کہ حکومت کی مداخلت سے کوئی کام نہیں بنتا۔ ہر چند اب زمانہ بدل چکا تھا لیکن پھر بھی آجروں نے نہایت شوق و ذوق کے ساتھ اس کے اس اصول کی حمایت کو جاری رکھا۔ لیکن دوسری طرف اس اصول کو اس کے منطقی نتیجے تک پہنچانے سے گریز کرتے رہے۔ ان کے سامنے یہ نصب العین تھا کہ آجروں کے درمیان مکمل مقابلہ ہو اور مزدوروں کو محکوم رکھا جائے۔

چنانچہ پرانی پابندیوں کو عین اس وقت بے رحمی کے ساتھ ختم کر دیا گیا جب کہ عبوری دور کی مشکلات میں آسانی پیدا کرنے کے لیے ان سے کام لیا جا سکتا تھا۔ مزدور یہ چاہتے تھے کہ مجسٹریٹوں کی مدد سے منصفانہ اجرتیں حاصل کریں اور اگر ایک مضبوط حکومت کی طرف سے تمام ملک میں اجرتیں مقرر کر دی جاتیں تو اگرچہ اس کی وجہ سے آجروں کو کچھ نقصان ضرور پہنچتا لیکن ممکن تھا کہ اس دور کی مصیبتوں سے نجات مل جاتی کیونکہ ہماری ایجادوں نے اور ہمارے کوئلے کی رسد نے ہمیں اپنے حریفوں سے بہت آگے بڑھا دیا تھا۔

مزدور زیادہ راضی رہتے اور ان کے اندر خفگی اور آزادگی کم پیدا ہوتی۔ دوسری طرف زندگی کے بہتر معیار کی وجہ سے ان کی کارگزاری بھی بڑھ جاتی۔

وہٹ بریڈ نے پارلیمنٹ کو اس خیال پر لانے کی کوشش کی لیکن آجروں نے جو تیزی سے دولتمند بننا چاہتے تھے اور کلاسیکی ماہرین معاشیات نے جو معاشرت کے مفاد کا تصور لانبی مدت کو سامنے رکھ کر کر رہے تھے اور جن کی نگاہ میں موجودہ تبدیلیوں کی اہمیت کم تھی، اس کی نہایت شدید مخالفت کی۔ ان کی یہ بھی رائے تھی کہ اگر اجرت کو زبردستی بڑھایا گیا تو اس سے قیمتیں بڑھیں گی اور قیمتوں کے بڑھنے سے بے روزگاری میں اضافہ ہو جائے گا۔ صحیح پالیسی کیا ہونا چاہیے اس کے بارے میں پارلیمنٹ کو شبہہ تھا لیکن آخر میں وہ ترقی کی جانب مائل ہو گئی تھی۔ لیکن اپنے فیصلے کا نفاذ کرنا اس کے لیے مشکل تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں ہماری بے شمار جنگوں کے لیے روپے کی فراہمی ضروری تھی اور انگلستان سستی محنت کے ذریعے ہی جلد ایک دولتمند ملک بن سکتا تھا۔

مزدوروں کا صرف ایک سہارا رہ گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ وہ اشتراک سے کام لے سکتے تھے۔ ایک فرد تو ضرور پوری طرح اپنے آجر کے اثر و اقتدار میں آچکا تھا لیکن اگر سب مزدور مل کر، یک جان و یک قالب ہو کر بہ ایک وقت کام کرتے تو مقابلہ زیادہ مساوی طریقے پر کیا جا سکتا تھا۔ منطقی طور پر، مزدوروں کے پاس، بس یہی ایک حربہ تھا۔ اسی کے ذریعے سے حقیقی مقابلہ اور مفاد ذاتی کے عمل کو ممکن بنایا جا سکا۔ مدافعت کا یہ طریقہ ناگزیر تھا۔ چنانچہ شہروں کے اندر مزدوروں کے جمع ہونے کی وجہ سے جتنا ان کا اشتراک آسان ہوتا چلا گیا اتنی ہی مزدور سبھا کی تحریک نے قوت اختیار کرنا اور زیادہ باا‌ثر ہونا شروع کر دیا۔

۲۔ مزدور سبھاؤں اور جتھوں میں باہمی تعلق۔

مزدور سبھاؤں کو پرانے جتھوں کا جانشین سمجھنا ایک بالکل قدرتی بات ہے۔ لیکن کہیں کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی جن سے ان کے باہمی سلسلے کو ملایا جا سکے۔ پرانے جتھے آج بھی لندن میں شہری کمپنیوں کی صورت میں باقی ہیں لیکن بعد کی مزدور سبھاؤں سے ان کا ذرا سا بھی تعلق نہیں ہے۔ ہر معمولی دستکار

جتھے کا رکن نہیں بن جاتا تھا بلکہ عام طور پر وہی دستکار جتھے کا رکن بن سکتا تھا جس کو اپنی صنعت میں رہنمائی حیثیت حاصل ہوتی تھی اور بعد کے زمانے میں تو اس کی حیثیت ماتحت کی نہیں رہی تھی بلکہ بڑی حد تک وہ خود تاجر بن گیا تھا۔ نوکار کی حیثیت ضرور موجودہ زمانے کے دستکار سے ملتی جلتی تھی لیکن بعد کے زمانے کو اگر مستثنیٰ کر دیا جائے تو اس نوکار کو ہمیشہ استاد کاریگر بننے کا موقع حاصل رہا۔ اس لیے وہ خود کبھی جتھے کے اراکین پر کوئی حملہ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اس کا خمیازہ بعد میں خود اس کو بھی بھگتنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ ایک اور دوسرا بنیادی فرق بھی تھا اور وہ یہ کہ پہلے زمانے میں کاریگر کو مصنوعہ مال کو فروخت کرنے اور کچے مال کو خریدنے کے کام سے بھی براہ راست دلچسپی ہوا کرتی تھی۔

بعض حقیقی مشابہتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ ہڑتالوں سے لوگ بہت پرانے زمانے سے واقف ہیں اگرچہ یہ کبھی کبھی اتفاقی طور پر ہو جایا کرتی تھیں۔ عہد وسطیٰ کے ابتدائی زمانے میں بعض آوارہ گرد دستکار، مثلاً ادنیٰ طبقوں کے راج، کبھی کبھی غیر مطمئن ہو کر، اپنے خریداروں کے خلاف (استاد کاریگروں کے نہیں) اتحاد قائم کر لیتے تھے اور بہتر شرائط کا مطالبہ کرنے لگتے تھے۔ راجوں میں ایک طبعی صنعتی برادری کے وجود کی کچھ شہادت ملتی ہے۔ بعض وقت استاد کاریگروں کے خلاف بھی اتحاد قائم کر لیے جاتے تھے اور یہ برسوں تک چل سکتے تھے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس طرح کی ہڑتالیں پندرھویں صدی کے بعد سے غائب ہو گئی تھیں۔ اس لیے موجودہ ہڑتالوں سے ان کا کوئی براہ راست تعلق قائم نہیں کیا جا سکتا۔ جب کبھی اس طرح کے اتحاد قائم ہوئے ان کا خاتمہ ایسے جتھوں کی تعمیر پر ہوا جن کا مقصد یہ تھا کہ اپنے اراکین کے مفاد کا تحفظ خریدار کے خلاف کیا جائے۔

اس کے علاوہ، موجودہ زمانے میں مزدور سبھا کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک طبقہ وارانہ تنظیم ہے۔ لیکن ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ جتھے کے اراکین اکثر شہر کے گورنر بھی ہوا کرتے تھے۔ جتھا، علاقہ غیر کے لوگوں کے

خلاف متحد ہو کر اپنی صنعت کا تحفظ بصورت مجموعی کیا کرتا تھا اور عام طور پر شہر کے مفاد کا تحفظ دیہات کے خلاف بھی کیا کرتا تھا۔ اس لیے اسے دراصل موجودہ زمانے کے آجروں کی انجمن کا نمایندہ مانا جا سکتا ہے۔

مشابہتیں ضرور موجود ہیں۔ اول یہ کہ جتھا اور مزدور سبھا دونوں مستقل تنظیمیں ہیں جن کا مقصد ملازمت کی شرائط کو قائم رکھنا اور انھیں بہتر بنانا ہے۔ اس کے علاوہ، پرانے نظام کے ٹوٹنے کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوئے اور ان کو حل کرنے کی جو کوشش کی گئی، اسی سے ان دونوں کی ابتدا ہوئی۔ دونوں یہ چاہتے تھے کہ معیار زندگی کو قائم رکھا جائے۔

غرض ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اٹھارویں صدی سے پہلے، موجودہ طرز کی مزدور سبھا کے وجود کی کوئی حقیقی شہادت نہیں ملتی۔ مغرب میں آبادی بڑھ رہی تھی، صنعت کو ترقی ہو رہی تھی اور کارخانوں کا نظام شروع ہو رہا تھا۔ سولھویں صدی میں ترقی پسند صناع کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی اور اس شخص کو سزا دی جاتی تھی جو بہت سے کرگھوں یا ایسی مشین کا مالک ہوتا تھا جو مزدوروں کی جگہ لے سکتی تھی۔ دستکاروں کا یہ خیال تھا کہ یہ نظام ہمیشہ چلتا رہے گا اور اٹھارویں صدی کے ابتدائی زمانے میں وہ حکومت سے تحفظ کے متوقع تھے گو ۱۷۱۸ء میں دستکاروں نے گلوسسٹر شائر وغیرہ میں اپنی انجمنیں بنا لی تھیں اور آجروں کو خائف کرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ تین سال بعد اسی طرح کا جھگڑا نوکارور زیولٹ میں بھی پیدا ہوا تھا۔ لیکن اس ابتدائی زمانے میں نہ تو بڑے شہروں مثلاً لندن میں کوئی جھگڑا ہوا اور نہ مغربی رائڈنگ میں جو ابھی تک گھریلو نظام پر قائم تھا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مزدور سبھا کی تحریک کا اصلی سبب یہ ہوا کہ دستکار کو ایک طرف تو پیدائش دولت کے سارے کاموں سے اور دوسری طرف فروخت کے کام سے بے تعلق کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ مزدور سبھا کی تحریک نے اسی وقت تیزی سے ترقی کرنا شروع کی جب فیکٹری نظام

۱؎ حصۂ اول باب پنجم۔

پوری طرح نشو ونما پا چکا۔ سنہ ۱۷۶۰ء اور سنہ ۱۸۰۰ء کے درمیان ہڑتالوں کی تعداد بڑھ گئی اور ان میں شدت بھی پیدا ہو گئی۔

اس زمانے میں مزدور سبھا کی تحریک کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ناقابل برداشت حالات کے خلاف بغاوت کی جائے کیونکہ مزدوروں کی حالت بہترین تھی۔ اس وقت وہی مزدور اپنی حالت کو بہتر بنانے کے خواہش مند تھے جنھیں یہ دیکھنے کا موقع ملا تھا کہ پچھلے طویل زمانے میں، جتھے، کس طرح کامیابی کے ساتھ اجرتوں کو بڑھاتے گھٹاتے رہے ہیں۔ ان کے آبا و اجداد کو کارآموزی کے نظام سے اور نااہل اور ناتربیت یافتہ مزدوروں کے مقابلے کو روکنے والے دوسرے طریقوں سے بہت فائدہ پہنچا تھا۔ اس کے علاوہ 'مزدور سبھا کی تحریک' سیرت کی اس طاقت اور خود مختاری کی شہادت دیتی ہے جس کا وجود ایک مظلوم آبادی میں ناممکن ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مزدور سبھا کی تحریک کا مقصد یہ تھا کہ ایسی صورت میں جب کہ دستکار، مہارت کے مالک تھے اور کارآموزی کے دور سے گزر چکے تھے، آجروں کو روکا جائے کہ وہ سستے بازار میں جا کر محنت کو نہ خرید سکیں۔

۴۔ مزدوروں کی قانونی حیثیت۔

ایک عرصے تک پارچہ باف اپنی قانونی حیثیت پر قائم رہے۔ ۱۷۵۶ء تک جو کہ خاصا بعد کا زمانہ ہے، مغربی علاقے کے پارچہ بافوں کی درخواست پر، اونی کپڑا بننے والوں کا قانون نافذ کیا گیا جس میں مجسٹریٹوں کو اجرتیں مقرر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن اسی سال کے دوران میں آجروں نے بڑا شور مچایا اور انھوں نے حکومت کو متوجہ کیا کہ جو اجرتیں مقرر کی گئی ہیں ان پر، مغربی رائڈنگ کے بڑھتے ہوئے مقابلے کی وجہ سے عمل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے یہ قانون منسوخ کر دیا گیا۔

شہروں میں مزدور سبھا کی تحریک ترقی کرتی رہی اور ابھی تک ان کا ابتدائی مقصد یہی تھا کہ پرانے اجرت کے نظام کو برقرار رکھا جائے اور عدالتوں میں آجروں کے عدم مداخلت اور آزاد معاہدے کے نظریوں کے خلاف جنگ جاری رہی مزدوروں نے متحد ہو کر اپنے مالکوں کے خلاف مقدمے

ڈائر کیے لیکن عدالتوں کا رویہ عام طور پر مخالفانہ ہوتا تھا۔ یا تو مزدور مقدمہ ہار جاتے تھے اور انھیں بھاری خرچہ ادا کرنا پڑتا تھا یا آجروں کو بغیر خرچہ ادا کیے مزدوروں کے مطالبے کو پورا کرنا پڑتا تھا۔ دونوں صورتوں میں، مزدور اس جنگ کو جاری نہ رکھ سکتے اس لیے یہ کوششیں ختم ہوگئیں۔

یوں تو مزدور سبھا کی جدید تحریک، اٹھارویں صدی کے شروع میں، مغربی انگلستان کی پارچہ دوزی کی صنعت کے ذریعے، صنعتی میدان میں داخل ہوئی لیکن اس میدان میں داخل ہونے کے بعد اس نے ان تمام مخالفانہ کوششوں کے باوجود جو اس کو دبانے اور اس کو روپوش کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے اختیار کی گئیں تمام ملک میں تیزی سے پھیلنا شروع کردیا اگرچہ یہ کام اکثر بھیس بدل کر کرنا پڑا۔ اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں لیسٹر میں فریم پر بنائی کرنے والوں، شیفیلڈ کے چھری سازوں، ہیٹ بنانے والوں، جفت سازوں، چرم سازوں، برش بنانے والوں، ٹوکری بنانے والوں، چھینٹ چھاپنے والوں، سوت کاتنے والوں، پیپے سازوں، بادبان بنانے والوں، گاڑی بنانے والوں، لوہاروں، راجوں، اور بڑھئیوں نے اپنی اپنی انجمنیں بنائیں۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں ناٹنگھم کے اون تیار کرنے والے کاریگروں کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ ۱۷۹۱ء میں صناع یہ اعلان کرنے کے لیے مجبور ہوگئے کہ ہم اپنے اون تیار کرنے والے کاریگروں کے رحم و کرم پر ہیں۔ یارک شائر میں کپڑے کو مکمل کرنے والے کاریگروں میں بھی زبردست تنظیم پائی جاتی تھی اور مختلف شہروں کی شاخوں کی نگرانی کا کام ایک مرکزی کمیٹی کیا کرتی تھی۔

حکومت جس پر زیادہ تر سرمایہ داروں کا قبضہ تھا، واضح طور پر اس تحریک کے خلاف تھی۔ اس کا ثبوت گلاسگو کی ایک مثال سے ملتا ہے جہاں مزدور اجرت کی کمی کے خلاف متحد ہو گئے تھے۔ چنانچہ ایک قانون بنایا گیا جس میں آجروں کو پیمانے کے مطابق اجرت ادا کرنے کے لیے مجبور کیا گیا۔ لیکن آجروں نے انکار کردیا۔ نتیجہ روئی کی صنعت میں ہڑتال کی

صورت میں ظاہر ہوا جو کارل آئیل سے لے کر ابرڈین تک پھیل گیا جب آجر، مزدوروں سے مقابلے کی تیاری کر رہے تھے تو حکومت نے مداخلت کی اور مزدوروں کے رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ واقعہ یہ تھا کہ عہد وسطیٰ کی مرکزی مداخلت، اب ختم ہو گئی تھی۔ اجرتیں مقرر کرنے کا جو حق مجسٹریٹوں کو حاصل تھا اسے ۱۸۱۳ء میں ایک قانون کے ذریعے ختم کر دیا گیا اور اس کے دوسرے سال، کارآموزی کے لزوم کو منسوخ کر کے، پرانے قانون کو، قانونی طور پر منسوخ کر دیا گیا۔ غرض، نظری طور پر حکومت عدم مداخلت کے نظام کی پابند ہو گئی۔

۴۔ نئے سرمایہ دار مالک۔ جب گھریلو صنعت کے چلانے والے استاد کاریگر فنا ہو گئے تو آجر جذباتی اور حقیقی دونوں لحاظ سے ٹھوس سرمایہ دار بن گئے۔ مزدوروں کے قبضے میں چونکہ کوئی سیاسی طاقت نہیں تھی اس لیے وہ غیر متحد تھے۔ مزدور سبھائیں ہنگامی طور پر بن جاتی تھیں اور ان کا دوسرے ضلعوں یا صنعتوں سے کوئی رابطہ نہیں ہوتا تھا یہ خیال ابھی تک بالکل مٹا نہیں تھا کہ ایک صنعت کے جملہ اراکین کی حیثیت بھائی بندوں کی سی ہے۔ عمودی تفریق ابھی تک موجود تھی۔ آجروں کی تعداد کم تھی اس لیے انھیں شخصی طور پر ایک دوسرے سے واقفیت پیدا کرنے کا زیادہ موقع حاصل تھا۔

آئیے اب مزدور سبھا تحریک کی تاریخ کے سلسلے کو دوبارہ اس جگہ سے شروع کریں جہاں اسے ہم نے پہلے چھوڑا تھا۔ ۱۷۶۰ء کے لگ بھگ مزدوروں کی انجمن کی تحریک کو بہت اہمیت حاصل ہو گئی اگرچہ اس کی نوعیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ جب صنعت میں تبدیلیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کے متوازی اور بڑی حد تک ان کے زیر اثر، مزدور سبھا کی تحریک میں بھی ایک انقلاب رونما ہوا اس کے اہم ترین عوامل دو تھے۔ ایک تو آبادی کا شہروں میں مجتمع ہونا، دوسرے سرمایہ دار اور مزدور کے تعلقات کا مکمل طور پر منقطع ہو جانا اور اس کے نتیجے کے طور پر باہمی دشمنی کا پیدا ہونا۔

صنعتی انقلاب کا پہلا اثر یہ ہوا کہ کاریگر مجبور ہوئے کہ اپنے معیار زندگی کے پست کیئے جانے کے خلاف پارلیمنٹ کے پاس شکایت لے کر جائیں۔ لیکن دارالعوام جن طبقوں پر مشتمل تھا ان کی ذہنیت میں ایک انقلابی تبدیلی واقع ہورہی تھی۔ اگر اسپیٹل فیلڈز کے قوانین کو مستثنیٰ کردیا جائے جو سنہ ۱۷۶۵ء اور سنہ ۱۷۷۳ء میں منظور کیے گئے تھے تو معلوم ہوگا کہ سنہ ۱۵۶۳ء کے بعد سے مزدوروں نے جب کبھی امداد کے لیے اپیل کی انھیں سختی کے ساتھ دھتکار دیا گیا اور جب سنہ ۱۷۷۶ء میں آدم اسمتھ کی کتاب "دولت اقوام" شایع ہوئی تو حکومت کی مربیانہ سرپرستی کا زمانہ ایسا غائب ہوا کہ اسے پھر دوبارا ایک صدی تک واپس نہیں بلایا جاسکا۔

مزدوروں نے بھی اس صورت حال کو تسلیم کرنا شروع کردیا اور سنہ ۱۸۱۳ء اور سنہ ۱۸۱۴ء کے قوانین کے منظور ہونے سے بہت پہلے انھوں نے اپنی حالت کو بہتر بنانے کا ایک اور طریقہ سوچ لیا۔ باہمی ملاقات کے بے شمار مواقع کا نتیجہ مشترکہ عمل کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ادنیٰ طبقے بھی عدم مداخلت کے اصول کے معتقد ہوگئے۔ اگر آجروں کو اس اصول کے ماتحت یہ موقع حاصل تھا کہ جب چاہیں وہ اپنے مزدوروں کو انفرادی یا اجتماعی طور پر ملازم رکھیں یا برطرف کردیں اور اگر انھیں یہ موقع ملا ہوا تھا کہ تجارت کے اندر مزدوروں کو یکبارگی برطرف کرکے رکاوٹ ڈال سکیں تو مزدوروں کو بھی یقیناً یہ موقع حاصل تھا کہ وہ بھی اسی قسم کے کام کرنے کے لیے متحد ہوجائیں۔ آجر کی طاقت اپنے مزدوروں کی مجموعی طاقت کے برابر تھی۔ یہ بات خلاف انصاف تھی۔ معاشی لحاظ سے ان کا استدلال ٹھیک تھا۔

بدقسمتی سے صنعت و تجارت میں رکاوٹ ڈالنا یا سرکاری پالیسی کے خلاف متحد ہونا، قانون عامہ کے خلاف تھا۔ ابتدا میں اس بات کو محسوس نہیں کیا گیا اور ہر فساد کے بارے میں فیصلہ اس کے حسن و قبح کو سامنے رکھ کر کیا جاتا رہا لیکن بعد میں ہر طرح کے اتحادات کے خلاف چاہے وہ آجروں کے ہوں یا مزدوروں کے فوجداری مقدمہ چلایا جانے لگا۔ لیکن عملاً آجروں کے ساتھ رعایت کی جاتی تھی گو ایسے اتحادات کو برابر قانونی سمجھا جاتا رہا جن میں ملک کے

قانون کو نافذ کرانے تک سعی کو محدود رکھا گیا ہو۔ مثلاً مزدوروں کا وہ اتحاد جس میں ان کی انجمنوں نے مجسٹریٹوں کو اجرتیں مقرر کرنے کے لیے مائل کیا۔

۵۔ انقلاب فرانس کے اثرات۔

انگریزی فکر پر انقلاب فرانس کے تاثرات فوراً ظاہر ہونا شروع ہوگئے۔ ان ہی اثرات کے تحت ٹام پین نے اپنی کتاب ''انسان کے حقوق'' تصنیف کی جس میں جمہوریت اور انسانی مساوات و اخوت کی تائید کی گئی تھی پین کے رسالوں نے مزدور پیشہ طبقوں کے اندر اصلاح کی خواہش کو بیدار کر دیا اور ۱۷۹۲ء میں ٹامس ہارڈی نے انگلستان میں مزدور پیشہ طبقے کی پہلی سیاسی انجمن (یعنی لنڈن کارسپانڈنگ سوسائٹی) کی بنیاد رکھی۔ جس کے مقاصد یہ تھے کہ بالغ مردوں کے لیے حق رائے دہی حاصل کیا جائے اور پارلیمنٹ میں اصلاح کرائی جائے۔ برطانیہ کے مزدوروں میں جب اسی قسم کی دوسری انجمنوں کی ترقی تیزی کے ساتھ ہونے لگی تو حکومت خائف ہوگئی اور اس نے ۱۷۹۳ء میں اسکاٹ لینڈ کے دو انتہا پسند رہنماؤں پالمر اور میور کو ایک بڑی مدت کے لیے جلا وطن کر دیا۔ اس کے دوسرے سال حکومت نے لنڈن کارسپانڈنگ سوسائٹی پر بھی وار کیا اور اس کے تین ممتاز رہنما یعنی ہارڈی، ہارن ٹوک اور جان تھیل ویل قید کر دیے گئے اور سخت جبر و تشدد کا دور شروع کر دیا گیا۔ کارسپانڈنگ سوسائٹیاں کوئی مزدور سبھا نہیں بلکہ سیاسی انجمنیں تھیں لیکن متوسط طبقے کے لوگ اتنے خوف زدہ تھے کہ اس قسم کی واضح تفریق نہیں کر سکتے تھے۔ فرانسیسیوں سے لڑنے کے لیے روپے کی ضرورت تھی اور یہ جب ہی مل سکتا تھا جب صنعتیں ترقی کرتیں۔ آجروں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ موقع دولت کمانے کے لیے خوب موزوں ہے۔ مزاج کے خوف کے ساتھ، جو کچھ تو قدرتی خود غرضی کا نتیجہ تھا اور کچھ اس ردّ عمل کا جو انقلاب فرانس کے بعد رونما ہوا تھا، وہ غلط فہمی مل گئی تھی جو عدم مداخلت کے معاشی اصول کے بارے میں پھیلی ہوئی تھی اور ان سب نے مل کر مزدوروں کو دبانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ ہڑتالوں سے تجارت میں رکاوٹ پیدا ہوتی تھی۔ اور یہ سرکاری پالیسی کے

مخالف تھیں۔ اعلیٰ اجرتوں کے معنی یہ تھے کہ نفع کم حاصل ہو۔ دوسری طرف قنوطیت آمیز معاشی تعلیم سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ مزدوروں کو اچھے دن دیکھنا نصیب نہ ہوں گے۔ غرض، محنت کش عوام کو ایک خطرناک مخلوق سمجھا جانے لگا تھا۔

۶۔ اتحاد کے قوانین۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷۹۹ء کے کارسپانڈنگ سوسائٹی کے قانون کے ذریعے تمام قومی انجمنوں کو جن کے مقامی انجمنوں کے ساتھ جوابی تعلقات قائم تھے، غیر قانونی قرار دے دیا گیا اور ۱۸۰۰ء میں اتحاد کے قوانین منظور کیے گئے جن کے ذریعے قانونی طور پر مزدور سبھا تحریک کو دبایا جانے لگا۔ اتحاد کے قوانین نے انگلستان کے مزدور پیشہ طبقوں کو تنزل کے انتہائی گڑھے میں ڈھکیل دیا۔ ایک لحاظ سے یہ کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ اسی طرح کی مثالوں کا پتا چودھویں صدی تک لگایا جا سکتا ہے اور (مزدوروں کی) ان انجمنوں کی جو صنعت میں رکاوٹ ڈالتی تھیں، انگلستان کے قانون عامّہ کے ہمیشہ مخالف سمجھا گیا لیکن ۱۸۰۰ء کا قانون نہ صرف پہلے کے دوسرے قانوں کے مقابلے میں زیادہ ہمہ گیر تھا بلکہ اس کی پابندی بھی زیادہ سختی کے ساتھ کرائی جاتی تھی۔ پھر ان کی بدنصیبی یہیں ختم نہیں ہوتی تھی بلکہ اب مزدور پارلیمنٹ کی حفاظت پر بھی بھروسا نہ کر سکتے تھے۔ ہر اس شخص کو جس پر یہ جرم ثابت ہو جاتا تھا کہ وہ اجرتوں کو بڑھانے کے لیے یا پیداوار کی مقدار کو گھٹانے کے لیے، یا مالکوں پر اثر یا نگرانی قائم کرنے کے لیے اتحاد قائم کر رہا ہے تین مہینے کی سزا دی جاتی تھی۔

ان قوانین کے نتائج کا تصور آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ انیسویں صدی کے پہلے ربع میں، مزدوروں کی تاریخ، آجروں کی ایذا رسانی، مزدوروں کے انتقام اور عدالتوں کی ظالمانہ سزاؤں کا محض ایک مرقع نظر آتی ہے۔ ہر وہ متحدہ کام جس کو توڑ مروڑ کر تجارت کی رکاوٹ کا رنگ دیا جا سکے سختی کے ساتھ دبا دیا جاتا تھا۔ اگر مزدوروں کے اتحاد کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اجرتوں پر اثر ڈالا جائے تو اسے مجسٹریٹ کے اختیارات میں مداخلت سے تعبیر کیا جاتا تھا اور مزدوروں کو تقریباً باغی قرار دیے دیا جاتا تھا۔ پلیس نے تشدد کے طریقوں کی

سختی کا حال بیان کرتے ہوئے ان انیس چھاپنے والوں کی مثال کو پیش کیا ہے جو ٹائمس اخبار میں ملازم تھے اور جنھیں سر جان سلوسٹر نے نو مہینے سے لے کر دو دو سال کی سزائیں اس جرم میں دی تھیں کہ جب اجرت کے اضافے کے لیے ان کے مطالبے منظور نہیں کیے گئے تو انھوں نے اپنے مالک کو نقصان پہنچانے کے لیے متحد ہو کر اور سازش کر کے کام چھوڑ دیا۔ اس کے کچھ سال بعد شیفیلڈ کے سات قینچی پر سان رکھنے والے مزدوروں کو، صرف اس جرم میں کہ وہ ایک انجمن مسمیٰ بہ "بدنصیبوں کا کلب" کے ممبر تھے جو بے روزگار مزدوروں کی مدد کرتی اور عام شرح اجرت کو اونچا رکھنے کی کوشش کرتی تھی تین مہینے کی سزا دے دی۔ بولٹن کے کپڑا بننے والوں کا معاملہ اس سے بھی زیادہ افسوسناک تھا۔ ۱۸۱۸ء میں اپنے مالکوں کی ہدایت کے بموجب کچھ مندوبین جمع ہوئے اور انھوں نے اجرتوں کے اضافے کا مطالبہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے تین کو سازش کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا اور انھیں سخت سزا دی گئی حالانکہ مقدمے کی سماعت کے وقت ان کے آجروں نے ان کی حمایت کی۔

صلح کے بعد جو کساد بازاری رونما ہوئی اس نے آجروں کو مائل کیا کہ وہ اجرتوں کو کم کرنے کے لیے اپنے اتحادات قائم کریں۔ ۱۸۱۹ء میں مشہور و معروف چھ قوانین بنائے گئے جو اگرچہ سیاسی تھے لیکن ان کا کچھ اثر مزدوروں پر بھی پڑا۔ ان کے جلسے ممنوع قرار دیے گئے۔ ان کی مطبوعات پر سخت محاصل اسٹامپ لگائے گئے۔ ان قوانین کی وجہ سے ہر قسم کے تشدد کے خلاف ایک ہیجان برپا ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اتحاد کے قوانین کی طرف خصوصی توجہ نہیں رہی بلکہ سیاسی اصلاح کی کوششوں کی طرف منعطف ہو گئی۔

اتحاد کے قوانین کے باوجود، مزدوروں کی انجمن کی تحریک کو ختم نہیں کیا جا سکا۔ اتحادات خفیہ طور پر ہوتے تھے خصوصاً انگلستان میں اور ان کی منسوخی کے وقت ۱۸۲۴ء میں، تقریباً سب اہم دستکاریوں میں صنعتی انجمنیں موجود تھیں جن میں سے اکثر خاصی طاقتور تھیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ جس زمانے میں ان قوانین پر عمل درآمد ہو رہا تھا اس وقت ان کی منسوخی کے لیے

عوام کی کوئی تحریک نہیں چلائی گئی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ منظم مخالفت تقریباً ناممکن تھی کیونکہ پارلیمنٹ میں مزدوروں کی کوئی آواز نہیں تھی۔ دوسرے رسل و رسائل کے ذرایع کے نہ ہونے کی وجہ سے بھی لنکا شائر کے سوتی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی مصیبتوں کا علم، نارتھمبرلینڈ کے کان کنوں یا لندن کے فرنیچر بنانے والوں کو نہیں ہو سکا۔ اس لیے طبقہ وارانہ ہمدردی اور شعور کی روح ترقی نہیں پا سکی۔ عوام کی شدید غربت کی وجہ سے بے حسی کی وہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی جو ایک مایوس آدمی میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ مزدور سبھا تحریک سے پابندی اٹھوانے کا کام اس وقت تک شروع نہیں کیا جا سکا جب تک فرانسس پلیس نے اسے اپنے ہاتھ میں نہیں لیا۔

۷۔ فرانسس پلیس اور جوزف ہیوم۔

فرانسس پلیس (۱۷۷۱ء تا ۱۸۵۴ء) چیرنگ کراس کا ایک استاد درزی تھا اور اسے مزدور پیشہ طبقوں کے ساتھ بڑی ہمدردی تھی۔ اس کے طریقوں میں ایک حد تک بے ایمانی پائی جاتی تھی لیکن عام طور پر اپنے مقصد کے حاصل کرنے میں اسے کامیابی ہوتی تھی۔ سیاسیات میں وہ ریشہ دوانی اور خوشامد کی ضرورت کا قایل تھا اور اس کام میں اس نے بڑی مہارت پیدا کر لی تھی۔ اس نے کئی سال تک اپنے خیالات کی تبلیغ کر کے، زمین ہموار کر لی تھی اور دو اہم آدمیوں یعنی مک کلوچ اور جوزف ہیوم (انتہا پسند رہنما) کو اپنا ہم خیال بنا لیا تھا۔ دوسری طرف اس کی لندن کی دکان میں شورش پسندوں کا ایک جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ اسکاٹ لینڈ کا ماہر معاشیات (مک کلوچ) اس کا ایک اہم رفیق تھا لیکن درحقیقت ہیوم ہی وہ شخص تھا جو اس کے مزاج کے ساتھ پوری ہم آہنگی رکھتا تھا۔ ہیوم کو ویسٹ منسٹر میں خاصا اقتدار حاصل تھا اور وہ پارلیمنٹ کے طریقوں کا بڑا ماہر تھا۔

اپنے سیاسی خیالات کے لحاظ سے پلیس ایک انتہا پسند انفرادی تھا۔ وہ آجروں کے عدم مداخلت کے عقیدے کا قائل تھا۔ لیکن اس نے یہ بات ثابت کی کہ اسی عقیدے سے مزدوروں کی حالت کو بہتر بنانے کا کام بھی

کیا جا سکتا ہے۔ جب ۱۸۲۴ء میں پلیس نے دیکھا کہ اس کام کے لیے موزوں وقت آگیا ہے تو اس نے مشین کی برآمد اور اتحاد کے قوانین کی تحقیقات کرانے کے لیے پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی مقرر کیئے جانے کا مطالبہ کیا۔ اگر اس مسئلے پر براہ راست بحث کرائی جاتی تو وہ نامنظور ہو جاتا۔ مدبر ہسکی سن ' اتحاد کے قوانین کو محض ایک ضمنی مسئلہ سمجھتا تھا۔ ہیوم نے اس مفروضۂ غیر اہم موضوع کے بارے میں' لوگوں کی عدم دلچسپی سے فایدہ اٹھا کر' کمیٹی میں اپنے ہم خیال لوگوں کی تعداد خوب زیادہ منتخب کرالی۔

قراردادوں کو ہیوم نے خود بہت احتیاط کے ساتھ تیار کیا تھا اور سوال اس ڈھنگ سے تیار کرائے تھے تاکہ ان سے مطلوبہ جواب حاصل کیے جائیں نتیجہ یہ ہوا کہ کمیٹی کے ہمدرد اراکین نے وہی رپورٹ پیش کردی جس کو ہیوم چاہتا تھا اور انھوں نے مشین کی تجارت میں آزادی اور اتحاد کے قوانین کی منسوخی کی سفارش کی۔ اس مقصد کے پیش نظر' ایک مسودۂ قانون تیار کیا جس میں مزدوروں کی انجمنوں کو قانونی قرار دیا گیا اور ہڑتالوں کی اجازت دی گئی اور اسے پارلیمنٹ میں کسی کھلے ہوئے احتجاج کے بغیر خاموشی سے منظور کرالیا۔

پلیس اور ہیوم کا مقصد تو حاصل ہو گیا لیکن انھیں اپنی اس چال بازی کی سزا بھی بھگتنا پڑی۔ آجر اور قانون ساز سکتے میں آگئے۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہوئی کہ مزدور پیشہ طبقوں نے یہ سمجھا کہ اس قانون کے بنانے میں پارلیمنٹ کی اپنی مرضی شامل ہے اور اس نے ان کے ساتھ رعایت کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی سمجھا کہ آجروں نے اپنے ظلم کا اعتراف کرلیا ہے اور ان کی ہڑتال کے تشدد آمیز طریقے جائز سمجھ لیے گئے ہیں اس کا قدرتی طور پر نتیجہ یہ ہوا کہ دفعتہً ہڑتالوں کی ایک وبا پھیل گئی اور اس کے ساتھ ساتھ اکثر و بیشتر غیض و غضب کا بھی اظہار کیا جاتا۔

حکومت نے ایک نئی کمیٹی کا انتخاب کیا۔ اس مرتبہ اس نے اپنی رپورٹ میں آجروں کی بے اعتمادی اور ہیجان کا ذکر کیا۔ ان کی شہادتوں کو غور سے سنا گیا تھا اور اگر ان پر عمل کیا جاتا تو پھر مزدور سبھا کا بری طرح مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا

لیکن پلیس نے اپنے پروپگنڈے کو جاری رکھا اور ہیوم نے کمیٹی میں آجروں کے معاملے کو کمزور کرنے کے لیے اپنی پوری قوت صرف کردی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عام تباہی میں سے کچھ نہ کچھ پھر بھی بچا ہی لیا گیا۔

۸۔ ۱۸۲۵ء کا قانون۔

۱۸۲۵ء کے قانون نے پچھلے سال کے قانون کو منسوخ کردیا اور اس موضوع پر جتنے قوانین اس وقت تک منظور ہوئے تھے ان سب کو اپنے اندر شامل کرلیا۔ ۱۸۲۴ء کے قانون نے ان اتحادوں کو جو اجرتوں کے اضافے یا کام کے گھنٹوں میں تبدیلی پیدا کرانے کے لیے کیے جائیں، فوجداری عدالت کی گرفت سے بری کردیا تھا بلکہ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ تشدد اور تخویف کو بھی اس نے جائز قرار دے دیا تھا۔ ۱۸۲۵ء کے قانون نے فوجداری گرفت سے بریت کو تو برقرار رکھا لیکن ستانے اور رکاوٹ ڈالنے کے دو نئے جرموں کو پیدا کردیا جن کی سزا قید قرار دی گئی۔ غرض ان پابندیوں کے ساتھ جن کی تعبیر وتفسیر میں بڑی وسعت پائی جاتی تھی ایسے اتحادوں کو جو اجرت پر اثر ڈالنے یا کام کے گھنٹوں پر نگرانی کرانے کے لیے کیے جائیں قانوناً جائز قرار دیدیا گیا۔ مزدور اب مجموعی طور پر بھی اپنی محنت سے دست کش ہو سکتے تھے یعنی ہڑتال کرسکتے تھے۔ اس کا فوری اثر اطمینان بخش ثابت نہیں ہوا۔ اول تو ایک مالی بحران پیدا ہوا پھر چار پانچ سال کساد بازاری رہی اور ہڑتالیں ناکام رہیں۔ تاہم راستہ صاف ہوگیا تھا۔ عشرے کے اختتام پر مزدور سبھا تحریک کے بارے میں ایک نیا نظریہ وجود میں آیا۔ آجر متحد ہوگئے تھے اور اب بھی بہت طاقتور تھے۔ مزدور غیر متحد تھے۔ چنانچہ صنعتوں کی انجمن کا ایک ایسا تصور ترقی پانے لگا جس کے اندر ملک کی تمام صنعتوں کے تمام مزدور شامل ہوں اور ان کے اندر ایک مشترک محرک کام کررہا ہو۔ غرض مکمل یک جہتی کا نصب العین سامنے رکھا گیا۔ (مزدور سبھا اور صنعتوں کی انجمن کے فرق کو نظر کے سامنے رکھیے)۔

۱۸۲۹ء میں لنکا شائر کے کاتنے والوں نے اپنے مندوبین کو بھیجا اور نتیجہ یہ ہوا کہ کل صنعتوں کی ایک عام انجمن بن گئی۔ گو یہ جلد غائب ہوگئی لیکن اس نے آیندہ کے لیے راستہ صاف کردیا۔ اس کے دوسرے سال ڈوہرٹی نے